تلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون

ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں سمجھیں

یہ وہ قصہ نہیں کچھ جھوٹی سچی جسمیں باتیں ہوں
بیاں پُر درد ہے گزری ہوئی اپنی حکایت ہے

اِقبال دُلہن

جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم۔ شادی بیاہ وغیرہ کے رسوم زن وشو کے تعلقات باہمی۔ تعدد ازدواج کی خرابیاں اور بصورت لاولدی اُس کا جواز سوکنوں کا برتاؤ اور نباہ ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں بیان کیگئی ہیں

مُصنفہ

مولوی بشیر الدین احمد صاحب اوّل تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر

حسب فرمائش مولوی منذر احمد صاحب بی۔ اے

صرف ٹائیٹل دی پرنٹنگ ورکس فائن آرٹ لتھو برانچ دہلی میں طبع ہوا

بار دوہزار

فہرست مضامین اقبال دلہن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

زلاف[1] حمد و نعت اولیٰ ست بر خاکِ ادب خفتن
سجودے می‌تواں کردن درودے می‌تواں گفتن

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا ادا کرنا قوت بشری سے خارج ہے۔ تاہم مالا یدرک[2] کلہ لا یترک کلہ

لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا[3]

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت چھوٹا منہ بڑی بات۔ بریں ہم ٹوٹی پھوٹی جیسی کچھ ہو سکے تیمناً و تبرکاً ادا کرنا ضرور ہے۔

---

[1] خداوند تعالیٰ کی تعریف حمد۔ اور رسول مقبول کی تعریف نعت کہلاتی ہے۔ حمد و نعت کی شیخی بگھارنے سے ادب کی خاک پر سجدہ کرنا اور پیغمبرؐ صاحب پر درود بھیجنا بہتر ہے۔

[2] جو سب میسر آ سکے تو خیر تھوڑا ہی سہی۔

[3] اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر (کا پانی) سیاہی (کی جگہ) ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر نبڑ جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور سمندر (اس کی) مدد کو لائیں۔ ۱۲

تعریف خدا کو ہے مسلّم — پیدا کیا جس نے کُن[1] سے عالم
دے نطق (گویائی) کی آدمی کو قوت — بخشا اس کو شرف کا خلعت
مہرومہ و آسمان و انجم — حیوان و پری و دیو مردم
دریا و زمین و کوہ و صحرا — باغ و گل و سبزۂ مطرا (تروتازہ)
سب کا ہی وہی بنانے والا — ما اعظم (بزرگی)[2] شانہ تعالیٰ
انسان سے ہو حمد اُسکی کیا خاک — احمد نے کہا ہی ماعرفناک[3]
احمد وہ نبی صاحب شان — نازل ہوا جن کے حق میں قرآن
کیا رتبہ ہی کیا بلندی شان — ماں باپ ہوں سب کے اُن پہ قربان

(از صرفِ صغیر)

میرے والد ماجد عالی جناب شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب قبلہ مرحوم مدظلہ العالی (اِل۔اِل۔ڈی ڈی۔او۔اِل) کی شہرت کیا بہ لحاظ تبحر علمی اور کیا بلحاظ متعدد تصانیف اور لکچروں کے محتاج بیان نہیں۔میں بھی اُس باغ علم و فصاحت کا ایک ادنیٰ خوشہ چیں ہوں۔باپ پت پوت۔پتا پر گھوڑا۔بہت نہیں تو تھوڑا ہی تھوڑا اُسی آفتاب عالم کی کچھ شعاعیں مجھ پر بھی وراثۃً اور اکتساباً پڑ گئی ہیں۔

گرچہ خوردیم[4] نسبتے ست بزرگ — ذرہ آفتاب تابانیم

---

[1] اس آیت کی طرف اشارہ ہی اِنَّمَا قَولُنَا لِشَیٍٔ اِذَا اَرَدنٰہُ اَن نَّقُولَ لَہٗ کُن فَیَکُون جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں ہمارا کہنا اس کے بارے میں اتنا ہی ہوتا ہی کہ ہم اُس کو فرما دیتے ہیں کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہی [2] کیا بڑی اس کی شان ہی۔[3] پوری عبارت مَا عَرَفنَاکَ حَقَّ مَعرِفَتِکَ ہی۔یعنی خود پیغمبر خدا نے اپنا عجز ظاہر فرمایا ہی کہ جیسا تجھ کو پہچاننا چاہیئے تھا ویسا ہم بھی نہیں پہچان سکے [4] اگرچہ ہم چھوٹے ہیں مگر تعلق تو بڑا ہی۔لیکن ہیں اسی چمکتے ہوئے آفتاب کے ایک ذرہ ۱۲۔

میں نے جو کچھ پڑھا لکھا اپنے والد ماجد ہی سے مستفید ہوا۔ ہمت[1] از مردم کریم طلب خاک از تودۂ کلاں بردار۔ یہ اُسی طبع گرامی کا فیضان ہے جو تالیف و تصنیف کی طرف میلان ہے۔ جناب ممدوح نے ایک سلسلۂ تعلیم نسواں کا لکھا ہے جس کی مقبولیت چار دانگ عالم میں ایسی ہوئی کہ اُردو میں اُس سے بہتر تصانیف اگر معدوم نہیں ہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ سب سے پہلے ۱۸۶۹ء میں مراۃ العروس پہلی کتاب تھی جو عورتوں کے لیئے لکھی گئی جس کو اب چالیس سال ہونے آئے۔ اُس کی دیکھا دیکھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر وہ بات کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ میں نے بھی اسی طرز کی نقل اور اُسی ڈھنگ پر چلنے کی کوشش کی ہے لیکن اصل اصل ہی ہے اور نقل نقل ع چہ[2] نسبت خاک را با عالم پاک والد ماجد نے اب اس سلسلے میں کتابیں لکھنی چھوڑ دی ہیں۔ اُن کی توجہ گراں مایہ سالہا سال سے بہت اعلیٰ اور ارفع مضامین کی طرف منذول ہے۔ ترجمہ قرآن مجید کے علاوہ الحقوق والفرائض اور اجتہاد اور امہات الامہ وغیرہ جملہ کتب دینیات اور معلومات مذہبی کا بے بہا ذخیرہ ہیں۔ اس لیئے مجھے مدت سے یہ خیال تھا کہ اگر ہو سکے تو اُسی رستے پر چلوں جس کی داغ بیل اُنھوں نے ڈالی چنانچہ اُسی طرز کی یہ کتاب ناظرین کے ملاحظہ کے لیئے پیش ہے۔[3] اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ۔ محصنات میں ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں نکاح ثانی کے مضر نتائج اور اہم نقصانات بیان کئے گئے ہیں جس نے اس قصے میں پُرانے اور حال کے طریقۂ تعلیم کو مقابلہ دکھلایا ہے۔ انگریزی تعلیم سے جو آزادانہ

---

[1] بخشش کرنے والے آدمی ہی سے استمداد چاہیے۔ خاک کی چٹکی بھی لو تو بڑے ڈھیر سے تو مطلب یہ ہے کہ کوئی سی بات بھی حاصل کرو تو بڑے اور مشہور شخص سے نہ کسی گم نام ٹٹ پونجئے سے [2] خاک کو عالم پاک سے کیا مناسبت ہے؟ [3] میں تو کوشش کرتا ہوں کام کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ ع - ۱۲

خیالات اور تنزلزل عقائد عموماً پیدا ہو جاتا ہے حتی المقدور اُس کی روک تھام کی کوشش کی ہے مسلمانوں کے شریف گھرانوں کے تمدنی حالات شادی۔ بیاہ مرنے جینے کی رسوم کو علی التسلسل بیان کیا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات اور کس طرح ایک کو دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ بالتفصیل لکھی ہیں۔ بڑی احتیاط اس بات کی کی گئی ہے کہ کتاب بھر میں ایک لفظ بھی ایسا نہ ہو کہ جو شرفا کی بہو بیٹیوں کی نظر سے گزرنے کے قابل نہ ہو مجھے توقع ہے کہ یہ کتاب مردوں اور عورتوں دونوں کے لیئے یکساں مفید ہو گی۔ اگر اس کے مطالعے سے مسلمانوں کے گھرانوں میں کچھ اصلاح ہو تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ چوں کہ اس طرز میں یہ میری پہلی تصنیف ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ سقم رہ گئے ہوں۔ لہٰذا ناظرین با تمکین سے توقع ہے کہ معذور رکھیں گے۔ وَالْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ[۱]

خاکسار بشیر الدین احمد غفرلہ

مقام لنگسگور۔ علاقہ حیدرآباد دکن۔ اگست ۱۹۰۸ء

---

[۱] بڑے لوگوں کے نزدیک عذر مقبول ہوتا ہے۔ ۱۲

دیباچہ طبع ثانی

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہی دل میں یہ صفائی ہی کہ آئینہ ہی
جب قفلِ دہن کُھلا جواہر نکلے گویا کہ زبان کلید گنجینہ ہی

تا تازہ و تر زنم رقم را دریا دہ کشیدہ ام قلم را

جس طرح ماں باپ کو پہلونٹی کا بچہ پیارا ہوتا ہی یا جیسے ہر سلطنت میں ولیعہد مایہ الامتیاز ہوتا ہی اسی طرح ہر مصنف کے لیئے اُس کی پہلی تصنیف آنکھ کا تارا ہوتی ہی "اقبال دُلہن" بھی بہ لحاظ میری پہلی تصنیف ہونے کے اس کلیئے سے مستثنیٰ نہیں۔ اس کی محبت مجھے اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہو گئی کہ لوگوں نے میری توقع سے زیادہ اُس کی قدر کی مصنف کے لیئے اس سے بڑھکر کیا سرمایۂ ناز ہو سکتا ہی کہ اُس کی زندگی میں اُس کی سعی مشکور ہو۔ باغ کا مالی عمدہ میوے دار درخت کا بیج ڈالتا ہی یا قلم لگاتا ہی اگر وہ ٹھٹر جائے تو اُس کا دل کمھلا جاتا ہی اور اگر خوب پھلے پھولے اور عمدہ ثمر دے تو مالی کا دل باغ باغ ہو جاتا ہی۔ یہی کیفیت میری ہی - والحمد[۲] للہ علیٰ ذالک۔

خوشی کیا کہ اک دم ہو اک دم نہ ہو یہ وہ عیش ہی جو کبھی کم نہ ہو

اقبال دُلہن کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا۔ اُس کے نکلنے میں کچھ دیر

۱؎ تاکہ میری تحریر تر و تازہ ہو میں نے قلم کو دو آتشہ کیا ہی۔ ۲؎ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ۱۲

نہ لگی۔ چاروں طرف سے تعریف کے پُل باندھ دیئے گئے۔ نامی گرامی سر برآوردانِ قوم نے بیش بہا ریویو لکھ کر صرف میری حوصلہ افزائی ہی نہیں فرمائی بلکہ میں اس فخر و مباہات پر جس قدر ناز کروں کم ہی

نازاں منم کہ ہم چو توئی قدر دانِ من نازاں تو ئی کہ ہم چو منے مدح خوانِ تو

حضرات عصمت مآب جن کے لیئے کتاب لکھی گئی تھی اُن کی بپتا۔ آئی۔ بیل منڈھے چڑھی۔ عورتوں نے کتاب کو گلے کا ہار بنایا

معزز خواتین نے مجھ ہیچ میرز کو اپنی پسندیدگی کا سرٹیفکٹ دیا جس میں سے صرف ایک بطور نمونہ کتاب کے آخر میں درج ہی۔ متعدد سر برآوردہ اخبار بھی اِن کے ہم آہنگ ہوئے وکفی بہٖ فخرا ۔ ع برین مژدہ گر جاں فشانم رواست

پہلا ایڈیشن صرف ہو کر کتاب اب گھس لگانے کو بھی نہیں ملتی مگر مانگ ہی کہ چاروں طرف سے برابر چلی آ رہی ہی۔ کتابیں جو ایک دفعہ چھپ کر پھر نہ چھپیں اُن کو مردہ سمجھنا چاہیئے جیسے برسات کے کپڑے اور جو بار بار چھپیں اور ہاتھوں ہاتھ بکیں وہ زندہ ہیں

بے کار ہی ریاض جو حاصل ثمر نہیں عنبر بھی خاک ہی کوئی خواہاں اگر نہیں

اقبال دُلہن تازہ بناؤ سنگھار اور نئے نکھار سے دوسرے ایڈیشن کے پُر تکلف لباس میں بعد ترمیم و اصلاح مناسب جس سے اُس کا حُسن دوبالا ہو گیا ہی خرام ناز کے ساتھ مشتاقین کی خدمت میں حاضر ہوتی ہی۔ پہلے ایڈیشن سے دوسرا ایڈیشن بمصداق ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول ۔ بدرجہا بہتر ہی۔ جو صاحب پہلے

۱؎ مجھے اس بات پر ناز ہی کہ آپ جیسا میرا قدردان ہی اور آپ کو بھی ناز ہونا چاہیئے کہ مجھ جیسا آپ کی تعریف کر رہا ہی ۲؎ اور فخر کے لیئے یہ کافی ہی ۳؎ اس خوشخبری پر اگر میں اپنی جان بھی نثار کر دوں تو بجا ہی۔ ۴؎ مصور ہمیشہ پہلی تصویر سے دوسری اچھی بناتا ہی۔ ۱۲

ملاحظہ فرما چکے ہیں اُن کی تفریح طبع کے لئے شراب دو آتشہ یا قند مکرر کا مزا دے گی افسوس ہی کہ میرے پاس سب ریویو محفوظ نہیں اور ہوتے بھی تو کہاں تک لکھتا۔ اصل کتاب سے ضمیمہ بڑھ جاتا۔ کنکوے سے دُم چھلا بڑا ہو جاتا مگر مشتے نمونہ از خروارے چند چیدہ چیدہ ریویو درج کر دیئے ہیں۔ کتاب کس درجے کی ہی خود کتاب سے معلوم ہوگا۔ عیاں[1] را چہ بیاں ع مشک[2] آن ست کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار گوید۔ اپنی کتاب کو آپ سراہنا بقول ع کس[3] نہ گوید کہ دوغ من ترش است تحصیل حاصل ہی ؎

گل ہائے مضامیں کو کہاں بند کروں خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

کتاب جس کے ہاتھ میں جائے گی دل میں خود جگہ کرلے گی ع حاجت[4] مشاطہ نیست روئے دل آرام را۔

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستان یک رنگ کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

مسلمانوں میں پہلی بیوی پر سوکن لانا ایک ایسی معمولی اور کثیر الوقوع بات ہوگئی ہی کہ قوم میں اُس کے نقصانات کا احساس بھی باقی نہ رہا۔ آنکھ میں ایک کن (ریزہ) پڑ جاتا ہی تو طبیعت بے چین ہو جاتی ہی اور یہ تو ایک نہیں دو نہیں اکٹھے سوکن ہیں۔ مرد وں کو اس دُکھ کا کیا اندازہ ہو سکتا ہی ع قدر[5] مصیبت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید ؎

---

[1] جو بات ظاہر ہی اُس کا بیان کیا [2] مشک کی بو کہیں چھپتی ہی عطار کہے یا نہ کہے [3] اپنے دہی کو کون کھٹا کہتا ہی [4] خوبصورت کی تقریب کے لئے مشاطہ کی کیا ضرورت ہی [5] مصیبت کی قدر وہی خوب جانتا ہی جو پھنس گیا ہی۔۱۲

جس پہ گزری ہو یہ وہی جانے جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے

اِس دُکھ کی مار کا حال زار کچھ ان ہی کے دل سے پوچھا چاہیئے جن ناکردہ گناہوں پر یہ بلائے بے درماں مسلط ہوتی ہے جس کی نہ پھٹی ہو بوائی وہ کیا جانے پیر پرائی۔ ہم نے اس کتاب میں تعدد ازدواج کے سخت مذموم طریقے کو اس کی اصلی اور ڈراؤنی شکل میں دکھلایا ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اس فعل قبیح کو نظر استحسان سے دیکھا جائے اور اُن کی پیٹھ ٹھونکی جائے کہ وہ دو دو چار چار بیویاں شوق سے بیاہ کرلیں۔ لیکن ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آنکھوں پر پٹی باندھ لیں اور مسلمانوں کی جائز اور مصلحت آمیز مذہبی آزادی کو یک قلم چھین لیں یا نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد نصِ قرآنی کو ناواجب العمل ٹھیرائیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہم اس مطلق العنانی کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے معزز اور محترم دوست مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک اخبار تہذیب النسواں ہی ایک ایسے بزرگ قوم ہیں جنھوں نے ہماری اس تصنیف کو گو کہ پسند کیا ہے مگر پھر بھی دبی زبان سے اعتراض فرمایا ہے۔ جو صاحب موصوف کی اخلاقی جرأت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ہم جناب معز کے شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے آزادی سے اظہار رائے فرمایا

شعر

دوست باشد کہ از معائب دوست[۱] ہم چو آئینہ رو بہ رو گوید

نہ کہ چوں شانہ باہزار زباں پس ہر رفتہ مو بہ مو گوید

[۱] دوست وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کے عیوب دو بدو کہہ دے۔ یہ کوئی بات نہیں کہ کنگھی کی طرح سر کے پیچھے ہونے ہی کچھ لگی لپٹی نہ رکھے اور جوں کا توں کہہ ڈالے۔ ۱۲

اگر میں اُس اعتراض کو ناظرین کے سامنے پیش نہ کروں تو یہ میری اخلاقی کمزوری میں شمار ہوگا۔ مولوی صاحب خیال فرماتے ہیں کہ گو ہم نے مستورات کے لیئے ایک عمدہ لٹریچر پیش کیا ہی مگر جب کہ اس میں اقبال مرزا کے ازدواجِ ثانی کی مثال پیش کی گئی ہی تو خواہ وہ کیسی ہی شدید ضرورت یا کتنے ہی عمدہ پیرایہ میں کیوں نہ ہو مگر پھر بھی ایک بُرا نمونہ ہی اور بُری تقلید کی طرف رغبت دلاتا ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف کسی حالت میں ازدواجِ مکرر کو جائز نہیں سمجھتے اور یہ حکم الٰہی کوئی صورت استثنائی نہیں رکھتا۔ اس کا جواب خاکسار کے پاس صرف یہی ہی کہ اس امر سے مولوی صاحب کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو قیود خاص کے ساتھ تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہی۔ اگر یہ اجازت محض نمائشی اور برائے بیت ہی تو کلام الٰہی کی نسبت ایسا خیال کسی سچے مسلمان کے دل میں آنا بالکل ناممکن ہی۔ پھر ہم کو بتلایا جائے کہ یہ حکم الٰہی کب قابلِ نفاذ قرار دیا جاسکتا ہی اور اس کے معمول بہ ہونے کی کوئی عملی صورت ہی بھی یا نہیں یا یہ حکم سرے سے معطل اور بیکار ہی نہیں ہرگز نہیں۔ اس حکم الٰہی پر برابر عمل کیا جاسکتا ہی اور کرنا چاہیئے۔ مگر کب ہی جب کہ اس کی سچی اور واقعی ضرورت ہو۔ یعنی یہ کہ پہلی بیوی عقیمہ ہو یا اُس میں کوئی ایسا جسمانی نقص ہو جس سے عُقم متحقق ہو جائے اور اولاد ہونے کی توقع باقی نہ رہے۔

سب سے بڑی غرض آفرینش آدم کی دُنیا کا آباد کرنا ہی اور یہ بدون توالد و تناسل کے ناممکن ہی۔ ترویج و مناکحت دُنیا میں نسلِ انسانی کے پھیلانے کا فطرتی اور جائز ذریعہ ہی۔ بنجر زمین میں تخم ڈالنا سعی بےسود ہی۔ اگر باوجود مناکحت کے اصلی نتیجہ توالد و تناسل کا حاصل نہ ہو تو یہ فعل حرکت بہیمی میں داخل ہو جاتا ہی۔ شادی بیاہ

کے بعد اگر بال بچے نہ ہوں تو کیا دھرا سب اکارت ہے اور دنیا ہیچ ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے اور ہر دکھ کا درمان ہے۔ اب فرمایئے کہ لاولدی کے جان فرسا مرض کا علاج سوائے ازدواج مکرر کے کچھ اور بھی پردۂ دنیا پر ہے؟ نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے اور یہیں سے احکام اسلام کی سچائی اور خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے اور نیز اس امر کا کہ یہ حکم الٰہی بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔ چنانچہ یورپ کی اقوام بھی اب اس اصول کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی ہیں ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

اگر ہم تعدد ازدواج کی شارع عام کو کاٹ چھانٹ کر ایک ایسی سکڑی گلی کی صورت میں لے آئے ہیں کہ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی تنگ راستہ باقی رہ گیا ہے تو کیا ہماری سعی مشکور نہیں؟ اور ہم نے کون سی انوکھی بات کہی جس سے علی الزعم یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ ہم تعدد ازدواج کے حامی اور اُس کی ترویج کے ممد و معاون ہیں۔ ہم تو ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ ایک بیوی رہتے دوسری کرنا اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنا اور اپنی بھلی چنگی جان کو ایک ایسے وبال میں پھنسانا ہے کہ جس سے مدت العمر نکلنا محال ہے ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست باتو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال

رائچور (علاقہ حیدرآباد دکن) ۷۔ دسمبر ۱۹۱۳ء حقیر شبیر

ملہ مال اور اولاد (یہ دونوں چیزیں) دنیا کا سنگار ہیں ۔ ملہ (دانا اور نادان میں یہی فرق ہے) کہ جو دانا کرتا ہے نادان بھی کرتا وہی ہے مگر بہت خرابی کے بعد۔ ملہ جو بات درحقیقت کہنے کی ہے وہ تو میں نے کہہ دی اب یہ آپ کو اختیار ہے کہ دل چاہے مانیں اور دل چاہے اُس سے آزردہ ہو جائیں۔ ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب۔ اقبال مرزا کے خاندانی حالات اور ابتدائی تعلیم

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے ہستی کو حبابِ آب دیکھا ہم نے

جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

دلّی والے ایسے کم ہوں گے جو نواب مرزا صاحب کے خاندان سے واقف نہ ہوں۔ اُن کو گزرے ابھی کچھ بہت عرصہ نہیں ہوا۔ اُن کے دیکھنے والے سینکڑوں آدمی موجود ہیں۔ اُن کی حویلی دینا بیگ خاں[1] کے کٹرے میں کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ دلّی میں اِن کا نام مثلِ آفتاب کے روشن ہے اور شاہی زمانے میں کچھ منصب۔ جاگیر۔ املاک اور اعزاز ہوگا وہ تو ہم کو خبر نہیں مگر اب بھی اس گئے گزرے زمانے میں دلّی کے اعلیٰ درجے کے رئیسوں میں ان کا شمار تھا۔ سُنا ہے کہ

[1] اصل لفظ آدینہ بیگ کا کٹرہ ہے مگر دلّی والے یوں ہی بولتے ہیں جو کثرتِ استعمال کا نتیجہ ہے۔ ۱۲

غدر میں اُنھوں نے سرکار انگریزی کی بڑی خیر خواہی کی تھی کسی میم کی جان بچائی تھی جس کے صلے میں ان کو گورنمنٹ انگریزی سے حین حیات معقول پنشن ملی تھی۔ اور یوں بھی کسی بات کی کمی نہ تھی۔ زمین داری۔ مکانات۔ دُکانات۔ حویلیاں کٹڑے۔ بہت کچھ جائداد تھی جس کے کرایہ کی آمدنی بہ جائے خود اُن کی امیری اور ریاست کے شایاں تھی گھر پر نوکر چاکر ماما۔ اصیلیں۔ بگھی۔ گھوڑا۔ متعدد سواریاں اللہ کا دیا سبھی کچھ تھا غدر کے چند سال بعد اُن کا انتقال ہوا۔ شہر میں اُن کے مرنے کا بڑا تہلکہ پڑا۔ ہندو مسلمان سب نے اُن کا ماتم کیا کہ بے چارے بڑے صلح کل۔ نیک مزاج اور نیک آدمی تھے۔ اب تک لوگ اُن کو یاد کرتے ہیں۔ جب وہ مرے تو اُنھوں نے اپنی بیوی عالیہ بیگم (جو آگے چل کر اولیا بیگم کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں) ایک کم سن لڑکا اقبال مرزا ایک شیر خوار لڑکی پیاری بیگم اور دو بیاہی ہوئی لڑکیاں چھوڑیں۔ لڑکیاں اچھی جگہ بیاہی گئی تھیں۔ جو دونوں اپنے اپنے گھر میں خوش اور آباد تھیں۔ ایک یہی لڑکا تھا جس کی عمر باپ کے مرنے کے وقت مشکل دس برس کی ہو گی۔ لڑکی تو ابھی سوا برس کی ماں کے گود میں ہی تھی کہ نواب صاحب اس دنیا سے اِن دونوں کی حسرت اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ بیگم صاحب بہت عقل مند اور قابل اور بڑی سلیقہ شعار تھیں۔ کیوں کہ خود ایک بڑے گھرانے کی بیٹی اور پوتڑوں کی امیر تھیں۔ میاں کے مرنے کے بعد بے چاری پر ایک غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ لڑکیوں کی بیاہ بارات سے تو وہ فارغ ہو چکی تھیں۔ صرف لڑکے اور لڑکی کا فکر تھا سرکار نے بلحاظ اُن کے والد کے حقوق کے نصف پنشن لڑکے کے نام جاری کر دی تعلیم کے لیئے لڑکے کو علی گڈھ کالج میں بھجوا دیا۔ اگر چہ دہلی سے علی گڈھ کچھ دور نہیں

تاہم بیگم صاحبہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس ننھی سی عمر میں لڑکا ان سے جُدا ہو۔ اُن کا دلی منشا یہ تھا کہ یہیں کہیں دلی کے مدرسے میں تعلیم پائے اور کوئی ماسٹر معقول تنخواہ پر نوکر رکھ کر گھر پر پڑھوایا جائے مگر مقامی عہدہ داروں نے صلاح دی کہ یہاں لاڈ پیار میں بچے کا ستیاناس ہو جائے گا۔ تعلیم خاک بھی نہ ہو گی۔ رذیل لڑکوں کی صحبت خوشامدی نوکروں کی آؤ بھگت میں لڑکا ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ پھر سنبھلنا مشکل ہو گا بیگم صاحبہ کو سمجھا بجھا کر لڑکے کو علی گڑھ روانہ کر دیا۔ ایک معتبر ملازم اُن کے ساتھ کیا بیگم صاحب کو لڑکے کی جُدائی بہت شاق ہوئی مگر اپنے کلیجے پر پتھر رکھا اور چشم پُرنم رخصت کیا۔ ماں کی محبت جیسی خالص اور بے لوث ہوتی ہے کون نہیں جانتا مثل مشہور ہے جس کی ماں نہیں اُس کا چاہنے والا نہیں۔ ہمارے ننھے مسافر کو بھی ماں کا چھوڑنا ایک بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ دل کڑا کر کے کریم بخش ملازم کے ساتھ چلا گیا اسی نے لڑکے کو بچپنے سے پالا تھا۔ یہ بڈھا ملازم بہت نیک بخت نمازی پرہیزگار اور معتبر تھا۔ بچے کو بہت چاہتا تھا۔ امیر کا بچہ اُس پر لاڈلا۔ مگر کیا مجال جو کوئی بات خلاف تہذیب کرے باپ نے بہت چاؤ چوچلوں سے پالا تھا۔ ماں کا بھی بہت لاڈلا تھا۔ کھلاتے تھے سونے کا نوالا مگر دیکھتے تھے شیر کی نگاہ بچے کو ماشاء اللہ ایسا اُٹھایا تھا کہ سب اُسے پیار کرتے تھے اور اُس کی نیک بختی دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اور دل ہی دل میں دعائیں دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو پروان چڑھائے ماں باپ کی مامتا ٹھنڈی رہے بسم اللہ کی تقریب کے بعد جو چار سال چار مہینے چار دن کی عمر میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اقبال کی تعلیم پُرانے طریقے پر شروع کر دی گئی۔ ایک میاں جی پانچ روپے مہینے اور کھانے پر دروازے پر مثل دوسرے

خدمت گاروں کے ملازم تھے۔ اُنھوں ہی نے الف بے بغدادی قاعدہ۔ اور عمّ یتساءلون کا پارہ پڑھایا تھا۔ اس کے بعد اُردو کی دو ایک کتابیں پڑھا دی تھیں یا یہ کہیئے کہ طوطے کی طرح رٹا دی تھیں۔ الف۔ بے کی تختی لکھنی آتی تھی۔ یہی کُل کائنات لڑکے کی تعلیم کی تھی اور میاں جی کی معلومات کا بھی یہی ذخیرہ تھا۔ اس تعلیم کا یہ طریقہ تھا کہ ڈیوڑھی میں ایک ٹوٹی کھٹیا پر بیٹھ کر میاں جی پڑھاتے تھے۔ لڑکے نیچے بوریئے پر بیٹھتے تھے۔ جس قدر بچّے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے اور چلاتے تھے اسی قدر انھیں شاباشی ملتی تھی۔ مکتب کی رونق کے لیئے دو چار غریبوں کے لڑکے بھی اقبال کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ میاں جی کو دو چار آنے اُن سے بھی مل جایا کرتے تھے۔ میاں جی کی تعلیم کا دارومدار گُھرکی جھڑکی اور مار پیٹ پر تھا۔ ایک قمچی ہر وقت اُن کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی۔

اقبال نوران کے دستِ شفقت سے محفوظ تھا۔ لیکن دوسرے ننّھے ننّھے معصوم بچّے بازار کے بھاؤ پٹا کرتے تھے۔ ان کی ہیتھیلیں مار کے صدمے سے الّو ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ان کے کان بھی پکڑواتے تھے۔ بچّے مکتب کے نام سے بھاگتے تھے۔ زبردستی اُن کو گھسیٹ کر پوہنچایا جاتا تھا جس طرح گائے قصائی کی صورت سے کانپتی ہے یہ میاں جی سے لرزتے تھے۔ میاں جی کی صورت سے ننھے ننھے دل دہل جاتے تھے۔ رنگ فق ہو جاتا تھا مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگتی تھیں۔ اس طرح کی جبریہ اور قہریہ اور وحشیانہ تعلیم دو برس رہی۔ آخر کار اقبال مرزا کو ایک لور پرائمری سکول میں داخل کر دیا گیا۔

وہاں ایک طوفان بے تمیزی تھا۔ شریف رذیل سب ایک جا جمع تھے سب کو

ایک ہی لاٹھی ہانکا جاتا تھا۔ مدرسوں کو اپنی فیس سے کام تھا پڑھائی لکھائی خیر صلاح اقبال کے لیئے گھر پر بھی ایک ماسٹر دس روپیہ ماہوار کے نوکر تھے وہ دو گھنٹے آکر کچھ پڑھا جایا کرتے تھے۔ اس شش سالہ تعلیم کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہوا۔ صرف اُردو پڑھنے میں اقبال کو کچھ مہارت ہو گئی۔ انگریزی میں پہلی اور دوسری کتاب پڑھ لی مگر ہمارے خیال میں یہ چھ برس بالکل ضائع گئے۔

دوسرا باب علی گڑھ کی تعلیم

اقبال مرزا جس دن علی گڑھ پوہنچے۔ جاتے ہی اُن کو ایک نجتہ کمرہ فرش و فرنیچر سے سجا سجایا ملا۔ چاروں طرف شریف زادوں کا مجمع تھا کھیل کود کا سامان بھی بہت کچھ تھا۔ کریکٹ۔ فٹ[۱] بال ٹینس[۲] سواری سب ہی قسم کا سامان تفریح تھا کھانے کے لیئے ڈائنیگ[۳] ہال میں جانا ہوتا تھا۔ سلیقے سے میز چنی جاتی تھی جس پر برف ہی چادر بچھی تھی۔ مسجد میں پنج وقتہ جماعت سے نماز ہوتی تھی۔ مدرسے کا وقت مقرر کھیل کا وقت مقرر۔ غرض ہر کام اپنے اپنے وقت مقرر پر ہوتا تھا۔ بچوں کی طبیعتیں پابندی اوقات کی عادی ہو گئی تھیں۔ اقبال مرزا گھر کی چار دیواری سے

[۱] گیند کو پاؤں سے لڑکاتے ہیں [۲] ربر کی گیند اور جال دار بلّوں سے کھیلا جاتا ہی [۳] کھانے کا کمرہ ۔ ۱۲

نوٹ ۔ ہم نے بہت سے الفاظ غیر مانوس اور فارسی اشعار کا ترجمہ جابجا صرف عورتوں کے لیئے کردیا ہی مردوں کو اُس کی کچھ ضرورت نہیں ۱۲

نکل کر ایک دم جو یہاں آئے تو اُن کی آنکھیں کھُل گئیں۔ اُنھوں نے نئی دنیا دیکھی
چوں کہ اُن کی حالت میں دفعتہً یہ تغیّر ہوا تھا اور ماں کی جدائی بھی اکثر ستاتی
تھی لہٰذا پہلے پہل دل اُچاٹ رہا۔ مگر رفتہ رفتہ وہ علی گڑھ کالج سے مانوس ہوگئے
اور دل بہل گیا۔ اچھے لڑکوں کی صحبت سے دل بستگی ہوگئی۔ بہ جائے میاں
جی اور ٹدل فیل ماسٹر کے یہاں لایق اور شفیق اور دل سوز اُستاد ملے۔ ہاں تو
مار یہاں تو جھڑکی اور گھُرکی بھی نہ تھی۔ وہ جو اجنبیت شروع شروع تھی رفع ہوگئی
اقبال مرزا جب گھر سے چلے تو کئی صندوق کپڑوں کے اُن کے ساتھ آئے کپڑے
تن زیب اور ڈھاکے کی ململ چکن اور کامدانی کے تھے۔ انگرکھے پردہ دار نیچی چولی
کے اُن پر بیلیں اور کنٹھیاں ٹکی ہوئی۔ جاڑے کے کپڑوں میں کم خواب کی کئی جگمگاتی
ہوئی شیروانیاں سُرخ و سبز مخمل کی جن پر مدّھلیں ٹکی ہوئی تھیں۔ ٹوپیاں کام دار
پٹاری دار کشتی نما چوگوشیہ عرق چین۔ سلمے ستارے کی تھیں جن پر بھاری بھاری
بیلیں لگی ہوئی تھیں۔ جوتیاں وصلی کی سلیم شاہی کام دار نچکی کی اور سپاٹ
تھیں لیکن یہاں آکر یہ سب سامان بے کار نظر آیا۔ یہاں کا عالم ہی نرالا تھا جیسا
دیس ویسا بھیس۔ اقبال مرزا کے لیئے چار سوٹ (جوڑے) عمدہ ٹوئیڈ کے بنوائے گئے
ایک ڈبیرا وور کوٹ۔ ایک سیاہ سرج کا فراک کوٹ[ا]۔ دو سفید فلالین (اونی کپڑے کا نام ہے) کے پتلون
دو عمدہ اونی ٹوئیڈ کے کوٹ اور اُسی کے جوڑ کے پتلون اور واسکٹ چھ قمیصیں
چھ کالر۔ چھ پائجامے اور دو جوڑ ڈاسن (دُکان دار کا نام ہے) کے بوٹ اور شوز۔ ایک پمپ شو (گرگابی)۔ نک ٹائیاں (گلے میں باندھی جاتی ہیں)
رومی ٹوپیاں۔ ایک درجن رومال۔ نصف درجن تولیئے۔ ہر دست یہ سامان طیار

[ا] گھٹنوں تک کا کوٹ جس کے دامن پیچھے سے کھُلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ۱۲

ہوا۔ لڑکے کا رنگ وروغن پہلے ہی سے اچھا تھا گورا گمٹا۔ اس لباس میں وہ بہت بھلا لگتا تھا۔ جو کپڑے دلی سے آئے تھے وہ سب بے کار تھے۔ کتابیں جو ساتھ آئی تھیں ایک بھی کام نہ آئی۔ وہ بھی اور لینی پڑیں۔ اب اقبال مرزا کی تعلیم باقاعدہ شروع ہوگئی۔ ماہا نہ اُن کی خواندگی۔ چال چلن اور صحت کی رپورٹ[۱] بیگم صاحبہ کو جاتی رہتی تھی اس طرح سلسلۂ تعلیم بلا فصل جاری رہا۔ اس درمیان میں چھوٹی موٹی تعطیلوں میں لڑکا دہلی بھی آتا جاتا رہتا تھا لوگوں کو بیگم صاحبہ کی نسبت اعتراض تھا کہ لڑکے کو اتنی سی عمر میں اُٹھا کر اتنی دور بھیج دیا۔ بہت بُرا کیا۔ کیا دلی شہر میں مدرسوں کی کمی تھی۔ علی گڑھ میں ایسی کون سی انوکھی بات ہے۔ صرف امیری چونچلے ہیں۔ پڑھنے والے آخر یہاں بھی پڑھتے ہی ہیں۔ بچے کو آنکھ سے اوجھل کرنا اچھا نہیں دیدہ ہوائی ہوجائے گا لڑکا مفت ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرض جتنے مُنہ اتنی باتیں۔ ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ تعلیم اور تربیت دو جُداگانہ چیزیں ہیں۔ تعلیم تو خیر کہیں بھی ہوسکتی ہے مگر تربیت ایسی کسی اور جگہ نہیں ہوسکتی جہاں اس کا اہتمام نہ ہو۔ وہ مدرسے جن میں رذیلوں کے بچے پہلو بہ پہلو شریفوں کے بچوں کے ساتھ پڑھیں وہاں کیا خاک تربیت ہوگی تعلیم بلا تربیت کے بے سود ہے کتنا بھی پڑھا ہو مگر عادات و اخلاق درست نہ ہوں تو بے کار محض ہے

نہ محقق بود نہ دانشمند[۲] چار پائے بر و کتابے چند

اس سے تو جاہل ہی رہنا بدرجہا بہتر ہے بچپن ہی کا زمانہ تربیت کے لئے موزوں

---

[۱] انگریزی لفظ ریپورٹ ہے جو اُردو میں آکر رپوٹ ہوگیا۔ غلط العام فصیح ۱۲ [۲] نہ کسی بات میں پورا اُترتا ہے نہ عقل مند ہی ہوتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چوپائے پر چند کتابیں لاد دیں۔ ۱۲

ہری کچی لکڑی کو جس طرح جھکاؤ جھکتی ہی اگر بچپنے میں عادت بگڑ گئی تو مرتے دم تک اُس کی درستی کی امید نہیں ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست نہ رود جز بہ وقت مرگ از دست

ہم یہ نہیں کہتے کہ علی گڑھ میں جو جاتا ہی وہ سنور ہی جاتا ہی۔ نہیں بگڑنے والے وہاں بھی بگڑتے ہیں۔ اور جو بگڑتے ہیں وہ پیٹ بھر کر بگڑتے ہیں۔ کسی کے کیے گھی کے گھڑے اور کسی کے کیے پتھر پڑے۔ لیکن ایسی مثالیں شاذ و نادر ہیں دیکھنا یہ ہی کہ جب ایک مرکز تعلیم کا قائم کیا گیا ہی اور وہاں ہر طرح کا انتظام تعلیم و تربیت کا ہی اور اس کے حسن و انتظام کی شہرت چار دانگ عالم میں ہی تو اپنے بچوں کو بہتر سے بہتر تعلیم کیوں نہ دلائی جائے۔ یہ بات دوسری ہے کہ سوء اتفاق سے باوجود عمدہ تدبیر کے نتیجہ برعکس ہو۔ یہ کہنے کو تو نہ ہو گا کہ ہم نے کوئی دقیقہ کوشش کا اُٹھا نہ رکھا۔ مریض کا علاج عمدہ سے عمدہ حکیم کا کیا جاتا ہی۔ بہتر سے بہتر دوا دی جاتی ہی پھر بھی مرنے والے مرتے اور جینے والے جیتے ہیں۔ اس سے نفس علاج یا اصل دوا پہ کوئی الزام نہیں آسکتا۔ لیکن[۲] ہم اتنا اپنے تجربے سے کہتے ہیں کہ بہت چھوٹی عمر کے بچوں کو علی گڑھ بھیجنا درست نہیں وہاں ان کی پوری نگرانی نہیں ہو سکتی۔ ذرا وہ ہوش سنبھال لیں اور نیک و بد کا امتیاز اُن میں پیدا ہو جائے تب شوق سے بھجوایا جائے۔ خدا کا شکر ہی کہ گو اقبال مرزا کم سنی ہی میں علی گڑھ

---

[۱] بُری عادت جو طبیعت میں بیٹھ جاتی ہی وہ مرتے دم تک نہیں جاتی [۲] یہ حال پہلے کا تھا اب کم سن بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی کافی انتظام کیا گیا ہی لیکن پھر بھی جو بات ماں باپ کے آنکھوں سامنے کی ہوتی ہی اُس کا ہونا متعذر ہی۔ کالج والے لاکھ سر پٹکیں والدین کی سی ماتا کہاں سے لائیں گے۔ ۱۲۔

سدھارے، مگر اس لڑکے کے خمیر میں نیکی اور راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی وہ روز بروز صرف تعلیم میں بلکہ تربیت۔ اخلاق حسن عادات سب امور میں ترقی کرتا گیا۔ علاوہ مدرسے کی تعلیم کے پرنسپل صاحب کی رائے سے بیگم صاحب نے لڑکے پہ ایک گارڈین بھی مقرر کر دیا تھا جو اس کے جملہ امور کا نگران اور اسی کمرے میں رہا کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ علی گڑھ کی تعلیم میں بڑا خرچ بیٹھتا ہے اور ہر شخص اس بار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی مثل ہے۔ جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ لوگوں کی عادت ہے کہ سب سے ضروری اور عمدہ مصرف جو خرچ کا ہے اسی میں بچر بچر کیا کرتے ہیں فضول رسموں۔ نمائشی تقریبوں میں تو تھیلیوں کا منھ کھول دیتے ہیں چند گھنٹوں کی واہ واہ کے لیئے روپیہ لٹانے میں دریغ نہیں کرتے مگر ایسی جگہ جس کا فائدہ مدت العمر رہے گا خرچ کرنے کو ان کا دل کڑھتا ہے۔ تعلیم پر تو جس قدر سکت ہو خرچ کرنا چاہیئے بیگم صاحب نے اقبال مرزا کی تعلیم میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا کبھی ان کو یہ خرچ اکھرا نہیں اول تو اللہ رکھے کسی بات کی کمی نہیں تھی اور پھر بیگم صاحب جانتی تھیں کہ ان کا روپیہ نیک لگ رہا ہے۔ لڑکے کو بالطبع پڑھنے کا شوق تھا اپنے ہمجولیوں کی دیکھا دیکھی اور بھی اُمنگ پیدا ہوئی۔ وہ دن بھر کتاب پر اوندھا پڑا رہتا تھا۔ رات کو بھی اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ دس دس گیارہ گیارہ بجے تک اس کے کمرے میں لمپ روشن رہتا تھا سوائے کتاب بینی کے اُسے کوئی مشغلہ نہ تھا۔ دُنیا کی ہوا اُسے لگی نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی استعداد بہت پختہ ہو گئی اور جلد جلد جماعتیں چڑھتا چلا گیا بعض مرتبہ تو سال بھر کی پڑھائی اس نے چھ ہی مہینے میں ختم کر لی اور ایک سال میں دو مرتبہ جماعت چڑھا۔ الغرض اس طرح اُس نے چودھویں سال مڈل پاس کیا اور اول درجے میں

کام یاب ہوا۔ سولھویں سال انٹرنس کے امتحان میں دو جگہ بیٹھا۔ الہ آباد اور پنجاب یونیورسٹی میں اور دونوں جگہ اوّل ڈویژن میں پاس ہوا بلکہ پنجاب کے امتحان میں تمام یونیورسٹی میں اوّل رہا۔ اس کام یابی پر کئی سکالرشپ اور تمغے ملے اور بڑی واہ وا ہوئی اور کالج کے یورپین سٹاف نے اس لڑکے پر خاص توجہ شروع کر دی یکولس سے کالج میں داخل ہوئے۔ قصّہ مختصر چوتھے سال بی اے کا امتحان پاس کیا اور وہ بھی اوّل ڈویژن میں اور اپنے کالج میں سب سے اوّل رہا۔ اقبال مرزا بی اے کی عمر اس وقت پورے بیس سال کی تھی وہ بڑا مقرر اور خوش گفتار لکچرار[1] نکلا۔ یونین کلب[2] میں اس کی سپیچ[3] اور لکچروں کی دھاک تھی۔ کیمبرج[4] یونیورسٹی پرائیز جو سب سے عمدہ مقرّر کو ملتا ہے اسی کو ملا تھا۔

تیسرا باب ولایت کی تعلیم پر بیگم صاحب کے خیالات

بی۔ اے۔ پاس کرنے کے بعد بیگم صاحب کا ارادہ نہ تھا کہ لڑکے کو آگے تعلیم دلائیں۔ ولایت بھیجنے کا تو کیا ذکر۔ وہ تو ولایت کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتی تھیں۔ وہ سُن چکی تھی کہ ان ہی کی بہن کے ایک چھوڑ دو لڑکے ولایت گئے۔ برسوں وہاں رہے۔ خدا جانے کیا پڑھا کیا لکھا۔ وہاں کیا کیا خاک اُڑائی۔ ماں باپ

---

[1] کسی خاص مضمون پر تحریری یا زبانی جو مضمون پڑھایا کہا جائے وہ لکچر ہے اور لکچر دینے والا لکچرار [2] کلب اُس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سب یار دوست ملتے جلتے ہیں۔ یونین کے معنی اتحاد [3] لغوی معنی تقریر کے ہیں کسی مجمع میں جو گفتگو کی جائے [4] ولایت کا مشہور دار العلوم۔ (درس گاہ) ۱۲-۵

کے ہزاروں روپئیوں پر پانی پھیر دیا۔ جیسے گئے تھے ویسے ہی کورے چلے آئے۔ جیسے کنٹھا لُگھڑ رہے ویسے رہے بدبس۔ ہاں اتنا تو ہوا کہ پورے صاحب بہادر بن کر آئے کوٹ پتلون تو خار رکھے پہلے ہی سے پھبتے تھے اب فیشن کے دل دادہ ہو گئے۔ ڈنڈا ہاتھ سے اور چرٹ مُنہ سے اور عینک آنکھوں پر سے کسی وقت جدا نہ ہوتی تھی۔ دن بھر میں خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی چار مرتبہ کپڑے بدلتے تھے۔ صبح سویرے ہوا خوری کے لیئے ایک۔ چھوٹی حاضری کے وقت دو۔ تیسرے پہر کے لیئے تین۔ رات کے لیئے چار۔

اپنے بھائی بندوں کو اس نگاہ سے بھی نہ دیکھتے تھے جیسے کہ صاحب لوگ کالے آدمی کو دیکھتے ہیں۔ اپنے آپ کو بنی نوع انسان سے ایک درجہ بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور اپنے بھائی بندوں کو انسانیت سے گرا ہوا خیال کرتے تھے۔ شراب خواری اور جوا اُن کی تہذیب میں داخل تھا۔ حرام حلال میں انھیں امتیاز نہ تھا۔ مذہب سے ان کو سروکار نہ تھا۔ نماز کو اُٹھک بیٹھک روزے کو فاقے مرنا سمجھتے تھے یعنی پورے بے دین اور کٹّے لامذہب بن کر آئے۔

ایک صاحب جب ولایت تشریف لے گئے تو اُن کی بیوی موجود تھیں اُنھوں نے سرزمین ہندوستان پر قدم دھرتے ہی پہلا نیک کام یہ کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور کیسے نہ دیتے "طوطی را بازاغے ہم قفس کردند"[1] جوڑ ملے تو کیسے اور نباہ ہو تو کیوں کر۔ ولایت میں کسی گری پڑی میم سے شادی کر لی تھی۔ اُس کو ساتھ لے آئے خانہ آباد و دولت زیادہ۔ ماں باپ سارے کنبے کو چھوڑ کر جنگل میں ایک کوٹھی لے کر

[1] طوطی اور کوّے کو ایک پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ ۱۲

بسیرا اختیار کیا۔ وہ ہم سے الگ ہم اُن سے جُدا۔ وہ ہماری صورت سے بیزار ہم ان کی شکل سے متنفّر۔ دوسرے صاحب کی سنیئے وہ کوارے تھے۔ غنیمت انھوں نے بارہ برس میں رینگ رینگ کر ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اب کیا تھا۔ ایک تو کریلا کڑوا اوپر سے چڑھا نیم۔ وہ جو تشریف لائے تو انھوں نے خیال کیا کہ ہم چو من دیگرے نیست ع جو ہم نے کیا کام وہ رستم سے نہ ہوگا۔ ولایت سے بہت کچھ امیدیں ساتھ لائے تھے کہ سول سرجن ہو جائیں گے۔ ایک ضلع کی جانیں ہماری دست قدرت میں ہوں گی۔ مگر یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ کس نمے پرسد کہ بھیا کون ہو۔ یہاں بڑے بڑے ولایت کے پاس شدہ ڈاکٹر سو ڈیڑھ سو کی نوکری کے واسطے مارے مارے پھرتے تھے۔ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تم کس باغ کی مولی ہو۔ یہ چاہتے تھے ہزار پانسو کی نوکری ۔ سو ڈیڑھ سو روپلی کی نوکری ان کی وسیع نظر میں کیا جچتی تھی۔ سو روپیے کو تو یہ الف خالی سمجھتے تھے۔ کسی رئیس کی چھوٹی موٹی نوکری ان کی کسر شان تھی۔ مگر غرور کا سر نیچا افسوس ہے کہ ان کو بھلی یا بری ڈمری کی نوکری بھی نہ ملی۔ ساری شیخی کرکری ہو گئی۔ گھر کے بھرے پُرے تھے چند روز اور اپنی اینٹھن میں مگن رہے ہیم چند ر دلّی کا مشہور ڈاکٹر انہیں کی قسمت سے مرا تھا۔ بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ میدان خالی تھا۔ خانۂ خالی را دیو می گیرد[1] جھٹ ایک خانگی شفاخانہ بہت بڑے پیمانہ پر چاندنی چوک میں کھول دیا۔ سمجھے کہ ہیم چندر جو نہ ولایت گیا نہ کوئی بڑا امتحان پاس کیا ایسا چمکا کہ سولہ لاکھ روپیے چھوڑ مرا اور اسی اُجڑی دلّی میں اُس نے کمایا اور نام پیدا کیا ہم تو صاحب بہادر ہیں

[1] خالی گھر پر جن قبضہ کر لیتا ہے۔ ۱۲

گو رنگ کالا ہی تو ہوا کرے۔ رگڑ رگڑ اچھیل چھال کر ہم نے اُسے چھپکلی کے پیٹ کی طرح زرد کر ہی لیا ہی بارہ برس ہم ولایت میں رہا ہی تو کیا ہم نے بھاڑ جھونکا ہی۔ نوکری جوتیوں سے لگی پڑی ہی۔ ہم کو کیا مشکل ہی۔ شروع شروع میں ان کے دواخانہ پر خلایق کا خوب ہجوم رہا۔ لوگ ادبدا کر یہ کرنے لگے کہ صاحب ولایت کا پاس شدہ ہی۔ اور برسوں ولایت میں رہا ہی تو کیا کچھ تجربہ کار نہ ہوگا۔ مگر دیکھا تو ڈھاک کے تین پات۔ نہ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔ لکھا پڑھا تو ضرور ہوگا۔ مگر تجربہ کہاں سے لائیں گے؟

یک من علم را دہ من عقل باید[1] پیش حکیم مرد پیش تجربہ کار برو[2]

صاحب بہادر اپنی صاحبیت کے غرور میں نہ تشخیص برابر کرتے تھے نہ مریض کو توجہ سے دیکھتے تھے۔ انٹ کا سنٹ نسخہ لکھ دیا مرو یا جیو ہم کو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ کسی کے گھر پر بلائے گئے کھڑے کھڑے دور سے مریض کو دیکھا۔ کچھ حال سُنا کچھ نہ سُنا فیس جیب میں داخل کی اور چلتے ہوئے پھر اُلٹ کر مریض کی خبر نہ لی۔ اچھا ہو گیا تو ان کی بلا سے اور مر گیا تو اُن کی جوتی سے۔ ان کو ٹینس۔ فٹ بال۔ تھیٹر۔ اور سیر تماشوں اور ہوا خوری میموں کی نازبرداری اپنے بناؤ سنگھار سے اتنی فرصت کہاں تھی جو غریب مریضوں کی طرف توجہ کرتے یہ سرکار کے نوکر نہ تھے۔ شہر کے سول سرجن نہ تھے کہ سنگ آمد و سخت آمد۔ ہار کر جھک مار کر انھیں سے رجوع کرنا پڑتا یہ تو کرایہ کی دُکان تھی۔ اگر دل لگاتے توجہ کرتے نام پیدا کرتے لوگ از خود گھسٹے چلے آتے۔

[1] ایک من علم کو دس من عقل چاہیئے [2] حکیم کے پاس نہ جاؤ بلکہ تجربہ کار کے پاس جاؤ۔ ۱۲

ہر کجا چشمہ بود شیریں[1] مردم و مرغ و مور گرد آیند

مگر ان کے مزاج میں صاحبیت ایسی چڑھ گئی تھی کہ سیدھے مونہہ اُردو بھی نہیں بولتے تھے۔ پھر یہ بیل کیسے منڈھے چڑھتی۔ شروع شروع تو خیر لوگ آئے مگر جب یہ حالت دیکھی کہ اونچی دُکان اور پھیکا پکوان تو رفتہ رفتہ رجوعہ کم ہوتا گیا۔ کاٹ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ دُکان کا خرچ دُکان سے نہیں نکلتا تھا صاحب بہادر کی انگریزیت کاہے سے چلتی۔ چند ہی دنوں میں دُکان برائے نام رہ گئی کمپونڈروں پر کام چلتا تھا۔ صاحب کو کبھی فرصت ہوئی کھڑے آگیا نہیں تو دنوں وہ بدمست اور مخمور خدائی خوار پڑا پھرتا تھا۔ یہ صاحب بھی ولایت سے میم تو لائے تھے مگر بڑے بھائی سے کم تھے وہ بیوی پر میم لائے اور یہ صرف اپنی جان پر عذاب لائے۔ آئے دن کے ڈنر۔ ایٹ ہوم پارٹیاں۔ شراب کے بھاری بل نے ان کا کھرکس نکال دیا ؎

قرض کی پیتے تھے اور دل میں کہتے تھے کہ ہاں رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

میم صاحب کے خرچ اخراجات نے الگ دیوالہ نکال دیا۔ ناطقہ بند کر دیا۔ یہ کوئی ہندوستانی مونہہ ماری بہو بیٹی تھوڑی تھی کہ جس کل اُٹھاؤ بٹھاؤ بیٹھتی اُٹھتی وہ ولایتی میم۔ یہ ہندوستانی۔ کجا راجہ بھوج کہاں گنگو اتیلی۔ یوں بھی وہ ان کو حقیر سمجھتی تھی اور جانتی تھی کہ صرف میری خاطر سے یورپین سوسائٹی میں ان کی پوچھ گچھ ہے ورنہ میاں کو کوئی گھسنے بھی نہ دے۔ آئے دن تو میم کے کپڑوں کا بل ان کے بل نکالنا تھا حساب

[1] جہاں کہیں میٹھے پانی کا چشمہ ہوتا ہے۔ انسان اور حیوان۔ پرند و چرند چیونٹیاں تک اس کے اطراف جمع ہو جاتی ہیں۔ ۱۲۰

میم صاحب کی ہوا خوری کے لیئے گاڑی گھوڑا ٹمٹم سب ہی رکھنا پڑتا تھا۔ آیا سایہ کی طرح ساتھ تھی۔ ٹبلر کے بغیر میم صاحب کا گزر نہ تھا۔ آمدنی کا وہ حال اور خرچ کا یہ حال۔ تو بتلائیے یہ لیل و نہار کس طرح چل سکتا تھا۔ نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن[1]۔ سانپ کی منہ کی چھچھوندر تھی کہ نہ نگلی جائے نہ اُگلی جائے۔ کوا چلا ہنس کی چال وہ اپنی چال بھی بھول گیا۔ وہی مثل ہو گئی از ینجا سو رانده وزاں سو درمانده[2]۔ چندے قرض دوام پہ کام چلا۔ مگر آخر کب تک۔ قرض خواہوں نے تنگ پکڑا۔ صاحب پر نالش داغ دی۔ گھوڑا گاڑی۔ فرنیچر سب نیلام ہو گیا۔ صاحب یہ یک بینی دو گوش رہ گیا۔ میم ایک چلتی پرزہ اُس نے دیکھا کہ ہوا اُکھڑ گئی آٹے کے ساتھ گھُن بھی پسے گا۔ میں اپنی بھلی چنگی جان کو اس کے پیچھے کیوں گنواؤں۔ گھر میں تو کچھ رہا سہا نہ تھا۔ پہلے ہی جھاڑو پھر گئی تھی۔ میم کے نام کچھ بنک میں روپیے تھے وہ لے لوا بگٹٹ ولایت کو چمپت ہوئی میاں لنڈورے رہ گئے ع گیا ہے سانپ نکل تو لکیر پیٹا کر۔ گھر کی طرف اب کیا رُخ کرتے اُن کا منہ ہی کیا تھا۔ چند دن در بدر مارے پھرے جب کہیں ٹھکانا نہ ہوا تو کسی طرف کو ایسے نکل گئے کہ پھر آج تک کچھ خبر نہ ملی کہ جیتے ہیں یا مر گئے۔ یا کیا ہوا۔ گھر میں جب یہ واردات گزر چکی تھی تو بھلا بیگم صاحب کی چھاتی کیسے ٹھکتی کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دیدہ و دانستہ اکیلا ولایت بھجوا دیتیں اُنھوں نے ہرگز ہامی نہ بھری اور کانوں پر ہاتھ دھرے کہ حاشا و کلا میں اپنے بچے کو کبھی ولایت نہ بھیجوں گی چاہے اس میں دُنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے۔ بس کیا اب عمر بھر بڑھے ہی جائے گا خدا رکھے اب جوان ہوا اس کی بیاہ بارات کے یہی دن

[1] نہ جانے کی جگہ نہ رہنے کا ٹھکانا۔ [2] اِدھر سے دھتکارے گئے اُدھر جا ہی نہ سکے۔ ۱۲

رہیں۔ آخر میں کب تک جیوں گی اس کے باپ یہ ارمان لے گئے کہ اس کا سہرا دیکھتے۔ میں بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں کیا میں بھی یہ حسرت اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ پھر میرے بعد اس کے ارمان کون نکالے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ جلد ہی سے اس کی ننھی سی دُلہن بیاہ لاؤں۔ اور خدا دکھائے تو اس کا ایک بچہ دیکھ لوں اور پیاری کی شادی سے بھی فراغت پا جاؤں تو بس میں نچنت ہو جاؤں۔ لوگوں اکل کا بھروسہ نہیں ہے

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا آدمی بلبلا ہے پانی کا

سات سمندر پار اپنے لال کو کیسے بھیج دوں۔ مہینہ دو مہینہ سال بھر بھی نہیں اکٹھے پانچ برس۔ اللہ اللہ نہیں معلوم کون مرے کون جیئے۔ میری تو لے دے کے ساری کمائی یہی دونوں بچے ہیں۔ رہیں دونوں لڑکیاں شکر خدا کا کہ وہ اپنے اپنے گھروں کی ہیں۔ جب میں اپنے چاروں بچوں کو زندہ سلامت چھوڑ جاؤں تو تب جانوں کہ اللہ نے مجھے اولاد دی تھی۔ بیگم صاحب کا یہ کہنا ایک حد تک درست تھا۔ لوگوں نے یہ غلط سمجھ لیا ہے کہ آدمی ولایت جا کر پارس بن جاتا ہے نوجوان لڑکوں کو بلا ٹھور ٹھکانے ولایت بھجوا دینا بڑی بھاری غلطی ہے جس کا خمیازہ عمر بھر بھگتنا پڑتا ہے۔ کالے کوسوں پردیس میں اُن کی اچھی بُری کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہے۔ وہاں کون ہمدرد ہے۔ کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس۔ خدا ہی نیک بختی اور مآل اندیشی دے تو وہ اور بات ہے۔ ورنہ جب تک ولایت میں کسی بڑے انگریز سے جان پہچان نہ ہو جو خبر گیری اور تعلیم کی نگرانی کا ذمہ لے لڑکوں کو بلا سمجھے بوجھے بھجوا دینا بہت خطرناک بات ہے۔ ہزاروں تو روپیہ خرچ ہو پھر آخر میں

بربادی اور تباہی کے[1] نقصان مایہ و دیگرے شماتت ہمسایہ۔ ماں باپ روپیہ پر روپیہ بھجوائے جاتے ہیں اور مطمئن ہیں کہ صاحب زادے بلند اقبال پڑھ رہے ہیں اور وہاں سیلانی جیوڑے سیر تماشے تھیٹروں میں پھر رہے ہیں جس کی خبر تک یہاں نہیں ملتی اور جب خبر ملتی ہے تو سوائے پچھتانے ہاتھ ملنے کے اور ہو کیا سکتا ہے۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ولایت بھیجنا ہی فرض ہے تو پہلے اپنے مال کے کھوٹے کھرے کو پرکھوا گر لڑکا یہاں پڑھنے کا شائق اور دل دادہ ہے۔ بُرائی سے بچتا اور نیکی کی طرف راغب ہے اور یہاں اُس نے کچھ نام نمود حاصل کیا ہے عمر اور عقل اس کی پختگی کو پہونچ گئی ہے نیک و بد کی اس میں تمیز آگئی ہے۔ ولایت میں کوئی ایسا انگریز ہے جو تمھارے لڑکے کا نگراں رہ سکے تو البتہ ولایت بھیجنے کا مضائقہ نہیں اور اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو اپنے ہی ملک کی تعلیم پر قناعت کرنی چاہیے۔ آدھی چھوڑ کر ساری کو کیوں دوڑ کہ آدھی ملے نہ ساری۔

چوتھا باب۔ اقبال میرزا کی شادی کا خیال

اب بیگم صاحب کا یہ خیال ہوا کہ لڑکا بی اے پاس کر چکا ہے۔ خدا رکھے اُسے اکیسواں برس ہے اس کی شادی خانہ آبادی کی کچھ فکر کی جائے۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ہی سے بیگم صاحب کو اس بات کا خیال تھا کہنے میں جتنی لڑکیاں تھیں سب نظر میں تھیں میل ملاپ میں جہاں کہیں ایسا موقع تھا پیش نظر تھا لیکن کہیں

[1] مال کا نقصان ہوا سو ہوا۔ اڑدس پڑوس کی لعنت ملامت الگ۔ ۱۲

بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ بیگم صاحب دل ہی دل میں خیالی پلاؤ پکاتی رہتی تھیں
کہ یہاں کروں تو یہ خرابی ہے۔ اور وہاں کروں تو یہ نقص۔ غرض کہیں رشتہ ناطہ کرنے
کے لیے ابھی تک اُن کی چھاتی ٹھکی نہ تھی نہ اُنھوں نے مونہہ سے کچھ بھاپ نکالی کہ
ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔ مگر اب اُنھوں نے آپس میں کچھ سلسلہ جنبانی شروع کردی تھی
ایک آدھ جگہ کا حال بھی دریافت کرایا۔ مشاطاؤں کے ذریعے سے لڑکیوں کو بھی کئی
جگہ دکھوایا بعض جگہ کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ہی
بیگم صاحب نے لڑکے کی مرضی دریافت کرائی۔ لڑکا بے چارہ لڑکیوں سے زیادہ
شرمیلا تھا وہ اپنے شادی بیاہ کے معاملہ میں خود کیا بولتا۔ اپنے مونھ میاں مٹھو۔ اُس
نے سُنی کی اَن سُنی کردی۔ جب دو تین مرتبہ ہم جولیوں نے ٹوہ لی تو اُس نے مجبوراً
دبی زبان سے کہہ دیا کہ ابھی جلدی کیا ہے۔ جب بی۔ اے پاس کرلوں گا تب دیکھا
جائیگا بلا نوکری چاکری کے میں اپنے پاؤں میں بیڑی کیوں ڈلواؤں بیگم صاحب نے جو لڑکے
کی مرضی نہ پائی تو وہ بھی چپ سادھ گئیں۔ اُس وقت بات آئی گئی ہوگئی۔ اب تو
بی۔ اے بھی پاس کرلیا تھا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہ تھی اس لیئے بیگم صاحب کو اس
بات کی جلدی پڑی کہ ہو نہ ہو کسی طرح لڑکے کو پابند کردیا جائے۔

پانچواں باب۔ اقبال مرزا اور ڈپٹی کمشنر کی گفتگو اور ولایت جانے کی طیاری

ابھی بیگم صاحب اسی ادھیڑبن میں تھیں اور موقعۂ مناسب کی متلاشی تھیں کہ

ڈپٹی کمشنر صاحب کی چھٹی اقبال مرزا کے نام آئی جس میں لکھا تھا کہ "میں بہت خوش ہوں گا اگر آپ کل نو بجے دن کے مجھ سے میری کوٹھی پر ملیں میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ وقت آپ کے لیئے مناسب ہوگا - مہربانی فرماکر تکلیف دہی معاف فرمائی جاوے" اقبال وقت مقررہ پر ڈپٹی کمشنر صاحب کی کوٹھی پر پونہچا - جاتے ہی بیرا آیا - اقبال نے کارڈ[1] دیا - بیرا صاحب کے پاس لے گیا - برآمدے میں کُرسیاں پڑی تھیں - ذرا کی ذرا اُس پر ٹکے ہی تھے کہ بیرا نے آکر کہا کہ صاحب نے سلام دیا ہے - یہ اُس کے ساتھ ہو لیئے - ڈرائنگ روم میں جاتے ہی صاحب سروقد کھڑے ہوگئے خندہ پیشانی سے سلام لیا ہاتھ ملایا کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بعد مزاج پُرسی کے کہا کہ "ہم آپ کے بی - اے - کے امتحان میں غیر معمولی کامیابی پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کرتا ہے - ہم یہ چاہتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو سول سروس کے امتحان کے واسطے ولایت بھیجا جائے آپ کے والد کے حقوق گورنمنٹ پر بہت ہیں ایسے خاندانوں کی سرپرستی اور پرداخت کرنا گورنمنٹ کا فرض ہے - ہم امید کرتا ہے کہ آپ بہت جلد کامیابی کے ساتھ ولایت سے واپس آئے گا - اُس وقت ہم بہت خوشی سے آپ کو مبارک باد دے گا" اقبال مرزا نے ڈپٹی کمشنر کے طرز کلام سے صاف معلوم کرلیا کہ وہ گورنمنٹ میں ان کے ولایت بھیجے جانے کی تحریک اُسی وقت کر چکے ہیں جب کہ یہ بی - اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے تھے اور اب وہ صاف الفاظ میں اپنی قدردانی کا احسان جتلانا نہیں چاہتے - ایسی حالت میں اقبال کے انکار کا کیا محل تھا - گورنمنٹ کے پنشن خوار

[1] ایک چھوٹے سے پُرزے پر نام چھپوا لیا جاتا ہے بجائے زبانی اطلاع کرنے کے کارڈ بھیج دینے سے اطلاع ہو جاتی ہے - ۱۲

تھے ان پر لازم تھا کہ گورمنٹ کی اس عنایت کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتے۔علی گڑھ بھی ان کو گورمنٹ نے بھجوایا تھا گورمنٹ اِن کی تعلیم کی نگراں تھی اب گورمنٹ اِن کو اپنے خرچ سے ولایت بھیجتی ہی تو ان کو اس میں چون و چرا کا موقع ہی کیا تھا۔ تکی اور پوچھ پوچھ۔ اُنھوں نے بلا پس و پیش صاف کہہ دیا کہ "جو حضور کا حکم ہوگا اُس کی تعمیل کے لیئے میں بسر و چشم حاضر ہوں جو تدبیر میری بہتری کے لیئے مناسب ہی وہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ کیونکہ ابتدا سے آپ ہی نے میری سرپرستی فرمائی ہی یہ آپ کی قدردانی اور شرفا پروری ہی جو آپ نے مجھ جیسے ناچیز کا انتخاب ولایت کی تعلیم کے لیئے فرمایا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا بڑا فریضہ قیام ولایت کے زمانے میں یہی ہوگا کہ میں پوری پوری کامیابی حاصل کروں"۔

ڈپٹی کمشنر "ہم ہمیشہ آپ کی تعلیم کا حال علی گڑھ کے پرنسپل سے معلوم کرتا رہا ہی جس وقت آپ بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اُسی وقت ہم نے لفٹنٹ گورنر کو ڈیمی آفیشل (نیم سرکاری خط) لکھا کہ آپ کو گورمنٹ سکالر شپ دے کر ولایت بھیجا جائے۔ لاٹ صاحب نہایت خوشی سے ہمارا رائے منظور کیا ہی اور ہم کو پرائیوٹ طور پہ اطلاع دیا ہی اب صرف ضابطہ کا حکم آنا باقی ہی۔ ہم اُمید کرتا ہی کہ حکم اس مہینے کے آخر تک آجائے گا پس آپ کو بالکل تیار رہنا چاہیئے۔ ہم خیال کرتا ہی کہ آیندہ مہینے کے دوسرے ہفتے کی میل (ڈاک) میں آپ کو ولایت جانا ہوگا۔ ہم آپ کو تاریخ روانگی مقرر کرکے بہت جلد اطلاع دے گا اور ہمیشہ آپ کی کامیابی کا خواہاں رہے گا۔ ہم آپ کو ایک تقریبی چٹھی اپنے چچا سر جان پلنکٹ کے نام لکھ دے گا جو خاص لندن میں رہتے ہیں اور بہت برس ہندوستان میں رہ کر یہاں کے لوگوں کے حالات و عادات واطوار

سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ اُن سے آپ کو بہت مدد ملے گا۔" اقبال مرزا نے صاحب کی اِس عنایت بے غایت کا شکریہ گرم جوشی سے ادا کیا۔ ڈپٹی کمشنر نے ہاتھ بڑھایا شیک ہینڈ (مصافحہ) کرکے اِن کو رخصت کیا۔ یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ مسٹر میکنٹاش ڈپٹی کمشنر دہلی نہایت خوش خلق نیک مزاج اور ہندوستانیوں کے خیرخواہ وہم درد انگریز تھے۔ رعایا اِن سے ازبس راضی اور خوش تھی۔ ہر کہ ومہ اِن تک بلاروک ٹوک پونہچ سکتا تھا۔ سب کے ساتھ اِن کا برتاؤ نہایت عمدہ تھا چہ جائے کہ اقبال مرزا وہ تو دلی کا سر برآوردہ اور نامور رئیس تھا۔ اس کے سوا اُن کے والد سے اور صاحب سے اُس زمانہ کی ملاقات تھی۔ جب وہ اسسٹنٹ ہو کر دہلی میں آئے تھے۔ اقبال مرزا کے والد کے مرنے کے بعد صاحب ہی نے سفارش اور کوشش کرکے نصف پنشن اِن کے نام جاری کرا دی تھی۔ ورنہ عموماً پنشن خوار کے مرتے ہی پنشن بند ہو جاتی ہے۔ پس ماندوں کا خیال کون کرتا ہے۔ انہیں کی صلاح سے اقبال مرزا علی گڑھ بھجوایا گیا تھا۔ اب ولایت جانے کے بھی یہی بانی تھے۔ نواب مرزا کے خاندان کی سنبھال اور اُن کے کم سن یتیم بچے کی عمدہ تعلیم سب میکنٹاش صاحب ہی کی بدولت ہوئی۔ اگر وہ دست گیری نہ کرتے تو نہیں معلوم اِن کا بیڑا منجھ دھار سے کس طرح پار ہوتا۔ ممکن تھا کہ یہی لڑکا جو اس خاندان کا چشم وچراغ تھا آوارہ اور بدراہ ہو کر عذابِ جان اور باعث تباہی وبربادی خاندان ہو جاتا۔ صاحب سے مل کر اقبال مرزا سیدھے گھر آئے اور آتے ہی اپنے کمرے میں تھوڑی دیر چپ چاپ سوچ میں بیٹھے رہے۔ کھانے کا وقت ناوقت ہو گیا۔ آخر کار ماں نے بلا بھیجا تو یہ گئے لیکن کچھ چپ چپ تھے ماں نے خلافِ عادت ان کو متفکر اور

منقبض دیکھا تو اُن کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو ضرور کچھ دال میں کالا ہی۔ فرنگی کے پاس سے لڑکا خلافِ عادت گم سُم بن کر کیوں آیا ہی۔ دسترخوان پر سے بھی مُونھ جُھٹال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ماں نے پوچھا "کیوں بیٹا خیر تو ہی۔ دشمنوں کی طبیعت کیسی ہی؟ اول تو تم نے کھانے کا وقت ٹلا دیا۔ یوں بھوک مر گئی وقت ٹل گیا۔ اور پھر بُلانے سے آئے بھی تو کچھ نہیں کھایا صرف مونھ جُھٹال کر کھڑے ہو گئے"

بیٹا۔ جی نہیں کچھ بھی نہیں۔ یوں ہی بھوک نہیں تھی۔ صبح کو ناشتہ اچھی طرح کر لیا تھا۔

ماں۔ ناشتہ تو خدا رکھے روز ہی کرتے ہو۔ میں کیا تمھاری عادت سے واقف نہیں۔ کوئی تو سبب ہی جو تم خلافِ عادت چُپ چُپ ہو۔

بیٹا۔ (کچھ سوچ کر) صاحب نے مجھ سے ولایت جانے کو کہا ہی اور یہ بھی کہا ہی کہ ہم تم کو سرکار کے خرچ سے بھجوائیں گے۔

ماں۔ (گھبرا کر) نوج۔ دور پار۔ صدقے میں اُتارا تھا۔ وہ موا فرنگی۔ بڑا آو بھجوانے والا اور تم جانے والے۔ حاشا للہ میں کبھی ہامی نہ بھروں گی۔ کیا بلا میری مرضی کے زبردستی وہ تم کو بھجوا دے گا۔ ایسا بھی کیا سرکار کا ظلم ہی۔ صدقے میں اُتاری تھی وہ موئی پلسن[1] (پنشن) اسی کا احسان جتاتے ہوں گے۔ مجھے وہ بھی نہیں چاہیئے۔ ساری سے آدھی رہ گئی تو کیا ہوا۔ اب بند ہو جائے گی تو کیا دُور پار رزق کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ایک در بند تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور کوئی رستہ نکال دے گا۔

خدا گر بہ حکمت بہ بندد درے
کشاید بفضل و کرم دیگرے[2]

[1] عورتیں یوں ہی بولتی ہیں [2] اگرچہ خدا کسی حکمت سے ایک ذریعہ بند کر دیتا ہی تو وہ بھی اپنے فضل و کرم سے دوسری راہ کھول دیتا ہی۔ ۱۲

کچھ اسی پر منحصر نہیں۔ اللہ تم کو جیتا رکھے۔ مجھے کس بات کی کمی ہے میں تو تم کو دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔ میں نے اپنا سارا رنڈاپا تمھاری آس میں کاٹا۔ اپنی جوانی عیش و آرام سب کچھ تمھارے لیئے خاک میں ملایا۔ اگر خدانہ خواستہ تم چلے جاؤ گے تو بس میں تو زندہ درگور ہو جاؤں گی۔

نہ آنا تم اجازت مانگنے کو نہ دکھلانا مجھے صورت سفر کی

بیٹا۔ امّاجان آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ سرکار کو میرے بھجوانے کی کیا غرض پڑی۔ اُن کا اس میں کیا نفع ہے۔ فائدہ تو سراسر میرا ہی ہے۔ ہم کو تو سرکار کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ وہ ہمارا اتنا خیال رکھتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی ایسی ہی مہربانی ہے جو وہ تعلیم کا خرچ سرکار سے دلواتے ہیں۔ ورنہ اس زمانے میں کون کسی کو پوچھتا ہے۔

چھٹا باب۔ پھر شادی کی چھیڑ چھاڑ

بیگم صاحب نے جب یہ سنا کہ لڑکے کی خود مرضی ہے اور وہ ولایت جانے پر آمادہ ہے تو وہ ذرا نرم پڑیں۔ لوگوں نے بھی اُن کو اونچ نیچ سمجھائی۔ مگر وہ اپنی مامتا کو کیا کرتیں۔ دل کی لگی بُری ہوتی ہے۔ کسی طرح اُن کا دل نہ چاہتا تھا کہ بچّہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے کہ وہ ہزاروں کوس سمندر پار غیر ملک اور غیر لوگوں میں جا پڑے جہاں کوئی اچھی بُری کا دیکھنے والا یا اپنا پرایا پاس نہ ہو۔ دو چار دن آئے گئے سامنے بھی یہی ذکر رہا۔ آخر کار بیگم صاحب کی سمجھ میں بھی آگیا کہ جو دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ انگریزوں کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ ٹلنے والی نہیں جس طرح بن پڑے جانا ضرور ہوگا۔ تب بیگم صاحب کو ان کی میل ملاپ والی بیویوں نے یہ

یہ صلاح دی کہ بوا اللہ کا نام لے کر لڑکے کو ولایت بھجوادو۔ آنکھ بند کرتے خدا نے چاہا
تو اصل خیر سے یہ پانچ برس گزر ہی جائیں گے۔ مگر جان جوان لڑکے کو بن ناتھی کے
بیل کی طرح بھجوا دینا تو اچھا نہیں اگر اس کو کہیں اٹکا دیا جائے تو بہت مناسب ہی
ایک تو لڑکے پر بوجھ پڑ جائے گا۔ دوسرے وہاں کی آزادی کی روک تھام ہو جائے گی
کیونکہ سُنا ہی کہ وہاں کی عورتیں چھل پائیاں گلے کا ہار ہو جاتی ہیں اللہ اُن اُڑ گلینیوں
سے بچائے پردہ وردہ وہاں خاک بھی نہیں۔ عورت مرد سب ایک جگہ اُٹھتے بیٹھتے
پھرتے چلتے ہیں۔ پھر بوا وہاں روک تھام کس بات کی ہی۔ ایسا نہ ہو۔ خدانہ خواستہ
لڑکا بگڑ جائے یا کوئی میم ساتھ لے آئے۔ تب کیا کروگی؟

بیگم صاحب یہ تو سب سچ ہی لیکن یہ تو سمجھو کہ لڑکے کے جانے میں تو بہت ہی تھوڑے
دن رہگئے ہیں اگر میں چاہوں بھی کہ کہیں منگنی ہو جائے تو یہ کیا ایسا موہنہ کا نوالہ
ہی آخر لڑکی تلاش کرنی ہو گی۔ اُس کی پوچھ گچھ دیکھ بھال کیا آسان کام ہی۔ میرے
تو بوا یہی ایک چھنیچلا ہی مجھے دنیا میں اور دیکھنا ہی کیا ہی۔ میں چاہتی ہوں کہ لڑکی اگر
بہت خوب صورت نہ ہو تو خیر ایسی بھی نہ ہو کہ کوئی نام دھرے۔ آنکھ ناک سے درست
ہو کہ کوئی بُرا نہ کہے۔ لکھی پڑھی ہو سلیقہ مند ہو امیر نہ ہو تو خیر غریب بھی نہ ہو۔ پھر ایسی
لڑکی تو ڈھونڈے ہی سے ملے گی ہتھیلی پر سرسوں کیسے جمے گی کہ چٹ منگنی پٹ
بیاہ ہو جائے۔ یہ بات تو جب ہو سکتی تھی کہ کہیں پہلے سے ٹھیک ٹھاک ہو جاتا۔
میں تو اس خیال میں تھی کہ جلدی کیا پڑی ہی۔ دل جمعی۔ اور اطمینان سے اس
کام کو کروں گی۔ اس جلدی میں تو مجھ سے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتا جب سے
لڑکے کے سدھارنے کی ٹھیری ہی میرے تو آئے اوائے ہوش جو اس

جاتے رہے ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں خود بھول گئے ہیں۔ کہنے میں کوئی لڑکی ایسی نظر نہیں آتی کہ لاؤ بھئی میں کردوں اور ہو بھی تو ایسا کون ہوگا کہ تیل دیکھے نہ تیل کی دھار آنکھ بند کر کے بیٹی میرے حوالے کردے۔ ایسی کیا کسی کو اپنی لڑکی دو بھر ہے ٹکے کا مٹی کا برتن کوئی لیتا ہے تو اُسے بھی ٹھوک بجا کر دیکھ لیتا ہے اور یہ تو بیٹا بیٹی کا نج عمر بھر کا سنجوگ ہے اس میں تو بہت کچھ چھان بین دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ یہ کوئی موقع بات چیت ٹھیرانے کا ہے لڑکی والے نہ کہیں گے کہ دولہا تو ولایت جارہا ہے یہ منگنی کس برتے پر کر رہی ہیں۔ آگے چل کر نہیں معلوم کیا اتفاق پیش آئے۔ اچھی کی تو خدا نے اور بُری کی تو بندے نے کسی کی لڑکی کو لے کر میں اپنی اور اس کی جان کیوں عذاب میں پھنساؤں میں تو اس وقت نہ منگنی کروں نہ بیاہ۔ اب جب ولایت جانا ہی ٹھیرا تو جب اوکھلی میں سر دیا تو دھماکوں سے کیا ڈر۔ جو کچھ پیش آئے گا۔ دیکھا جائے گا جب اصل خیر سے میرا بچّہ بامراد واپس آئے گا۔

جب کی بات جب کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ دل جمعی سے یہ کار ہو جائے گا۔ لڑکے کی بری بازار میں کھڑی چٹکی بجاتے میں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ بیگم صاحب کی اس معقول تقریر کے بعد یہ بات یہیں کی یہیں رہی۔

ساتواں باب۔ ولایت کی روانگی

به سفر رفتنت مبارک باد[1] به سلامت روی و باز آئی

دیکھتے دیکھتے یہ دن ہوا ہو گئے۔ یکم دسمبر کو ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس

[1] تم کو سفر پر جانا مبارک ہو سلامتی سے جاؤ اور واپس آؤ۔ ۱۲

سے حکم آ گیا کہ پندرہ دسمبر کے پی اینڈ او[1] کے آرکیڈیا[2] جہاز پر اقبال مرزا کو ولایت جانا ہوگا۔ اُسی لفافے میں ٹامس کُک اینڈ سنز[3] کا ریل اور جہاز کا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ دہلی سے لندن کا ملفوف تھا۔ اس حکم کے آنے کا تو یقین ہی تھا۔ حکم کے آتے ہی طیاری شروع ہو گئی۔ کپڑے وغیرہ انگریزی سامان تو علی گڑھ کی تعلیم کی بدولت بہت کچھ موجود ہی تھا۔ تھوڑا بہت اور سامان سرمائی درکار تھا اُس کے لیے بمبئی میں بُدھم پیپل[4] کو لکھ دیا تھا ۱۳ ار دسمبر کو دہلی سے روانگی قرار پائی کہ چودھویں کو بمبئی پونہچ کر پندرھویں کے جہاز میں سوار ہو سکیں۔ جدائی کی گھڑی آناً فاناً آن پونہچی۔ لوگوں کے ہاں سے صدقے۔ سلے تیل ماش۔ ٹکوں کی سینیوں پر سینیاں آنے لگیں۔ آٹھ بجے صبح کے پنجاب میل سے جانا تھا ایک دن پہلے ہی سے کنبے والی بیویاں مہمان آئی ہوئی تھیں۔ رات کو سویا کون سب جاگتے ہی رہے۔ کسی نے پان چبا چبا کر رات کاٹی۔ کسی نے ایک دو مرتبہ چائے پی کر نیند بھگائی۔ غرض رات اِدھر اُدھر کی باتوں میں کٹ گئی بیگم صاحب بےچاری خاموش ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُن کے دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ انھوں نے کسی سے بات تک بھی نہیں کی۔ وہ بالکل دہم تھیں۔ جیسے بُت کوئی سات بجے لڑکا گھر میں آیا۔ بڑی بوڑھیوں نے گلے لگایا چٹا چٹ بلائیں لیں۔ کسی نے امام ضامن کا روپیہ باندھا کسی نے اللہ رسول کے سپرد کیا۔ کچھ دعا پڑھ کر دم کی سب سے آخر دُکھیاری مامتا کی ماری ماں کی باری آئی رات بھر اُن کی پلک نہیں جھپکی

[1] جہاز والوں کی ایک بڑی کمپنی کا نام ہے جس کے جہاز تمام روئے زمین پر چلتے ہیں [2] جہاز کا نام ہے [3] اُس کمپنی کا نام ہے جو جہاز اور ریل کے سفر کا انتظام کرتی ہیں اس کی آڑھتیں تمام دُنیا کے مشہور مقامات میں ہیں [4] پارچہ فروشوں کی دُکان کا نام ہے۔ ۱۲

ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی۔ روتے روتے اُن کی آنکھیں اُلٹ گئیں تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر ابھی جائے نماز نہ کرکے اُٹھی تھیں۔ بیٹے کو پیار کیا گلے لگایا۔ ضبط نہ کرسکیں۔ بے اختیار ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں۔ سب بیویاں بھی رو رہی تھیں۔ کیوں کہ وہ سب بھی قریب کی رشتہ دار تھیں۔ کوئی خالہ تھی۔ کوئی پھپی۔ کوئی نانی۔ کوئی ممانی۔ لڑکے کا بھی دل بھر آیا۔ ماں بار بار ملتی تھیں لیکن اُن کو سیری نہ ہوتی تھی۔ ڈیوڑھی کے باہر ٹاٹ کا پردہ جو دروازہ پر پڑا ہوا تھا اُٹھا کر پیچھے پیچھے نکل گئیں۔ اُن کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ سب کے آنسو جاری تھے۔ ایک کہرام تھا کہ الٰہی توبہ گلی میں جاتے جاتے لڑکے کو ماں نے پکار کر کئی بار واپس بلا لیا اور بار بار اُس کا موُنھ چومتی جاتی تھیں اور ہزاروں دعائیں اور قدم قدم پر الٰہی خیر الٰہی ایسی بھاگواں گھڑی سے جانا ہو کہ جس طرح پیٹھ دکھاتا ہے موُنھ بھی ساتھ خیر کے دکھائے اللہ تیرے اور تیرے رسول کے سپرد کیا تو ہی اس رنڈیا کی کمائی کا حافظ و نگہبان ہے۔ ماں نے ایک تعویذ بھی بازو پر باندھ دیا اور تاکید کردی کہ اسے نہ کھولیو۔ خانقاہ والے اخوند جی کا ہے۔ اس سے آدمی سب بلاؤں سے امن امان میں رہتا ہے۔ خاص میں نے تمھارے لئے منگوایا تھا۔ اب اس رنج وہ سین کو جلد ختم کرنا چاہیئے۔ جن کے دلوں پر چوٹ ہے اور جن کے دل نرم ہیں وہ ایسی حالت کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ وہ حالت ہے جو کم و بیش سب کو پیش آتی ہے۔ آدمی اپنے کلیجے پر ہاتھ دھر کے اندازہ کرلے ؎

جدا کسی کا کسی سے غرض حبیب نہ ہو　یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

اسٹیشن تک بہت سے بزرگ دوست احباب پوہنچانے گئے اور پلیٹ فارم[۱]

---

[۱] اسٹیشن کا چبوترا جس پر ریل کھڑی رہتی ہے۔ ۱۲

پر اقبال مرزا کے تایا نے بڑے موثر لہجے میں یہ نظم[1] پڑھی ؎

چلے تو ہو سوئے لندن مگر خیال رہے
ہر ایک وقت میں اندیشۂ مآل رہے

ہمارے دردِ جدائی کا کچھ اثر بھی ہے
ہمارا حال ہی کیا کچھ تمہیں خبر بھی ہے؟

خبر ہے تم کو یہ کیوں دے رہے ہیں اذنِ سفر؟
تمہارے ہجر کا رکھتے ہیں دل پہ کیوں پتھر؟

یہ جانتے ہو کہ ہم سب کو آرزو کیا ہے ؟
جو بھیجتے ہیں تمہیں اُن کو جستجو کیا ہے؟

یہ آرزو ہے کہ دُنیا میں شاد کام رہو
دُعا یہ ہے کہ زمانے میں نیک نام رہو

سُنو کہ خواہش اوّل یہی ہے ہم سب کی
وہاں بھی تم کو رہے قدر اپنے مذہب کی

وہ مذہبِ حنفی ضد جو ہے تعصب کا
کہ جس کا مسئلہ خُلقِ نفس ہے حب کا

مگر بُرا نہ سمجھنا کسی کے مذہب کو
ہمیشہ چشمِ محبت سے دیکھنا سب کو

اصول میں ہیں صریحاً تمام مذہب ایک
غرض ہے ایک ہی اصلاحِ نفس مطلب ایک

وہاں تمہیں نظر آئے گی ایک نئی دُنیا
نظر فریب تماشہ ہے جس کے منظر کا

کھِلے ہوئے ہیں بہارِ طرب کے گُل ہر سو
نگارِ عیش کے بکھرے ہی رہتے ہیں گیسو

نگاہِ محو تماشائے شاہدِ گُل ہے
دلوں کی تاک میں وارستہ زلفِ سنبل ہے

کنارے ٹیمس[2] کے عشرت فزا وہ دھوم دھام
نشاط خیز وہ ساحل پہ جمگھٹے وہ ہجوم

وہ بال[3] روم میں رقص و سرود عیش و نشاط
کہ جس کے آگے نہیں جشنِ جم کی کوئی بساط

بھرے ہوئے ہیں تھیٹر قمر جبینوں سے
نظر کو بھی نہیں ملتی جگہ حسینوں سے

۱؎ یہ نظم مولوی وہاج الدین حیدر صاحب بیرسٹر لکھنؤ نے اپنے بھتیجوں کے لندن جاتے وقت بمبئی میں بھیجی تھی جس کو ہم نے حسب حال کچھ ترمیم کرکے درج کیا ہے ۲؎ لندن کے نیچے جو دریا بہتا ہے اُس کا نام ہے ۳؎ ناچ گھر ۱۲

سماں یہ دیکھ کے جو لوگ بھول جاتے ہیں وہ راہِ منزلِ مقصود بھول جاتے ہیں
بہارِ گلشن دنیا ہی آدمی کے لیئے مگر بنا نہیں انسان محض اسی کے لیئے
ضیائے شمع شبستان ہی رات بھر کے لیے فضائے منظرِ بستاں ہی اک نظر کے لیئے
قرینِ عقل نہیں دل پہ ہو نظر غالب نظر فریب بھی کھائے تو دل نہ ہو طالب
وہ دل کہ خونِ شرافت ہی موج زن جس میں شعاعِ مہرِ سعادت ہی ضو فگن جس میں
کمالِ علم ہی غایت ہی اہلِ بینش کی سمجھتے ہیں جو غرض اپنی آفرینش کی
اِسی سے ہجر گوارا ہی صبر کرتے ہیں خدا کو سونپتے ہیں دل پہ جبر کرتے ہیں

اکیلے جاتے ہو پردیس میں خدا حافظ!
جہاں مقام ہو ہر دیس میں خدا حافظ!

اس وداعیہ نظم کے سننے سے سب کے آنسو بے اختیار جاری ہو گئے۔ اتنے میں گھنٹی بجی۔ اقبال مرزا سب سے مل ملا کر ریل میں سوار ہوئے بیٹی ہوئی اور وقتِ مقررہ پر ریل یہ جا وہ جا۔ اقبال مرزا کے حسب حال یہ شعر ہی ؎

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں رخصت اے اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

دوسرے دن ڈیڑھ بجے دوپہر ڈھلے بمبئی پہنچے۔ تاج محل میں ٹھیرے ہوٹل[1] کیا ہی بجائے خود شہر ہی۔ صدہا تو اس میں کمرے ہیں۔ سات منزلہ عمارت ڈاک خانہ۔ تار گھر۔ ریل اور جہاز کا ٹکٹ گھر۔ ہمہ اقسام کی دُکانیں۔ سب کچھ اس میں موجود ہی۔ بمبئی میں اُس سے بہتر کوئی ہوٹل نہیں۔ اس کی عمارت نہایت خوش نما اور عالی شان ہی ٹینس[2] کورٹ

[1] غریبوں کی سرائے امیروں کی ہوٹل۔
[2] ٹنس کھیلنے کی جگہ۔ ۱۲

ملٹروٹیبل۔ خانہ باغ بجلی کی روشنی۔ برقی لفٹ[1]۔ سمندر کی ٹھنڈی ہوا۔ جہاز اور کشتیوں کا نظارہ۔ وسیع اور دلکشا سجے سجائے کمرے۔ اعلیٰ درجے کے فرش و فرنیچر۔ اقبال نے دلّی علی گڑھ۔ لاہور۔ اور الہ آباد۔ کے سوائے کوئی شہر دیکھا ہی نہ تھا۔ بمبئی کی چہل پہل بھیڑ بھاڑ۔ ہر ملک کا آدمی۔ چوڑی چوڑی صاف۔ شفاف سڑکیں جن پر ہر وقت چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے۔ انواع و اقسام کی بگھیاں۔ گاڑیاں۔ ٹریموے[2]۔ موٹرکار[3]۔ خوشنما بلند اور مرتفع عمارتیں دیکھ کر ان کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ سمندر اُنھوں نے کب دیکھا تھا۔ گنگا اور جمنا صرف دو دریا ان کی نظروں میں تھے۔ سمندر کو ان سے کیا مناسبت جدھر دیکھو پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ کنارے کا کیا مذکور۔ ایک موج آتی تھی ایک جاتی تھی۔ سینکڑوں کشتیاں بیسیوں جہاز کھڑے ہوئے تھے۔ دم بدم۔ کشتیاں اِدھر اُدھر پھرتی تھیں۔ ہزاروں لوگ اُترتے چڑھتے تھے۔ جیسی بھیڑ بھاڑ خشکی پر تھی ویسی ہی پانی میں بھی تھی۔ بڑے بڑے جہاز جو سمندر کی گہرائی میں کھڑے ہوئے تھے۔ دور سے مکان کی طرح معلوم دیتے تھے صرف انجن کا دھواں بل کھاتا ہوا آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا۔ لمبے لمبے مستول بڑے بڑے بادبان ہوا میں لہرا رہے

[1] انگریزی لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں اُٹھانا۔ یہاں اِس سے وہ جھُولا مراد ہے جس میں بیٹھ کر آدمی مکان کی بالائی منزلوں پر جاتے ہیں [2] ٹریموے ریل کی وضع کی گاڑی ہوتی ہے اُس کی سڑک بھی آہنی ریل کی طرح ہوتی ہے۔ بعض شہروں میں وہ گھوڑوں سے چلائی جاتی ہے کہیں بھاپ کی قوت سے چلتی ہے اور کہیں بجلی کی قوت سے [3] یہ گاڑی پٹرولیم کے تیل کی قوت سے چلتی ہے جو مٹی کے تیل کی قسم کا ہوتا ہے جو عموماً لمپوں میں جلتا ہے اور گیاس کا تیل کہلاتا ہے۔ ۱۲

تھے۔ سمندر کے سامنے اِن جہازوں کی ایک کاغذ کی ناؤ سے زیادہ وقعت نہ تھی۔ کوئی جہاز سیٹی دیتا ہوا اِدھر سے نکل جاتا تھا۔ کوئی زن سے اُدھر سے آجاتا تھا۔ ہزاروں صندوق سوداگری مال کے اُترتے چڑھتے تھے جس کا کچھ حد وحساب نہ تھا۔ ریل کا یہ حال تھا کہ خاص شہر میں دس بارہ اسٹیشن تھے۔ ہر پانچ منٹ میں ریل آتی جاتی تھی۔ ریلوں کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ٹریم گاڑیاں منٹ منٹ میں اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی تھیں۔ وکٹوریا ٹرمنس[1] کا اسٹیشن جہاں اقبال مرزا اُترے تھے۔ اس قدر بڑا اور عالی شان۔ اور وسیع ہے کہ ریل اس میں کھڑی ہوئی۔ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ بچوں کے کھیلنے کی ریل۔ کہتے ہیں کہ تمام دُنیا میں اس سے بڑا کوئی اسٹیشن نہیں ہے۔ رات کو بجلی کی روشنی سے شہر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ جو بھیڑ بھاڑ دن کو تھی وہی رات میں تھی کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ جتنے ملازمین اور کام پیشہ لوگ ہیں وہ دن میں اپنا کاروبار کر کے شام کو مضافات بمبئی میں چلے جاتے ہیں اور پھر صبح ہی ریل میں چلے آتے ہیں اس طرح پچاس پچاس میل تک کے لوگ روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں کیوں کہ بمبئی میں رہنا بہت گراں ہے۔ مکان کا کرایہ ہی معمولی حیثیت کے آدمی کا کچومر نکال دے اور دوسرے خرچ تو اپنی جگہ سر رہے۔

اقبال مرزا سیر کرتے کرتے کرافرڈ[2] مارکٹ پہنچے دیکھا کہ ہمہ اقسام کے میوے پھل پھلاری۔ سبزی۔ ترکاری۔ انڈا۔ مرغی۔ مچھلی۔ گوشت۔ سلیقے سے سٹالوں میں چنا ہوا ہے۔ صفائی کا وہ اہتمام کہ کہیں ایک تنکا پڑا نظر نہیں آتا ہر چیز کا

[1] ریل کے اسٹیشن کا نام ہے اسی کو بوری بندر کا اسٹیشن بھی کہتے ہیں۔ بہت ہی خوش نما وسیع اور عالی شان عمارت ہے۔ [2] کرافرڈ ایک انگریز کا نام ہے جس نے یہ بازار بنایا ہے مارکٹ کے معنی بازار۔ ۱۲

نرخ روزانہ مقرر ہو کر بڑے بورڈ (تختہ) پر چسپاں کیا جاتا ہے۔ دُکان داروں سے چُکانے یا اُن سے بحث مباحثے اور ردّ و قدح کی ضرورت نہیں۔ جو دام مقرر ہیں اس سے نہ دمڑی کم نہ زیادہ۔ جہاں چاہو چند پیسے دے کر ٹرموے میں چلے جاؤ۔ اور یوں بھی ہمہ اقسام کے کرائے کی گاڑیاں بہ کثرت موجود اُن کا بھی کرایہ گھنٹے کے حساب سے چُکا پڑتا ہے۔ دس لاکھ کی آبادی کوسوں شہر چلا گیا ہے سینکڑوں دخانی کارخانے کپڑا بُننے کی ملیں جن کو تُلی گھر کہتے ہیں جا بہ جا موجود بمبئی دیکھ کر اقبال مرزا کی آنکھیں کھٹی کی پھٹی (کُھلیں) رہ گئیں۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ اللہ اکبر جب بمبئی کا یہ حال ہے تو لندن کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ جہاں کہ پندرہ سو ٹرینیں (ریلیں) شبانہ روز میں کلیپہم جنکشن (اسٹیشن کا نام) سے آتی جاتی ہیں۔ اور جہاں کی آبادی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر منٹ میں ایک آدمی پیدا ہوتا ہے اور ایک مرتا ہے جہاں زمین کے اوپر کے علاوہ زمین کے نیچے بھی ریلیں دوڑتی ہیں جو ٹیوب ریلوے کھلاتی ہیں۔ جہاں پچاس ہزار آدمیوں کا وقتِ واحد میں باہر چلا جانا اور شہر میں داخل ہونا معلوم بھی نہیں ہوتا۔ جہاں ریل کی رفتار معمولاً ساٹھ ستّر اور بعض مواقع پر سو میل فی گھنٹہ ہے۔ اقبال مرزا ہوٹل سے چار بجے دن کے نکلے ہوئے نو بجے رات کو اپنی فرودگاہ پر واپس آئے۔ رات میں اوپر کے کمرے کے برآمدے میں ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر چاندنی رات کا تماشہ دیکھنے لگے۔ مطلع صاف شفاف تھا۔ بادل کا نام نہ تھا۔ چودھویں رات کا چاند۔ چاندنی چھٹکی ہوئی۔ سمندر کا وسیع تختۂ آب سامنے لہریں مار رہا تھا۔ آسمان پر اَن گنت تارے ایسے جگمگا رہے تھے گویا سمندر میں چراغ جل رہے ہیں۔ دیر تک تو وہ اس سین کو دیکھ کر محوِ تماشائے قدرتِ الٰہی رہے نیند آنے لگی دن بھر کے تھکے ماندے اور ریل کے سفر کی تکان جُدا لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

ایسے بے خبر گھوڑے بیچ کر سوئے کہ صبح کو جب آنکھ کھلی تو آفتاب نکل چکا تھا۔ ان کو صبح سویرے نور کے تڑکے سے اُٹھنے کی عادت اور آج خلاف معمول دن چڑھ آیا۔ گھبرا کر اُٹھے جلدی جلدی اپنی ضروریات سے فارغ ہو۔ چائے بسکٹ۔ انڈے وغیرہ کا مختصر ناشتہ کر پھر شہر کی سیر کو چل دیئے۔ بھلا بمبئی جیسا شہر ہفتے نہ دو ہفتے۔ چند گھنٹوں میں کیا دیکھ سکتے تھے۔ راجہ بائی کلاک ٹاور (گھنٹہ گھر) ان کی ہوٹل کے سامنے ہی تھا اُس پر چڑھے عجائب خانے گئے۔ ٹکسال دیکھی۔ ایک دو کارخانے جات دُخانی پارچہ بافی کے دیکھے بیدھم کی دُکان سے اپنے کپڑے لیئے دس بجے ہوٹل میں واپس آئے۔ بریکفسٹ (دوپہر کے کھانے) کے بعد۔ اپنا سامان اپالو بندر[1] کو روانہ کر دیا اور خود بھی دو بجے کُک اینڈ سنز کے آفس (دفتر) میں پونہچے۔ نام ان کا پہلے ہی سے مسافران درجۂ اول کی فہرست میں درج تھا اسباب وغیرہ کشتی میں رکھ تین بجے جہاز پر پونہچ گئے۔ جہاز کیا تھا ایک مکان تھا جس میں بیسیوں کمرے تھے۔ سر سے پا تک آراستہ۔ اُنھوں نے اپنے کمرے میں جا کر اسباب وغیرہ ٹھکانے سے رکھ دیا۔ ٹھیک چار بجے جہاز کی مہیب سیٹی کے بعد لنگر اُٹھا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ[2]۔ جہاز میں ایک جنبش سی معلوم

[1] وہ مقام ہے جہاں سے لوگ جہاز پر سوار ہوتے ہیں [2] ہم مسلمانوں میں ہر ایک موقع پر بسم اللہ الرحمن الرحیم یا صرف بسم اللہ کہنے کا دستور ہے لیکن کشتی میں سوار ہوتے وقت بجائے بسم اللہ الرحمن الرحیم یا بجائے بسم اللہ کے بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہنا چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح نے لوگوں سے کہا کہ بسم اللہ سوار ہو۔ اس آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے یعنی اُسی کے ہاتھ اور اُسی کے اختیار میں ہے اپنے نام کی برکت سے اس کو خیر و عافیت کے ساتھ پار لگا دے گا۔ ۱۲

ہوئی رفتہ رفتہ کنارہ دور ہونے لگا۔ بمبئی کی عالی شان عمارات نظروں سے غائب ہونے لگیں
ایک گھنٹہ کے بعد چاروں طرف سوائے پانی پانی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جہاز ایک تنکے کی
طرح اُڑا چلا جاتا تھا۔ اقبال مرزا گو جی کڑا کر کے گھر سے چلے تھے اور یوں بھی وہ مستقل مزاج
آدمی تھے مگر پھر بھی حبُ الوطن کے فطرتی خیال کو کس طرح صفحۂ دل سے مٹا سکتے تھے۔
بے اختیار ان کا دل بھر آیا۔ اور طرح طرح کے خیالات نے آکر ہجوم کیا۔ اپنے کیبن میں تن تنہا
(جہاز کا کمرہ)
بیٹھے تھے۔ تنہائی میں ماں کی یاد۔ وطن سے مفارقت۔ دوست اقارب سے جدائی
اتنا بڑا لمبا سفر بے یار و مددگار۔ اجنبی ملک۔ اوپری لوگ۔ ان سب خیالات نے گھیر لیا
اور بے اختیار اِن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ طرح طرح کے توہمات اور
وسوسے دل میں آنے لگے۔ خدا جانے جہاز ڈوب جائے یا میری مٹی مجھے اس قدر
دور گھسیٹ کر لے جا رہی ہو ؎

دو چیز آدمی راکشد زور زور ۔ یکے آب و دانہ دگر خاکِ گور[1]

معلوم نہیں کہ میری تقدیر میں پھر اس سرزمین پر آنا لکھا ہے یا نہیں۔ مرد ہو کر
ان کا یہ حال تھا تو خیال کیجیئے کہ عورت ذات یعنی عالیہ بیگم کا کیا حال ہوگا جن کی کوکھ پیٹ
اور مامتا کا معاملہ تھا۔ کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر اُنھوں نے لڑکے کو رخصت تو کیا مگر جوں ہی
اُس نے پیٹھ موڑی کہ بیگم صاحب موُنھ لپیٹ لپاٹ پڑ گئیں۔ نہ کھایا نہ پیا۔ سارا دن اور
ساری رات اُن کو اسی حال میں گزری۔ ہرچند لوگوں نے کہا سُنا سمجھایا بجھایا مگر
اُنھوں نے کھانا تو کھانا پانی تک نہ پیا۔ دوسرے دن بیگم صاحب کی خالہ نے بہت کچھ
دلاسا دیا اور کہا کہ بیٹی خیر خیر مانگو یہ تم کیا بدشگونی کر رہی ہو۔ اُٹھو ہاتھ موُنھ دھوؤ

---

[1] دو چیزیں آدمی کو جبراً کھینچ لے جاتی ہیں ایک تو آب و دانہ دوسرے جہان کی اُس کی مٹی ہو۔ ۱۲

ایک نوالہ کھاؤ کہ تمھارا دل ٹھیرے یہ بھی کوئی بات ہے کہ جب سے لڑکا سدھارا ہے رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا ہے۔ ایسا کروگی تو بس تمھاری زندگی ہو چکی۔ ذرا دل کو مضبوط کرو تم ماشاء اللہ عقلمند اور سمجھ دار ہو کر ناسمجھوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کل سے کسی گھر والے کے موتھ میں اُڑ کر کھیل تک نہیں گئی۔ ننھی سی بچی بھی جاتی ہے تمھیں اور کسی کا خیال نہیں تو اس ننھی سی جان کا تو خیال کرو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گھر والا تو اس حال میں ہو اور ہم سب دسترخوان پر بیٹھ جائیں۔ ہمارے حلق سے تو کبھی نوالہ نہ اُترے لو بس اُٹھو۔ میں تمھاری ماں کی جگہ ہوں میری بات نہ سنوگی تو پھر کس کی سنوگی۔ بیگم صاحب خالہ کے سمجھانے سے فوراً اُٹھ بیٹھیں۔ اور سب کے ساتھ کچھ کھا بھی لیا۔ مگر ہر وقت ان کا خیال لڑکے ہی میں تھا۔ جب دیکھو اُسی کا ذکر اُسی کا دھیان تھا۔ جہاز کی حرکت سمندر کے تلاطم سے اقبال مرزا کی طبیعت کچھ بدمزہ ہو گئی تھی۔ ہیجان صفرا کے سبب سے متلی (طبیعت) اور قے شروع ہو گئی تین دن تک وہ تکیئے سے سر نہ اُٹھا سکے چوتھے روز خود بخود چاق و چوبند ہو گئے۔ جہاز پر بہت سے انگریز اور میمیں تھیں کہیں تاش ہوتا تھا کہیں پیانو (ایک قسم کا باجا ہے) بجتا تھا طرح طرح کے کھیل تماشے دل لگی اور وقت کاٹنے کے لیے آئے دن ہوا کرتے تھے۔ اقبال مرزا سے رفتہ رفتہ تعارف اور شناسائی ہو گئی بعض یوروپین ان سے کھٹکتے تھے۔ کیونکہ نیٹو (ہندوستانی) سے بدرجہ مساوات ملنا اُن کی کسرِ شان تھی لیکن بعض ذی خلق انگریز بہت اچھی طرح ملتے تھے اور اپنی میموں سے بھی انٹروڈیوس (تعارف شناسائی) کرا دیا تھا اس لیے یہ بھی کھیل تماشوں جلسوں میں شریک ہونے لگے۔ اس طرح جہاز کا سفر بہ خیر و خوبی طے ہوا۔ مارسیلز میں جہاز سے اُترے اور ریل پر سوار ہو کر تیرہویں دن مع الخیر والعافیت لندن کے مشہور اسٹیشن چیرنگ کراس[1] پر چار بجے دن کے آپہنچے۔

[1] شہر لندن کے ایک مشہور اسٹیشن کا نام ہے۔ ۱۲

آٹھواں باب - ولایت کا قیام اور دیگر حالات

اسٹیشن پر ان کا کوئی شناسا نہ تھا۔ بہت سے انگریز اور میمیں اپنے اپنے دوستوں کو لینے آئی تھیں۔ ایک انگریز ان کی طرف بھی بڑھا۔ اُس نے اس مجمع میں ترکی ٹوپی والا ایک ہی مسافر دیکھا وہ سمجھا کہ ہو نہ ہو یہی وہ شخص ہے جس کے لئے مسٹر میکنٹاش نے دہلی سے لکھا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ صاحب آگے بڑھے اور نہایت خندہ پیشانی سے پوچھا کہ "کیا میں مسٹر اقبال سے ملاقات کی مسرت حاصل کرتا ہوں؟" اقبال نے جواب دیا کہ "جی ہاں" میرا ہی نام اقبال مرزا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ مجھے سر جان پلنکٹ سے شرف گفتگو حاصل ہے۔ اُنھوں نے بَو کیا[1] یعنی سر کو جھکایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھایا دونوں نے شیک ہینڈ کیا (مصافحہ)۔ طرفین سے مزاج پرسی کے بعد سر جان اقبال کو اپنے مکان پر لے گئے۔ اسٹیشن سے تھوڑی دور پر پکڈلی (محلہ کا نام) میں ان کا عالی شان مکان تھا۔ وہاں جاتے ہی ان کو ایک کمرہ بتلایا گیا۔ جو خاص ان کے لئے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اُس میں یہ ٹھیرے۔ ہاتھ مونھ دھو کپڑے بدل کر ڈرائینگ روم میں گئے۔ سر جان نے اپنی لیڈی اور دونوں لڑکیوں سے ان کا تعارف کرایا۔ بہت دیر تک ہندوستان کے حالات اور معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ دس بجے بریکفسٹ۔ دو بجے لنچ۔ آٹھ بجے شب کے ڈنر ہوا۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں استراحت کو چلے گئے نئی جگہ اور نئے لوگ خیالات منتشر اقبال مرزا بہت دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ پلک سے پلک نہ جھپکی بہت رات گئے نیند آئی مگر رات بھر بدخوابی رہی۔ دوسرے

---

[1] ذرا سر کو آگے وار جھکا دینا یہ بھی ایک سلام کا طریقہ ہے۔ ۱۲

دن سر جان نے کہا کہ میں نے آپ کے قیام کے لیئے ایک لاجنگ (فرودگاہ) پہلے ہی سے ٹھیرا رکھی ہے جو میرے مکان سے قریب ہے۔ آپ کو ہمیشہ میرے پاس آنے جانے میں آسانی رہے گی اور آپ کا کالج بھی وہاں سے کچھ دور نہیں ہے میں آپ کو وہاں لے چلتا ہوں یہ کہہ کر ان کو ساتھ لیا اور تھوڑی سی دیر میں یہ دونوں ہیڈ پارک کے عقب میں ایک مکان پر پہونچے۔ یہ مکان دو منزلہ اور متوسط درجے کا تھا اس میں ایک پادری صاحب اور اُن کی میم اور ایک لڑکی رہتی تھی۔ ان سب سے سر جان نے اقبال مرزا کی ملاقات کرائی۔ پادری نے جو کمرہ اقبال کے لیئے طیار کر رکھا تھا ان کو بتلا دیا سب ضروری سامان اس میں موجود تھا وہ اس میں رہنے سہنے لگے۔ ان کو اس مکان میں ہر طرح کا آرام تھا۔ پکّا پکایا کھانا ملتا تھا۔ ایک خادمہ ان کا کام کاج کر جایا کرتی تھی پادری اور اُن کی میم بہت خلیق اور ملنسار تھے ہندوستان میں مدتوں رہ چکے تھے۔ ان کی بہت خاطر و مدارات کرتے تھے یہ ہفتے میں دو مرتبہ بالالتزام سر جان کے پاس جاتے آتے رہتے تھے اور وہ بھی ان کے پاس کبھی کبھار ہو جایا کرتے تھے ان کی تعلیم شروع ہو گئی۔ انھوں نے دل لگا کر محنت شروع کی۔ لندن کے سیر تماشے لہو و لعب تھیٹر (تماشہ گاہ) وغیرہ سے قطعی پرہیز کیا۔ سوائے اپنی پڑھائی کے ان کو کچھ کام نہ تھا ہفتہ وار اپنی ماں کو خط لکھا کرتے تھے۔ اُن کے خط بھی ہر میل میں آتے رہتے تھے اس طرح دنوں سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے برس گزر گئے۔ بات کہتے پانچ سال کی مدت ختم ہو گئی ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

سوِل سروس[1] کا امتحان ہوا۔ یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ محنت کسی کی رائگاں

[1] ایک امتحان کا نام جس کے بعد سرکاری معقول ...

نہیں جاتی محنت اور استقلال کے سامنے سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں ؎

[1] مشکلے نیست کہ آساں نہ شود مرد باید کہ ہراساں نہ شود

دلی شوق چاہیئے۔ ع [2] شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔

ہم کو معلوم تھا کہ ضرور اقبال مرزا کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نتیجہ جب شائع ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اقبال مرزا تیسرے نمبر پر کامیاب ہوئے۔ ہندوستانی ہو کر تمام ولایت کے امتحان میں تیسرے نمبر پر آنا کچھ کم فخر کی بات نہ تھی۔ اس کے بعد مقابلے کا امتحان بہت کٹھن تھا۔ اس میں کامیاب ہونا کارے دارد لیکن خدا کا فضل شامل حال تھا اس میں بھی کامیابی ہوئی ؎

[3] بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گل دستہ گردد

مسز جان اور لیڈی پلینکٹ نے مبارک باد کی چٹھی لکھی اور دوست احباب بہتیروں نے زبانی اور تحریری اور تار پر مبارک بادیں دیں۔ دہلی بھی اقبال مرزا نے فوراً تار دے دیا۔ دوسرا کوئی ہوتا تو ولایت کے پنج سالہ قیام کا بہت کچھ اثر اُس کے مزاج و عادات و اطوار پر ہوا ہوتا مگر واہ رے اقبال مرزا تھا تو وہ امیر ابن امیر۔ توڑوں کا بچتا اور مگر اس کے خمیر میں بدی کی آمیزش نہ تھی۔ فطرتاً نیکی اُس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی سلامت روی اُس کی طبیعت ثانیہ تھی۔ لندن اتنا بڑا شہر جہاں سیر تماشے میلے ٹھیلے ناچ رنگ۔ گانا۔ بجانا۔ تھیٹر آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ نوجوان تو نوجوان بوڑھوں کا

[1] کوئی مشکل ایسی نہیں جو آسان نہ ہو جائے (البتہ شرط یہ ہے) کہ آدمی گھبرا نہ جائے
[2] جس دل میں شوق ہوتا ہے وہ اپنا رستہ آپ کر لیتا ہے شوق والے کو کسی رہنمائی ضرورت نہیں۔ [3] جس کام کے لیئے ہمت باندھ لی جائے اگر وہ مشکل بھی ہو تو آسان ہو جاتا ہے۔ ۱۲

دل ہی للچا جائے مگر اقبال مرزا نے اس طرف بھول کر رُخ نہ کیا۔ نہ دوسروں کی طرح روپیہ پیسہ اُڑایا ؎

اس کے عادات ستودہ ہمہ خوبی و صلاح — اس کے اطوار پسندیدہ و اوصاف حمید

اس کو تو صرف اُس کام کی دُھن تھی جس کے لیئے وہ اپنا دیس چھوڑ کر پردیس میں آیا تھا ماو شما سے اُسے کچھ مطلب نہ تھا۔ امتحان پاس کرتے ہی وہ چاہتا تھا کہ پر لگ جائیں تو اُڑ کر گھر پوہنچوں ایک ایک دن اُسے لندن میں ٹھہرنا دوبھر تھا۔ سر جان نے صلاح دی کہ زیادہ نہیں تو کم سے کم ایک مہینہ تو اور ٹھہرنا چاہیئے انھیں کی کوشش سے اس اثناء میں اقبال مرزا کا تقرر بھی ہو گیا۔ اور حکم ہو گیا کہ لفٹنٹ گورنر پنجاب کے پاس حاضر ہو جائیں۔ چلتے وقت ان کو سر جان نے ایک نہایت پر تکلف وداعی (رخصتی) ڈنر دیا جس میں بہت سے ذی شان انگریز اور لیڈیاں (بیبیں) مدعو تھیں۔ سر جان نے اقبال مرزا کا جام صحت[1] تجویز کرتے وقت ایک مختصر مگر پُر لطف سپیچ (تقریر) دی وہ یہ تھی:۔

مسٹر اقبال لیڈیز[2] اینڈ جنٹلمین۔ اس امر کے اظہار کی چنداں ضرورت میں معلوم نہیں کرتا کہ آج ہم سب لوگ مسٹر اقبال کو رخصت کرنے کے لیئے جمع ہوئے ہیں کیوں کہ وہ کل ہندوستان کو واپس جائیں گے۔ وہ میری نگرانی میں پورے پانچ سال یہاں رہے میں خوش ہوں کہ انھوں نے یہاں رہ کر ایک عمدہ اور قابل تقلید

---

[1] دعوتوں میں کھانے کے بعد کسی کی صحت کے لیئے جام پیا جاتا ہے۔ شراب پینے والے گلاس میں شراب کھڑے ہو کر پیتے ہیں۔ جو شراب سے محترز وہ گلاس میں پانی بھر لیتے ہیں اس موقع پر جو تقریر کیجاتی ہے اُسے ٹوسٹ کہتے ہیں ۱۲

[2] خواتین و صاحبان۔ انگریزی میں تقریر کے وقت حاضرین سے اس طرح خطاب کیا جاتا ہے کہ لیڈیوں کو پہلے اور جنٹلمینوں کو بعد مخاطب کیا جاتا ہے ۱۲

مثال اپنے ہم وطنوں کے واسطے قائم کی ہے اُن کا چال چلن و طرز عمل دوسرے
ہندوستانیوں کے لیئے ایک عمدہ نمونہ ہے اُنھوں نے سول سروس کا مشکل امتحان
آنرز سے پاس کیا ہے (چیئر)[۱] وہ بہت خوش نصیب ہیں کہ سکرٹری آف سٹیٹ نے اُن
(کامیابی — عزت — وزیر ہند)
کو صوبہ پنجاب کے لیئے متعین کر دیا ہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی لیاقت اور شرافت
کی وجہ سے اعلیٰ ترین خدمت پر بہت جلد پہونچیں گے۔ مجھے ان کی جدائی کا رنج ہے
اور اس رنج میں لیڈی بلنکٹ کا کچھ کم حصہ نہیں ہے۔ ہم کو ان کی جگہ ہمیشہ خالی
معلوم ہو گی مجھے توقع ہے کہ وہ اپنے ملک کو اپنی لیاقت سے قیمتی فائدہ پہونچائیں گے
لیڈیز اینڈ جنٹلمین میں اس رنج وہ بین کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا اور تحریک کرتا
ہوں کہ آپ سب نہایت خوشی سے میرے معزز مہمان کا جام سلامتی نوش فرمائیں
گے (چیئرز) اس ٹوسٹ کے ختم ہونے پر اقبال مرزا کا جام سلامتی بہت جوش و خروش سے
پیا گیا۔ اقبال مرزا نے حسب ذیل جواب دیا:۔

مسٹر جان بلنکٹ لیڈیز اینڈ جنٹلمین میں تہ دل سے اس بے انتہا اور گہری عنایت
اور شفقت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میرے معزز میزبان اور اُن کی محترمہ لیڈی نے
ہمیشہ مجھ پر کی ہے۔ میں کوئی الفاظ ایسے نہیں پاتا جو میرے دلی خیالات احسانمندی
کو پوری طرح اظہار کر سکیں میں اپنی کامیابی کی بڑی وجہ میرے معزز میزبان
کی بیچارہ صلاح و مشورہ اور مدد کو سمجھتا ہوں میرے لیئے تمام مشکلیں آسان ہو گئیں
کیونکہ ہر وقت مجھے ہر امر میں کافی و قابل قدر مدد ملی ہے میری زندگی کا بہترین زمانہ
یہی دن تھے جو میں نے یورپ میں گزارے۔ اس کہنے میں مجھے کچھ پس و پیش نہیں

۱؎ نعرہ ہائے خوشی ۱۲

کرسکتا کہ مسٹر جان ہی کی عمدہ نگرانی اور امداد کی وجہ تھی جو میں اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ لیڈی پلنکٹ نے میرے ساتھ مادرانہ ہمدردی کا برتاؤ کیا ہی۔ اور مس پلنکٹ نے میرے دل میں جو میری بہن کی جگہ خالی تھی پُر کی ہی۔ میں اُن سب صاحبوں کا ہمیشہ ہمیشہ یکساں شکر گزار رہوں گا۔ اگرچہ میں اپنے وطن جانے سے بہت خوش ہوں لیکن میں آپ صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے آپ سب صاحبوں کی جدائی کا بہت رنج ہی اور میں مدت العمر آپ سب کی مہربانیوں کو بہت مسرت سے یاد کرتا رہوں گا (چیرز) میری زندگی کا ہمیشہ یہ مقصد رہے گا کہ میں گورنمنٹ کا سچے دل سے خیر خواہ وفادار ملازم اور مطیع و فرمان بردار رعایا رہوں اور پبلک کو عام خلائق جہاں تک ممکن ہو فائدہ پونہچاؤں میرے لیئے آپ صاحبوں کی جدائی ایک بہت رنج دہ موقع ہی اس لئیے میں اپنی تقریر کو بہ مجبوری ختم کرتا ہوں اور پھر آخر میں آپ صاحبوں کی عموماً اور مسٹر جان لیڈی اور مس پلنکٹ کی مسافر نوازی کا خصوصاً شکریہ ادا کرتا ہوں (زور سے چیرز)

ڈنر کے بعد مس پلنکٹ نے پیانو بجایا۔ دیر تک مجلس گرم رہی۔ قریب بارہ بجے شب کے جلسہ برخاست ہوا۔ صبح کے وقت اقبال کی روانگی کا دن تھا۔ اسٹیشن تک مسٹر جان لیڈی اور مس پلنکٹ پادری صاحب اُن کی میم اور اُن کی لڑکی اور بہت سے انگریز اور مِس پونہچانے آئے۔ ریل نے سیٹی دی اور آہستہ آہستہ اسٹیشن سے چلی۔ گڈ بائی[۱]۔ گڈ بائی سیف جرنی[۲] اور چیرز کا شور ہوا۔ اقبال مرزا کھڑکی میں مونھ ڈالے دیکھ رہا تھا بہت سے لوگ رومال ہلا رہے تھے کہ آناً فاناً ریل پلیٹ فارم سے نکل گئی۔ سب لوگ اقبال مرزا کو رخصت کرکے واپس ہوئے

---

[۱] رخصت رخصت [۲] خدا خیر و خوبی کے ساتھ پونہچائے ۔۔

نواں باب۔ ولایت سے واپسی اور سرکاری نوکری

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

واپسی کے وقت جہاز کے سفر کی قریب قریب وہی حالت تھی جو آتے وقت تھی۔ صرف اتنی بات زیادہ تھی کہ سمندر میں تلاطم تھا طوفان کے سبب سے جہاز کو بہت جنبش رہی اسی وجہ سے جہاز تاریخ مقررہ سے ایک دن بعد پانچ بجے صبح کے بمبئی میں لنگر انداز ہوا چھ بجتے بجتے مسافر اُترنے شروع ہوئے۔ چوں کہ مسافروں کا ہجوم بہت تھا اقبال مرزا نے سبقت نہ کی وہ اس انتظار میں تھا کہ بھیڑ چھنٹ جائے تو اُترے ابھی وہ ڈک پر کھڑا مسافروں کے اُترنے کا تماشہ ہی دیکھ رہا تھا کہ یکایک ایک کشتی جہاز کی طرف لپکی ہوئی آتی دکھائی دی جس میں دو تین ہندوستانی دُور سے نظر پڑے کشتی جب جہاز کے پاس آن لگی تو اُس نے دیکھا کہ دلی سے اِن کے بڑے ابا اور دو تائے بھائی ان کو لینے آئے ہیں۔ اتنے میں وہ تینوں صاحب جہاز پر چڑھ آئے۔ چچا بھتیجے کو گلے لگا کر آب دیدہ ہوئے۔ دونوں بھائی جو اقبال سے چھوٹے تھے ان کو لپٹ گئے۔ اُسی کشتی میں اقبال مرزا سوار ہو کر کنارے پر آئے اب ان کو اتنی تاب کہاں تھی کہ ایک دن بمبئی میں قیام کر کے آرام لیتے اور سفر کی تکان دور ہونے کے بعد آگے بڑھتے اور اگر یہ ایسا کرتے بھی تو چچا کب مانتے۔ اِن کا دل تو یہ چاہتا تھا کہ اُڑ کر دہلی پہنچیں۔ بمبئی میں مع الخیر پہنچنے کا تار دہلی اُسی وقت دے

دیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ آج ہی سہ پہر میں روانہ ہو کر کل نو بجے رات کے دہلی پونہچیں گے تار کا آنا تھا کہ محلے میں کھلبلی مچ گئی۔ بیگم صاحب کی باچھیں کھل گیئں چلّوؤں لہو بڑھ گیا مبارک سلامت ہونے لگی۔ تیل[۱] ماش اور ٹکوں کی کشتیاں مٹھائی کے کونڈے آنے لگے کنبے والوں کے علاوہ ملنے جُلنے والے حق ہمسایہ سب ہی کو تو بیگم صاحب نے بُلا وا دیا اور ایک بڑی بھاری دھوم دھام کی شادی رچائی اور کیوں نہ رچاتیں پانچ برس کے بعد خدا رکھے لڑکا بامراد امتحان پاس کر کے آیا اور پھر نوکر بھی ہو گیا اِس سے بڑھ کر اور کون سا موقع اظہار خوشی کا ہوتا۔ نوبت نقارے ناچ رنگ نواں کے گھرانے میں ہوتا نہ تھا مولویانہ کارخانہ تھا البتہ ڈومنیاں دائرہ پر گالیتی تھیں روز دو وقت مقررہ پر تیسرے پہر سے آٹھ بجے رات تک لگاتار ڈولیوں۔ یکّیوں۔ اکّوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ اتنی بڑی حویلی اور محل سرا دونوں مہمانوں سے ایسی کھچاکھچ بھر گئیں کہ تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ گھر میں ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی چیختے چیختے گلا پھٹا جاتا تھا یہی حال ہمارے ہاں کے شادی بیاہ میں عموماً ہوتا ہے۔ جہاں چار بیویاں جمع ہوئیں پھر دیکھئے وہ چل پُوں مچتی ہے کہ الٰہی توبہ کسی کا بچہ رو رہا ہے محل رہا ہے تو کوئی خود دہاڑ رہی ہے یہاں تک کہ گھر والوں کی آوازیں چیختے چیختے پڑ جاتی ہیں گلے بیٹھ جاتے ہیں ابھی کھانے پینے کا کیا ٹھکانا تھا۔ شادی بیاہ میں کھانا تو ملتا ہے مگر وقت کا کسی کو بھی خیال نہیں رہتا ابھی تو ڈولیوں پر ڈولیاں

---

[۱] دلّی کا قاعدہ ہے کہ سفر پر جاتے یا واپس آتے وقت بطور صدقہ ردِّ بلا تیل اور ماش اور کچھ پیسے بھجوائے جاتے ہیں۔ مٹی کے کونڈوں میں مٹھائی بھی بطور مبارک باد کے خوشی کی تقریبوں میں بھجی جاتی ہے۔ ۱۲

اُتر رہی تھیں کہار اکھری دوہری ڈیوڑھی سواری پر جھگڑ رہے تھے۔ باہر مردانے میں
ایک بے چارے لڑکے کے پاس روپیہ پیسے اور ریز گاری رومال میں بندھی ہوئی
تھی وہی کرایہ چکا رہا تھا ایک دوسرا لڑکا لکھتا جاتا تھا۔ کہار اس پر ٹوٹے پڑتے تھے
عجب ریل پیل۔ دھکم دھکا ہو رہا تھا۔ کھانا تو شام ہی سے پک چکا تھا بھلا جہاں ممن[1]
باورچی ہو وہاں کھانے کی عمدگی اور نفاست کا کیا پوچھنا۔ وقت سے پہلے سب طیاریہ
مردانے مکان میں دیگیں طیار دم پر تھیں۔ قاضی کے حوض سے اور نیل کے کٹڑے
سے متعدد خوان با فرخوانیوں کے آکر ایک قطار سے رکھے ہوئے تھے۔ فیرنی کے
خونچے[2] چاندی کے ورق لگے لپٹے جمے دو دو اوپر تلے الگ چُنے ہوئے تھے۔
یہ تو بیگم صاحب نے بہت اچھا کیا کہ آج صرف زنانی ہی مہمان داری کی ورنہ
کسی کے کرنے دھرنے کچھ انتظام نہ ہو سکتا۔ اسی وجہ سے مردانی دعوت کل پر
اُٹھا رکھی۔ پھر بھی گھر کے اور قریب کے رشتہ دار ملا کر بیس تیس مرد موجود ہی تھے
ڈومنیوں کی تو کئی جوڑیاں آئی تھیں۔ ایک تو گھر کی میراسن تھی۔ تھی تو وہ بڑھیا
مگر حق دار تھی بھلا اُسے کون روک سکتا تھا سب سے پہلے تو وہی آئی اور ایک
بی حیدری تھیں جو نیم طوائف تھیں سُنا کہ وہ بڑے ٹھسے کی ڈومنی تھی صورت
شکل کی نکھ سے سُکھ آنکھ ناک کی درست دیدہ رو طبلے سارنگی پر ناچتی گاتی
تھیں مگر یہاں طبلے سارنگی کا گزر کہاں۔ دائرہ کا مضائقہ نہ تھا تو بھلا اُن کا گلا اس
موئے پھوٹے ٹھیکرے پر کیا خاک چلتا۔ ایک حلال خوریوں کا طائفہ بھی تھا۔ کیوں
خیر تو ہے آپ نے حلال خوریوں کا نام سُن کر کیوں ناک بھوں چڑھائی وہ کوئی

[1] دلّی کے ایک مشہور باورچی کا نام ہے [2] اصل لفظ خوانچے ہے مگر دلّی والے یوں ہی بولتے ہیں۔ ۱۲

کمائی تھوڑی ہیں۔ نام کی حلال خوریاں ہیں ورنہ یوں تو وہ پہچانی بھی نہیں جاتیں۔ ڈومنیوں سے کسی طرح کم نہیں دہلی کی مشہور گانے والیوں میں وہ بھی ہیں۔ شام سے ہی اِن ڈومنیوں نے "شادی مبارک شادی مبارک" گانا شروع کر دیا تھا۔ مگر ابھی مہمان کب ٹھکانے سے بیٹھے تھے جو اِن کی کوئی سُنتا۔ مگر یہ اپنے کرنے کا کام کر رہی تھیں چاہے کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ کھانے کا کہیں پتا نہ تھا بچے تو رو رو کر نہ معلوم کب کے بھوکے ہی سو گئے تھے کوئی کہیں کوئی کہیں۔ عورتیں اپنا ٹھور ٹھکانا کر رہی تھیں کوئی اپنے بھاری جوڑے بڑھا رہی تھیں کوئی پان پر پان چبا رہی تھیں کوئی ایک دم باتیں کیے جاتی تھیں۔ تالو سے زبان نہیں لگاتی تھیں خدا جانے الف لیلہ دُہرا رہی تھیں یا امیر حمزہ کی داستان کہہ رہی تھیں لاؤ ذرا کان لگا کر سنیں تو کہ آخر یہ ایسی کیا باتیں ہیں کہ جن میں نہ کامار[1] نہ فل سٹاپ اور وہ طولانی سلسلہ ہے کہ پناہ بخدا کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا۔ کام کی ایک بات بھی نہ تھی یا تو غیبت تھی یا میاں کا دُکھڑا دُہرایا جا رہا تھا یا کسی کے زیور اور لباس پر نکتہ چینی اور حرف گیری ہو رہی تھی یا کسی کی صورت پہ آوازے توازے کسے جا رہے تھے اور ٹھٹھے لگا رہی تھیں۔ لڑکیاں دو دو چار چار ملی ہوئی جا بجا بیٹھی ہوئی سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں کہ مدتوں کے بعد اپنی سہیلیوں سے ملی تھیں طرح طرح کے کھیل کھیل رہی تھیں۔ ان بے چاریوں کو شادی بیاہ یا اس قسم کی تقریبیں غنیمت ہو جاتی تھیں ورنہ اِن کو دُسراہٹ کہاں۔ ریل کا وقت قریب آ چلا تھا اقبال مرزا کے آنے کا لمحہ لمحہ گنا جا رہا تھا۔ گھر تو ان کا ریل کے اسٹیشن کے قریب ہی تھا۔

[1] کاما تھوڑے ٹھہرنے کی علامت ہے اور فل سٹاپ جملہ ختم ہونے کی یعنی مطلب یہ کہ کہیں فصل نہ تھا۔۱۲

ہر وقت ریل کی آواز آتی رہتی تھی۔ اِدھر نو بجے اُدھر پنجاب میل کی دن دناہٹ اور سیٹی کی آواز آئی۔ ریل پر پہلے ہی سے بہت سے لوگ گئے ہوئے تھے۔ ٹھیک دس بجے اقبال مرزا کوئی سوا پانچ برس کے بعد اپنے گھر پر واپس آئے۔ آتے ہی مبارک سلامت ہونے لگی۔ پھولوں کی نچھاور ہوئی صدقے سلے اُترے۔ سیدھے زنانہ خانے کی ڈیوڑھی پر پوہنچے۔ ماں بدحواس اور بے قرار دروازے ہی میں دیر سے کھڑی تھیں اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ[1]۔ بچے کو دیکھتے ہی دوڑ کر چمٹ گئیں خوب پیار کیا چٹا چٹ بلائیں لیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور بیویاں جو سامنے ہوتی تھیں اور جو قریب کی رشتہ دار تھیں سب نے علی قدر مراتب گلے لگایا کسی نے بلائیں لیں کسی نے سلام لیا کسی نے دعا دی۔ ڈومنیوں نے اب پھر از سر نو مبارک باد گانی شروع کی۔ کھڑے کھڑے مل کر اقبال مرزا باہر مردانے مکان میں اپنے یار دوستوں میں آ گئے۔ یہاں باتیں چیتیں ہونے لگیں حقے پان کی تواضع ہوئی کوئی بارہ کے عمل میں کھانے کی یاد ہوئی۔ دیگیں گھر میں گئیں وہاں کا حال کچھ نہ پوچھیے کسی اور موقع پر لکھیں گے۔ اللہ رکھے ابھی تو بڑی بڑی شادیاں ہونی ہیں۔ قصہ مختصر دو ڈھائی بجے رات کے کھانے سے فراغت ہوئی مردانے میں بھی اسی کے قریب قریب کھانا ملا۔ تھکے ہارے سب پڑ کر بے خبر سو گئے صبح کے ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کے بعد مہمان رخصت ہونے شروع ہوئے شام ہوتے ہوتے گھر اپنی معمولی حالت پر آ گیا گئی دن تک حصے بخرے کونڈے مٹھائیاں کبنے والوں کے ہاں سے آتی رہیں اقبال مرزا کو زیادہ دن

[1] انتظار موت سے بھی سخت تر ہے۔ ۱۲

دہلی میں ٹھہرنا تھا ان کو جس قدر جلد ممکن ہو لاہور جانا تھا مشکل سے ایک ہفتہ دہلی میں رہے جس ڈپٹی کمشنر نے اقبال مرزا کو ولایت بھجوایا تھا افسوس وہ تو دہلی سے بدل کر کسی دوسری قسمت کا کمشنر ہو گیا تھا اب جو نیا ڈپٹی کمشنر آیا تھا اُس سے ان کی ملاقات نہ تھی تاہم یہ سلام کر آئے اور پھر لفٹنٹی میں حاضر ہوئے لفٹننٹ گورنر نے ملاقات کے بعد ان کا تقرر ضلع گوڑ گانوہ کی اسسٹنٹ کمشنری پر کر دیا اور ان کو صاحب ضلع کے پاس فوراً حاضر ہو جانے کا حکم مل گیا اُنھوں نے اس تقرر کو از بس غنیمت سمجھا کہ دلی اور گوڑ گانوہ گھر آنگن تھا چند گھنٹے کا رستہ تھا۔ لاہور سے دہلی ہوتے ہوئے اقبال مرزا گوڑ گانوہ میں پونہچے اور اپنی خدمت کا جائزہ لے لیا۔ چھوٹتے ہی ان کی تنخواہ چار سو روپیہ ہوئی ان کی والدہ اپنے تعلقات خانہ داری کی وجہ سے دہلی کو چھوڑ نہیں سکتی تھیں آخر پھر اتنے بڑے گھر دار کی کون خبر لیتا۔ تاہم وہ لڑکے کے پاس جا کر مہینہ پندرہ دن رہ آیا کرتی تھیں۔

دسواں باب۔ دُلھن کی تلاش

پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب و شمال۔
تلاش کی ہے دُلھن ہم نے چار سو تیری

چھ مہینے اسی حالت میں گزرے بیگم صاحب کو تو لڑکے کی شادی کا خیال لگا ہی ہوا تھا اور اب جب سے ولایت سے واپس آئے ہر زم اسی کی فکر تھی کئی جگہ بات چیت ہوئی لڑکی ڈھنڈوائی۔ اپنا ہت میں کئی لڑکیاں تھیں مگر بیگم صاحب کا یہ کہنا تھا کہ میں تو کنبے میں کبھی نہ کروں گی کیوں کہ ہمیشہ کنبے میں بدمزگی ہو جاتی ہے شادی بیاہ کے بعد بھلے چنگے تعلقات اور میل ملاپ میں فرق آ جاتا ہے۔ لو

اپنے ہی ہاں دیکھ لو تا کا حسینی بیگم کی شادی کس چاؤ چونچلوں اور ارمان سے اُن کے خالہ کے لڑکے سے ہوئی تھی جب لڑکی ہوئی تھی جب ہی ٹھیکرے میں پانچ روپیہ اور گھُٹی میں بتاسہ ڈال دیا تھا۔ برسوں لین دین ہوتا رہا۔ عیدی۔ بقرعیدی بقر۔ تہوار۔ محرم کی قفلیاں۔ پُن دھنیا۔ بٹوے۔ گوٹا۔ آتش بازی۔ اور کیا اور کیا کون کون سی رسم تھی جو ادا نہیں ہوئی مگر جب دلوں میں صفائی بات چیت میں خلوص نہ رہا تو وہ چھٹم چھٹا ہی کے برابر ہوا ؎

دلوں میں کہنے سُننے سے عداوت آہی جاتی ہے
صفائی لاکھ ہو لیکن کدورت آہی جاتی ہے

سمدھیانے کا رشتہ ناطہ کیا کوئی آسان بات ہے ہزار قسم کی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے اپناہت میں بہت مشکل سے یہ رشتہ نبھتا ہے آدھا کنبہ اِدھر آدھا اُدھر ہو جاتا ہے کوئی بیٹے والوں کی طرف کوئی بیٹی والوں کی طرف۔ لوگوں کو ادھر کی اُدھر لگانے میں مزا آتا ہے میل کا بیل بنانا اِن کا کام ہے جہاں سوئی نہ جائے واں موسل ٹھونس دیں مُفت میں لڑا کر خود تماشہ دیکھیں ؎

جس میں جاں کا نہ خسارہ ہو وہ سودا اچھا　　جس میں جی کا نہ زیاں ہو وہ محبت اچھی

بیگم صاحب کا کنبہ تو اوّل ہی نپا تُلا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس میں افرا تفری ڈالیں اس سے تو غیر جگہ ہی لاکھ درجے غنیمت۔ اگرچہ دیہات میں بہت سے زمیندار اور رئیس بلکہ نواب ہیں اور ان کی صاحب سلامت اور جان پہچان والے بھی تھے اور دیہات والوں کی ذات زمانت (جماعت) اور شرافت کا کیا پوچھنا یہ لوگ ٹکسالی اور اصل نسل اور ہڈی بوٹی کے شریف۔ پشت در پشت اور پیڑھیوں تک اِن کا

سلسلۂ نسب شہریوں کی طرح ستھرانہ تھا۔ غیر کفو اور برادری سے باہران کے ہاں شادی نہیں ہوتی اس لیئے ان کے خاندان اس اعتبار سے بے لوث اور نکھرے ستھرے ہوتے ہیں لیکن گاؤں گوٹھ میں ایک بڑی خرابی ہے جس سے بیگم صاحب کا دل نہیں ٹھکتا تھا۔ دیہات میں تعلیم کا مطلق چرچا نہ تھا۔ لڑکی ملے گی اور ممکن ہے کہ وہ صورت شکل کی بھی اچھی خاصی ہو مگر لاکھ کچھ ہو گاؤں والوں کے چہرے کا روڑھاپن تو بندھی بات ہے۔ اس کے علاوہ اُس کا شین۔ قاف تک درست نہ ہوگا پڑھنے پڑھانے کا کیا مذکور۔ بولی کرخت اور ثقیل لباس بھی بھدا اور گنواری ہوگا جیسا دیس ویسا بھیس۔ خیر۔ لباس کی اصلاح تو ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں مگر زبان تو نہ بدلی ہے نہ بدل سکتی ہے۔ آٹا[1] روٹی۔ بھتیا۔ بوبو اُس کی زبان پر چڑھا ہوا ہوگا۔ دلّی والیاں تو اُس کو چٹکیوں میں اڑائیں گی۔ لباس پر ہزاروں پھبتیاں اڑائیں گی۔ ڈیرھ بالشت کا گھونگھٹ لٹکتا ہوگا۔ غرض اُس کی ہر بات پر نام دھرا جائے گا۔ بہو کیا آئے گی کنبے اور محلے والوں کے لیئے تماشہ ہو جائے گا۔ پھر جوڑ بھی ٹھیک نہیں۔ لڑکا تو پڑھا لکھا اور لڑکی ہو جاہل محض دونوں میں کچھ مناسبت نہیں اس سے بہتر ہے کہ شہر ہی میں تلاش کی جائے شہر تو بھرا ہے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر لڑکیاں موجود یہاں کس بات کی کمی ہے مگر ہاں تلاش کرنے والا چاہیئے یوں تو شہر میں ہزاروں مشّاطے[2] ہیں جن کی گزران اسی پر ہے مگر وہ ایسی دھوکے باز جھوٹی لپاٹنیں ہوتی ہیں کہ پناہ بخدا زمین آسمان کے قلابے

[1] بالتشدید۔ گاؤں والے اسی طرح بولتے ہیں اور جہاں تشدید چاہیئے وہاں ندارد مثلاً۔ کوٹھیاں وغیرہ۔ ۱۲ [2] اصل لفظ مشاطہ ہے مگر دلی والیاں مشّاطہ بولتی ہیں۔ ۱۲

ملا ایسا شیشے میں اُتار لیتی ہیں کہ آدمی اُن کی میٹھی میٹھی باتوں اور بھڑ مبوں میں آکر دھوکا کھا جاتا ہی۔ وہ جس کو چاہیں آسمان پر چڑھادیں چار چاند لگا دیں اور جسے چاہیں گڑھے میں گرادیں اور ہزاروں کیڑے ڈال دیں۔ یہ مشاطائیں کاہے کو ہیں خاص کٹنیاں ہیں آسمان پھاڑ کر تھگلی لگا دیں۔ ہم تو ان کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔

بیگم صاحب ہمارے دیکھتے دکھاتے بگہ بیگم کے لڑکے کی شادی کچھ ایسے اُتار چڑھاؤ ڈھلیوں میں کرادی ایسی دبو دبو کی کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ اگرچہ اس زمانے میں شریف وہی ہی جس کے پاس پیسہ ہی اور وہ لوگ بھی اچھے خاصے کھاتے پیتے خوش گزراں تھے مگر کچھ بھی ہو خاندان تو ڈھلیوں ہی کا تھا لاکھ پیسہ ہوا تو کس کام کا پیسے کو لیکر کیا کوئی چاٹے امیری کے سبب سے گو کوئی اِن کو موںھ پر کچھ نہ کہے ایک امیری ہزار عیبوں کو ڈھانکتی ہی مگر پھر بھی ان کا چرچا لوگ کرتے ہیں۔ خیر اس کو بھی صبر کیا مُردوں کی ہڈیاں اکھاڑنے سے فائدہ۔ مگر ہاں دولھا صاحب جو تشریف لائیں وہ اصل خیر سے دولھا سے اکھٹے چار برس بڑی اور پھر صورت شکل کو کیا نام دھرا جائے خدا کی بنائی ہوئی ہی کسی کی صورت کو نام دھرنا گویا اُس کے بنانے والے کو نام دھرنا ہی میں تو خود ہزار بدصورتوں کی بدصورت ہوں دوسروں کو کیا نام دھروں۔ مگر خلق کا حلق کس نے بند کیا ہی کہنے میں بات تو آتی ہی ہی۔ توبہ توبہ۔ کان پکڑ کر کہتی ہوں کہ لڑکی کی کوئی آن درست نہ تھی نہ رنگ نہ روغن نہ نقشہ نہ ڈیل ڈول۔ کوئی کل اس کی درست نہ تھی رنگ سانولا نہیں کالا آنکھیں چھوٹی چھوٹی دھسی ہوئی تنگ پیشانی ناک پر پہیا پھرا

ہوا موٹے موٹے ہونٹ سپتھلا مُنھ داغ چہرہ مُہرہ بیڈول سوکھی چمرخ. ملی جیسے
تاڑ کا جھاڑ۔ اس پر طرفہ یہ کہ لڑکا سب طرح سے نِکھ سے شِکھ قبول صورت۔
اب تبلاؤ کہ کیسے نباہ ہوگا۔ ایسی بیوی ایسے میاں کی خاطر تلے کس طرح سے
آئے اگر بھلا مانس ہوگا تو عمر بھر نباہ دے گا نہیں تو چھوڑ چھاڑ الگ کرے گا پھر یہ
عمر بھر کا جلا پا رہا یا نہ رہا۔ یہ کس کی بدولت انھیں نامراد مشاطاؤں کی کارستانی ہے
تاؤ دیکھیں نہ بھاؤ جوڑ بے جوڑ چپکا ہی دیتی ہیں۔ اس سے تو بہتر مجھے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ ہمارے ہی محلے میں بی امامی اور نانی وحیدی دو فقتانے وقت کی دو عورتیں ہیں گو
کسی زمانے میں اچھی حالت میں تھیں مگر اب تو تباہ ہو گئیں بے چاریاں برقعہ اوڑھ
نکل کھڑی ہوئیں اپنے بل بوتے پر نوکریاں کرنے لگیں۔ اُن سے تو اچھی کہ سنڈی
مُشٹنڈی بھیک مانگیں مفت کی روٹیاں توڑیں کبھی کام پڑ جائے تو قسم کھانے
کو نہ کریں۔ نکمی۔ احدی۔ ان لوگوں کی آمد و رفت بڑے بڑے گھرانوں
امیر امراؤں میں ہے۔ ان کے ذریعے سے اگر لڑکی کی تلاش کرائی جائے تو ضرور
کوئی نہ کوئی حسب مراد مل ہی جائے گی اور جو سچی سچی بات ہے وہ کہہ بھی دیں گی
لگی لپٹی رکھنے والی نہیں ہیں کیوں کہ یہ مشاطہ نہیں جن کی گزران اسی پر ہو اور جو
نمک مرچ لگا کر چکنی چپڑی باتوں سے جھوٹ کو سچ کر دکھلائیں یا جو دینے لینے کے
لالچ میں آجائیں اور آگے دے کر کنوئیں میں دھکا دے دیں۔ یہ کہہ کر بیگم صاحب نے
دونوں کو بلوا بھیجا اور اُن سے ذکر کیا۔ دونوں نے کہا کہ بیگم صاحب آپ کے کام
کو تو ہم سر آنکھوں سے حاضر ہیں۔ کوئی پاؤں کے بل چلے تو ہم سر کے بل چل کر آپ
کے حکم کی تعمیل کریں گے مگر تم جانو یہ کام ایسا نہیں کہ جلدی ہو سکے۔ جلدی کام

شیطان کا اور آہستہ کام رحمن کا شادی بیاہ کا معاملہ ہے۔ سہج میں سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر کیا جائے گا اٹھ بہر سونٹھ کا نوالا تو ہی نہیں یہ تو عمر بھر کے معاملے ہیں۔ دیر آید درست آید۔ اللہ تعالیٰ سُرخ رو کرے کہ آگے کو مُنھ دکھانے کی جگہ رہے۔ ہم تو آپ کے قدیم نمک خوار ہیں گوشت پوست سب آپ ہی کا ہے۔ آپ نے پہلے سے نہ کہا نہیں تو اب تک کوئی نہ کوئی لڑکی آپ کے خاطر خواہ مل بھی جاتی۔ ایسے کام تو برسوں پہلے سے کئے جاتے ہیں۔ اللہ رکھے چھوٹے سرکار تو مدتوں سے شادی بیاہ کے قابل ہو گئے۔ امیر لوگ تو چھٹپنے ہی سے بات ڈھونڈ لیتے ہیں مگر آپ کی زبان سے جب سُنا یہی سُنا کہ ابھی جلدی کیا ہے دیکھا جائے گا۔ ابھی تو تھوڑے ہی دن کی تو بات ہے کہ ٹونک والے رئیس کے جو دیوان ہیں اُن کی نواسی کی شادی نواب سلیم اللہ خاں کے لڑکے سے ہو گئی۔ میں نے ہی بات لگائی تھی کیسی قبول صورت چندے آفتاب چندے ماہتاب لڑکی ہاتھ سے نکل گئی۔ آپ پہلے سے ذکر کرتیں تو آپ ہی کے ہاں بات ٹھہر جاتی۔ خیر اب وہ بات ٹوٹی۔ مضائقہ نہیں۔ آپ خاطر جمع رکھیں ہم دونوں جان توڑ کر کوشش کریں گے۔ سارا شہر چھان ماریں گے شہر میں لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ایک سے ایک اعلیٰ چندے آفتاب چندے ماہتاب مل وقت اور گھڑی آنی چاہیئے خدا وہ شبھ گھڑی لائے بیگم صاحب کچھ ایسا بُرا وقت آگیا ہے کہ بہت سے گھروں میں جوان جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں اور مرضی کا بر نہیں جُڑتا۔ لڑکوں کے واسطے کیا کمی ہے سونے کے کٹورے کو بھیک کی کیا کمی اور آپ کے صاحب زادے کا ماشاء اللہ چشم بد دور کیا کہنا وہ تو ہیرا ہے۔ صورت شکل عالی۔ نوکری چاکری اللہ کا دیا سب ہی کچھ ہے۔

پانچواں انگلیاں پانچوں چراغ۔ جہاں بات جائے گی بیٹی والے ریجھ جائیں گے پاؤں پڑ کر منتیں کر کے بیٹی دیں گے ایسا لڑکا ملتا کہاں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ خدا نے بھی چاہا تو ایسی لکھے سے سگھڑ قبول صورت گڑیا سی دلھن ڈھونڈوں گی کہ آپ بھی خوش ہو جائیں۔ یہ کہہ سُن دونوں عورتیں پان کھا رخصت ہوئیں۔

جب کسی گھر میں شادی بیاہ رچتا ہے تو روزانہ اسی بات کا چرچا آئے گئے سے ہوا کرتا ہے مشاطائیں بھی آتی ہیں میل ملاپ والے بھی اِدھر اُدھر کی باتیں لاتے ہیں مگر ابھی تک کہیں کی بات پختہ نہیں ہوئی کہیں امیری تھی تو صورت نہ تھی کہیں صورت تھی تو غریبی تھی کہیں ذات میں فرق تھا کہیں لڑکی ان پڑھی تھی کہیں لین دین پر تکرار تھی کوئی چڑھاوا زیادہ مانگتا تھا کہیں جہیز کم تھا کہیں سے ٹپاری کا خرچ لکھوایا جاتا تھا کہیں اقرار نامے کی بحث تھی جب سے لوگوں نے بدمعاملگی شروع کی دو آئیں یہ عجب رسم نکلی ہے کہ ٹپاری کا خرچ لکھوایا جاتا ہے لیکن جو سمجھ دار ہیں وہ کبھی اس لغو طریقے کو پسند نہیں کرتے کہ دس بیس روپیہ مہینا لکھوا اپنے ہاتھ پاؤں بندھوا دیے اور آگے کو رستہ مار دیں۔ اس شرط کے دونوں پہلو خراب۔ اگر میاں بیوی میں نا اتفاقی ہوئی تو اب بتلایئے کہ نالشا نوشی کون کرے اور اگر عدالت تک نوبت پہنچی تو میاں بیوی کا تعلق ہی کیا خاک رہا۔ اگر اتفاق ہوا اور میاں صاحب وقت ہوا تو بیوی کو اقرار کے موافق دس بیس روپلی دے کر ٹرخا دے گا اکیسویں روپیے کو ہاتھ نہ لگانے دے گا۔ اس لیے جو لوگ مآل اندیش ہیں وہ کبھی ایسی بیہودہ شرط یا قول و قرار نہیں کرتے جو صریحاً سے ناممکن العمل ہو جس ملک میں شادی بیاہ جوئے کی

سلہ جو عورتیں لکھی پڑھی نہیں ہوتیں یوں ہی بولتی ہیں۔۱۲

طرح ہار جیت کا معاملہ ہو۔ جہاں دولھا کو دلھن کا اور دلھن کو دولھا کا حال معلوم نہ ہو جہاں دلھن گناہ کی طرح چھپائی جائے اور اُس کی جھلک تک کوئی دیکھ نہ سکے جہاں دونوں ماں باپ کی مرضی پر ایک گاڑی میں جوت دیئے جائیں جہاں ایک کو دوسرے کے عادات و اطوار سے ناواقفیت کلّی ہو جہاں دونوں کی مرضی کا لحاظ نہ ہو اور شرما شرمی ایک کے پلے دوسرا باندھ دیا جائے جہاں سارے کام تقدیر اور توکّل کے بھروسے پر ہوں وہاں اس قسم کی شرط کرنا داخل حماقت ہو۔ ایک جگہ کی بات آئی۔ بیگم صاحب بھی کچھ پھسل گئیں یہاں تک کہ نام نویسی بھی چلی گئی صرف مبارک باد کا رقعہ جانا باقی تھا مگر وہاں یہ فی نکلی کہ دلھن والوں نے ایک اقرار نامہ طلب کیا۔ اول یہ کہ لڑکی کو پردیس نہ لے جائیں دوسرے یہ کہ ناتفاقی ہو تو پچاس روپیہ مہینا دیا کریں تیسرے یہ کہ لڑکی کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کریں اگر کریں تو وہ نکاح باطل اور عورت ثانی مطلّقہ سمجھی جائے یہ اقرار نامہ ایسے گھرانے سے طلب کیا جاتا تھا جو دہلی کے بہت بڑے مولوی اور حاجی اور واعظ اور مفتی تھے

ع چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی[1]

اس کے علاوہ سوا لاکھ روپئے مہر اور نصف جائداد لڑکی کے نام کردیں یہ دو شرطیں بطور دم چھلّے کی لگی ہوئی تھیں۔ بیگم صاحب بے چاری عورت ذات وہ ایسے اونچ نیچ کو کیا جانیں انھوں نے اپنے دیور خورشید مرزا کو بلا بھیجا اور کہا کہ بھائی تم تو اس گھر کی طرف سے ایسے بے خبر ہو گئے کہ جس دن سے تمھارے بھائی اللہ بخشے مرے تم نے آنا جانا ہی کم کردیا گویا اس گھر کو غیر کا گھر سمجھا اور یہ نہ

[1] حب کعبہ سے کفر اٹھ کھڑا ہو تو پھر مسلمانی کہاں باقی رہے گی - ۱۲

سمجھا کہ آخر ہمارا تمہارا اور بڑے صاحب (سردار مرزا) کے سوا اور کون مٹھائی لے دے کے بس یہ دو تن نظر آتے ہیں خدا تم دونوں کو زندہ سلامت رکھے سو وہ اپنے بڑھاپے اور آئے دن کی بیماریوں سے مجبور ہیں آنکھوں دیکھتے اُن کو کیا کہوں پھر بھی وہ بمبئی تک لڑکے کو لینے گئے ہی اور اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے میرا کتنا خون بڑھا کہ اُنھوں نے مجھے سمجھا لو۔ آخر خون کا جوش اپنا بھتیجے کی محبت آئی۔ مگر وہ کیا کریں لاچار[1] ہیں پھر بھی مہینے پندرہ دن پھیرا کرتے ہی رہتے ہیں وہ ٹھیرے بڑے اور میرے بزرگ آج تک مارے لحاظ کے میں نے دُو بدو اُن سے بات نہیں کی مجھے کچھ اُن سے ایسی شرم آتی ہی کہ اُن کے سامنے میری زبان نہیں اُلٹتی۔ رہے تم۔ تم تو میاں میرے آگے کے بچے ہو تم پر میرا ہر طرح کا زور ہی جیسے میاں اقبال ویسے تم۔ تم کو معلوم ہی کہ لڑکے کی بات ابھی تک کہیں نہیں ٹھیری۔ آخر یہ کام کرنا ہی یا نہیں؟ پھر تم نہ کروگے تو کون کرے گا؟ اس لیئے میں نے تم کو بلایا تھا۔ خورشید میرزا بیگم صاحب کی اس واجبی گفتگو کو سن کر بہت نادم ہوئے بھاوج سے بہت کچھ عذر معذرت کی اور آیندہ کے لیئے سب انتظام کرنے کا اچھی طرح وعدہ کیا۔ یہ صاحب بہت خوش سلیقہ اور خوش مذاق تھے۔ ان کو شادی بیاہ مہمان داری خرید و فروخت پخت وپز غرض سب باتوں کا بڑا سلیقہ تھا۔ نواب میرزا صاحب کی زندگی میں بھی سب تقاریب انھیں کے ذریعے سے ہوا کرتی تھیں منجھلے بھائی کے مرنے کے بعد سے یہ آتے تو کس کے پاس آتے ان کے ہم عمر اقبال مرزا

[1] صحیح لفظ ناچار ہی لیکن لاچار ہی بولا جاتا ہی اور جو عورتوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہی وہی لکھا گیا۔ ۱۲۔

تو علی گڈھ میں تھے پھر چلے گئے ولایت وہاں سے آئے تو گوڑ گانوں اپنی نوکری پر رہے۔ زنانخانے میں بلا ضرورت جانے سے ہمیشہ شرماتے اور کسمساتے تھے

اب ایک خاص کام ان کے متعلق کیا گیا تو انھوں نے بھی کمر ہمت باندھی۔
بیگم صاحب۔ میاں تمھارے بھتیجے کی باتیں تو خدا جھوٹ نہ بلوائے بیسیوں جگہ گئیں اور آئیں مگر ہر جگہ کچھ نہ کچھ نقص نکلا اب خدا خدا کر کے مولوی کلیم اللہ کی پوتی کے ہاں بات چیت کچھ جمی تھی تو انھوں نے اپ پاؤں نکالے۔ ایک بڑا لمبا چوڑا مسودہ اقرار نامے کا بھجوایا ہی۔ بھیّا میرا چونڈا سفید ہونے آیا مگر میں نے کہیں شادی بیاہ میں اقرار نامہ وقرار نامہ نہ دیکھا نہ سُنا۔ اب نئے نئے لوگ نئی نئی باتیں ہمارے زمانے میں یہ بکھیڑا کچھ بھی نہ تھا جو زبان سے کہہ دیا وہ پتھر کی لکیر ہو گئی۔ میں عورت ذات بھلا اقرار وقرار کیا جانوں۔ یہ کہہ کر بیگم صاحب نے صندوقچی منگا کر اقرار نامہ نکال دیور کے حوالے کیا۔ یہ لو وہ اقرار نامہ۔ اب تم دیکھ بھال لو۔ لڑکے کو بھی دکھا لو۔ لڑکی ہی تو بہت اچھی لڑکا لکھے تو لکھ دے کل کلاں کو مجھ پر بات نہ آئے کہ اماں نے آگے دے کے دھکا دے دیا۔ وہ خود قاعدہ قانون سے واقف ہیں اُن کی چھانی تھکے جی چاہے لکھیں جی چاہے نہ لکھیں اور ہاں خوب یاد آیا بڑی بات تو اس میں سوا لاکھ روپئے مہر اور آدھی جائداد بھی لڑکی کے نام لکھواتے ہیں۔ مہر تو شاید کچھ کہنے سننے سے گھٹا دیں مگر آخر گھٹائیں گے بھی تو کتنا؟ بہت کریں گے آدھا کر دیں گے۔ وہ بھی مجھے پھر وسواس نہیں کیونکہ مولوی صاحب اپنی بات کے بڑے پکّے ہیں۔ مگر جائداد تو وہ بیچ کھیت لکھوائیں گے آخر مولوی ہیں نا منطق پڑھے ہوئے یہ لوگ بڑے جن ہیں بھلا ان کو کون سمجھائے وہ خود بال کی کھال نکالنے والے ہیں۔

خورشید مرزا نے اقرار نامہ لے کر ایک سرسری نظر سے دیکھا اور کہا کہ اچھا تو میں آداب عرض کرتا ہوں۔ بھائی انوار کے اتوار تو یہاں آتے ہیں اُن کو دکھلا کر گفتگو کرنے کے بعد جو کچھ طے پائے گا آپ سے عرض کروں گا۔ گوڑ گانوہ دہلی سے پاس ہی اقبال مرزا ہر اتوار کو اپنی ماں سے ملنے دہلی آجایا کرتے تھے اُن کے آنے کی خبر پاتے ہی خورشید مرزا بعد نماز عشاء پونہچے کہ تخلیہ میں خوب فرصت سے گفتگو ہو گی۔ اِدھر اُدھر کی بات چیت کے بعد خورشید مرزا نے شادی بیاہ کا ذکر چھیڑا۔ اقبال مرزا اگرچہ انگریزی تعلیم اعلیٰ درجے کی پا چکے تھے اور سونے میں سہاگہ ولایت بھی ہو آئے تھے۔ ہو آئے کیا معنی پانچ برس وہاں رہ چکے تھے۔ عادات اطوار تو درکنار اُن کی طرز وضع تک بھی نہ بدلی تھی نہ وہ نیم کرسٹان تھے نہ اُن کے ہاتھ میں ڈنڈا اور مونھ میں چرٹ ہر وقت رہتا تھا۔ نہ ڈیم فول[1] اُن کا تکیہ کلام تھا۔ انگریزی ٹوپی تو اُنھوں نے خواب میں بھی نہ اوڑھی تھی اِن کا معمولی لباس گھٹنوں سے ذرا نیچا شیروانی سفید فلالین کا پتلون نما پائجامہ یا بعض اوقات پتلون اور وہ بھی ایسا ڈھیلا ڈھالا کہ فرش پر بے تکلف آدمی بیٹھ جائے گیلس[2] لگا کر دونوں کندھے جکڑنا اُنھیں پسند نہ تھا کہ جیسے ٹٹو کو دُمچی پوزی سے جکڑ دیا۔ صرف چمڑے کی پیٹی پتلون پر لگا لیتے تھے۔ رومی ٹوپی اور شوز۔ نکٹائی[3] کی اُلجھن انھیں پسند

[1] لغوی معنی دوزخی بے وقوف کے ہیں بطور گالی کے استعمال ہوتا ہے ۱۲

[2] برسیز بھی کہتے ہیں جو دونوں کندھوں پر لگی ہوتی ہے اور پتلون کو پھسل جانے سے سنبھالے رہتی ہے۔

[3] لغوی معنی گردن کی بندش کوٹ کا گریبان اُلٹ کر بیچ میں جو ایک فیتہ سا باندھتے ہیں جو بجز نمائش کے کسی کام کا نہیں ۱۲

نہ تھی کہ ہزار گردن میں طوق ڈال لیا نہ وہ آڑی ٹیڑھی مانگ نکالتے تھے۔ نہ بالوں کا
وبال پالتے تھے۔ نماز کے وہ بڑے کڑے پابند تھے رمضان شریف کے روزے
اُن سے کبھی قضا نہیں ہوئے۔ باپ کو تو انھوں نے دیکھا ہی نہ تھا ابھی ہوش نہ
سنبھالا تھا کہ وہ دُنیا سے چل بسے ان کو یوں ہی سی صورت یاد تھی جیسے خواب و
خیال البتہ ایک ماں کا دم تھا سو یہ ماں کا اس قدر ادب کرتے تھے اور اتنا ڈرتے
تھے کہ اس زمانے کے لڑکے باپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ کوئی بات ماں کے
خلاف مرضی کرنا تو درکنار پاس ادب اور شرم ولحاظ اس درجے تھا کہ ماں سے
کبھی دُو بدو کیا مجال کہ آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات تو کرلیں۔ انگریزی تعلیم نے ان کی
علمی لیاقت۔ دماغی قوت اور اخلاق بڑھایا تھا نہ کہ ان کو فرعون بے سامان اور صاحب
بہادر بنا دیا تھا۔ نہ یہ شراب پیتے تھے۔ نہ کوئی ممنوع چیز کھاتے تھے۔ نہ اُردو کو توڑ
مروڑ کر بولتے تھے رہنے کو کوٹھی میں تھے مگر ساز وسامان انگریزی اور ہندوستانی
دونوں قسم کا ملا جُلا تھا۔ کھانا کبھی میز پر کھالیا اور دل چاہا تو کبھی دسترخوان پر چھری
کانٹے سے بوقت ضرورت کھا لیتے تھے ورنہ عموماً ہم نے اُن کو ہاتھ سے ہی
کھاتے دیکھا۔ اُن کی بات چیت اور گھریلو لباس سے کوئی یہ بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ
یہ انگریزی پڑھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں تو سات روپلّی کا چپراسی مونچھوں
پر تاؤ دیتے اور غرّانے لگتا ہے لال بانات کی چپراس کا پٹہ اُسے سٹار آف انڈیا کا
تمغہ[1] دکھلائی دیتا ہے۔ آج دس روپیے کا میونسپل کمیٹی (محکمہ صفائی) کا جمعدار حلال خوروں کا ناک
میں دم کردیتا ہے شریفوں کا رستہ بند کردینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پولیس

[1] نجم الہند کے خطاب کے ساتھ ایک پٹہ ملتا ہے جو بطور حمایل گلے میں پڑا رہتا ہے۔ ۱۲

انسپکٹروں اور تحصیلداروں کی بھلی چلائی اُن کا دماغ تو عرشِ معلیٰ پر رہتا ہے اور رہنا بھی چاہیئے سیدھے منہ کسی سے بات کرنا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں ؎

نشۂ دولت کا بداطوار کو جس آن چڑھا سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

مگر واہ رے اقبال مرزا اللہ سب پر ان کا پرچھاواں ڈالے اور الٰہی سب کے لڑکے ان کے قدم بقدم چلیں۔ آدمی تھا یا فرشتہ۔ علم جوانی دولت اور حکومت۔ جس شخص میں یہ چار ہتھیار ہوں اور وہ سنبھلا رہے ہم تو اُسے ہی مرد سمجھتے ہیں ع

گر بہ دولت برسی مست نہ گردی مردی[۱]۔ کیوں نہ ہو شرافت جس کے خمیر میں ہو وہ ایسا ہی ہوگا اور اُسے ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کم ظرف پھٹ پڑتے ہیں اور شریف اور جھک جاتے ہیں۔

نہد شاخ پُرمیوہ سر بر زمیں[۲]

تعلیم کے جس نے سچے معنے سمجھے ہیں اور جس پر تعلیم نے اثر کیا ہے وہ تو ایسا ہی ہوگا۔ کم ظرفوں اور کمینوں کی اور بات ہے۔ تعلیم کیا چیز ہے؟ تعلیم سے قوائے انسانی منجلی اور روشن ہو جاتے ہیں۔ جو جیسا ہوگا تعلیم سے نکھر کر اس کے اصلی جوہر کھل جائیں گے اگر فطرتاً بُرا ہے اور بدتر نکھر ہو جائے گا اگر شریف اور دل کا اچھا ہے تو اس کے صفاتِ حسنہ اور بڑھ جائیں گے۔ اقبال مرزا جب کبھی اپنی شادی۔ بیاہ کا ذکر سنتا تھا تو ایسا شرماجاتا تھا جیسے ہمارے ہاں کی لڑکیاں۔ مگر اس دفعہ ان کو خورشید مرزا نے ایسا شکنجے میں کسا کہ کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑی۔ خورشید مرزا نے بات چھیڑی۔

---

[۱] اگر صاحب دولت ہو کر پھٹ نہ پڑو تو ایک بات ہے [۲] میوہ دار ٹہنی جھک کر زمین کو لگ جاتی ہے۔ ۱۲

خورشید۔ ارے میاں تم بھی عجیب آدمی ہو بندۂ خدا کچھ تو بولو۔ بھلا اب بھی شادی نہ کروگے تو کیا بڑھاپے میں کروگے۔ میری تمھاری عمر میں کچھ زیادہ فرق نہیں مجھ میں تم میں پانچ ہی برس کا تو بڑا چھوٹا پا ہے۔ میری شادی ہو کر ایک زمانہ ہوا۔ خدا کے فضل سے پاؤ درجن بچے بھی ہیں کوئی دن جاتا ہے کہ شرفن (خورشید کی لڑکی) کا شادی بیاہ ہو کر ہم نہ صرف سُسرے بلکہ نانا بھی بن جائیں گے۔ ارے میاں دُنیا کا یہی کارخانہ ہے از آدم تا ایں دم یہی تانتا چلا ہے سچ پوچھو دنیا اسی کا نام ہے کہ بیوی ہو بال بچے ہوں۔ گھر میں چہل پہل اور گھماگھمی ہو۔ کیا تم نے نہیں سُنا جس کی بیوی نہیں اُس کو آرام نہیں۔ آنکہ زن دارد آسایش تن ندارد[۱] تم تو ماشاء اللہ بہت پڑھے ہوئے ہو میں بیچارہ بی۔ اے چھوڑ مڈل پاس بھی نہیں۔ تم کو بھلا میں کیا سمجھا سکتا ہوں۔

اقبال۔ اگرچہ بہ اعتبار رشتے کے آپ میرے چچا ہیں اور عمر کے اعتبار سے بھی آپ بڑے ہیں لیکن چوں کہ ہم دونوں ہمیشہ ہمجولیوں کی طرح رہے ہیں اور لنگوٹیا یار ہیں مجھے آپ سے بہ کشادہ دلی بے تکلفانہ گفتگو کرنے میں کسی قسم کا باک نہیں آپ نے جو اتنا بڑا لکچر دیا میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ تمہید کس بات کی ہے اور خدا خیر کرے دیکھیے اس بلا کی آمد کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کبھی شادی کرنے سے انکار نہیں کیا۔ یعنی میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو تجرد کو دنیا کی شائستگی کا باعث ہوتے ہیں جو مذہباً اور عقلاً دونوں طرح نادرست ہے لیکن ع۔ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔[۲]

۱ جس کے جورو نہیں یوں سمجھو کہ اُسے تن بدن کا آرام نہیں ۲ ہر بات کے لیے ایک وقت موزوں ہوتا ہے جیسے کہ ہر نکتہ کا ایک موقعہ اور محل ہوتا ہے یعنی بات ٹھکانے سر کی اچھی معلوم دیتی ہے۔ ۱۲

میرے ولایت جانے سے پہلے اماں جان نے کچھ ہل چل مچائی تھی بھلا آپ ہی فرمائیے وہ کیا موقع تھا۔ ابھی تو مجھے ولایت سے آئے ہوئے یہ تیسرا ہی مہینا ہے ہیں ٹھکانے سے بیٹھا تک نہیں جو اس طرف توجہ کرتا اور مجھ سے پوچھنے گچھنے صلاح ومشورے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ابا جان کو خداوند تعالیٰ دیر گاہ ہمارے سر پر سلامت رکھے وہ مالک ومختار ہیں جہاں چاہیں اور جب چاہیں اور جس طرح چاہیں کر دیں میرا کام صرف اُن کے حکم کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

خورشید۔" آپ نے جو فرمایا یہ سب کچھ صحیح ہے سعادت مندی کا اقتضا یہی ہے مگر بھائی شادی تمھاری ہوگی یہ کیا بات ہے کہ بے تمھارے پوچھے کر دی جائے آخر تمھاری مرضی اور تمھاری رائے بھی تو معلوم کرنا ضرور ہے"

اقبال " ہاں شادی میری ہوگی یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن مجھ سے صلاح ومشورہ لینے کی اس وجہ سے ضرورت نہیں جب کہ ہم لوگوں میں شادی کا طریقہ ایسا آن ٹھیرا کہ دولھا دلھن دونوں ایک دوسرے سے اجنبی محض ہوتے ہیں اوپر والے کچھ بالائی باتیں پوچھ گچھ کر ایک دوسرے کو چپکا دیتے ہیں تو پھر آپ فرمائیے کہ رائے کس بات پر قائم کی جائے۔ تنہا پیش قاضی روی راضی آئی[۱] رائے تو جب قائم ہوسکے کہ ہم کسی کے پورے حالات سے واقف ہوں ہم کو اُس کے عادات واطوار واخلاق وطرز معاشرت اور لیاقت سے پوری واقفیت ہو اور جب یہ نہیں اور اندھیری کوٹھری کا معاملہ ہے تو بسم اللہ کیجیے جہاں سینگ سمائیں وہاں ٹھیرا دیجیے

[۱] قاعدہ یہ ہے کہ فریقین مقدمہ کی روداد سُن کر فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن یک طرفہ روداد پر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ منصفانہ نہیں ہوتا اسی واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ قاضی کے پاس اکیلے جاؤگے تو راضی خوشی آؤگے یعنی تمھارا کہنا ہی در رہے گا۔ ۱۲

اس میں پوچھا گچھی بالکل تضیع اوقات ہی ع درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔[۱] اللہ اللہ خیر صلاح۔ ع

ہر چہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم[۲]

خورشید اس تقریر سے تو آپ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح انگریزوں میں پردہ نہیں اور وہ بہت سی لڑکیوں میں سے ایک کو ٹٹول لیتے ہیں اور برسوں ان کی اُن کی یک جائی رہتی ہی جسے وہ کورٹ شپ[۳] کہتے ہیں اس کے بعد اپنی پسند کی شادی کرتے ہیں تو کیا آپ بھی اسی طریقے پر شادی کرنی چاہتے ہیں۔ سو جب تک مسلمانوں میں پردہ ہی یہ بات کس طرح ممکن ہی کہ کوئی آپ کو اپنی لڑکی دکھلا دے؟

اقبال میں تو پردے کے خلاف نہیں بلکہ میری رائے میں تو پردہ بہت ضروری اور لازمی ہی گو اس پردے سے جو بہ تقلید ہنود[۴] جاری ہی مجھے اختلاف

---

[۱] اچھے کام میں استخارے کی کیا ضرورت [۲] اب جو کچھ بھی ہو ہم تو کشتی دریا میں ڈال چکے۔ [۳] شادی سے پہلے ایک معقول مدت تک لڑکا اور لڑکی آزاد طور پر ملتے جلتے رہتے ہیں اور ان ملاقاتوں میں ایک دوسرے کے حالات پوری طرح معلوم ہو جاتے ہیں اس زمانے کو کورٹ شپ کہتے ہیں اس میں اگر کچھ پورے اُترے اور ثابت قدم رہے تو شادی ٹھیر جاتی ہی ورنہ یہیں سے انقطاع۔

[۴] پہلے پہل اہل ہنود نے مسلمانوں ہی سے پردہ کی رسم لی لیکن آگے چل کر اس کا دائرہ تنگ کرتے گئے یہاں تک کہ نوبت بایں جا رسید مسلمان بھی اُن کی دیکھا دیکھی رسم و رواج کے پابند اور ہنود کے مقلد بن گئے ہنود تو سنبھل گئے اب اُن میں ایسا گہرا پردہ جو قید کی حد کو پہنچے نہیں ہی مگر مسلمان پرانی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں اور ایسا گہرا پردہ چل پڑا ہی کہ نہ دھرا جائے نہ اُٹھایا جائے ۱۲

کیونکہ شارع مقدس کا حکم یہ نہیں ہے کہ عورتوں کو ایک سرے سے قید میں ڈال دو عرب میں دیکھئے روم میں دیکھئے ایسا پردہ کہاں ہے۔ پردہ ضرور چاہیئے مگر اتنا ہی جتنا کہ خدا و رسول کا حکم ہے۔ اس سے بھی مجھے اتفاق نہیں ہے کہ کوئی اپنی لڑکی کو کیوں دکھا دے گا۔ خود حدیث شریف میں آیا ہے اور مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "تم نے عورت کو بھی دیکھ لیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تم اسے دیکھ لو یوں کہ اس وقت کا دیکھ لینا سزاوار تر ہے کہ تم دونوں میں اُلفت اور اتفاق پیدا کر دے" لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسی ایسی لغو قیدیں لگا دی ہیں کہ وہ میرے اور تمھارے توڑے ٹوٹ نہیں سکتیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ چل کر زمانہ اُس میں خود کوئی اصلاح کرے اور ڈھیل ڈال دے۔ بہ فرض محال اگر مجھے کسی نے اپنی لڑکی کی ایک جھلک دکھا بھی دی تو اُس سے کیا ہوتا ہے اس سے تو صرف صورت شکل کا ایک اندازہ ہو سکتا ہے سو یہ تصویر سے بھی ممکن ہے لیکن میں شکل و صورت کی مطلق پرواہ نہیں کرتا میرے خیال میں صورت اور شکل دونوں باتیں انسان کے اختیار سے خارج ہیں جس کو جیسا خدا نے بنا دیا۔ جبشی کتنا ہی اپنے کور گڑے صابن کی ٹکیوں پر ٹکیاں خرچ کر ڈالے نہ وہ گورا ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا گورا کالا نہیں بن سکتا نکٹا لمبی ستواں ناک والا نہیں ہو سکتا چُندھا سونکھا نہیں بن سکتا۔ علاوہ اس کے جوانی کی بہار چار دن کی چلتی پھرتی چھاؤں ہوتی

بوڑھے ہوئے گئے وہ تکلف شباب کے ❊ اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

آج جن کے حُسن وجمال کا شہرہ ہی کل اُنھیں کو دیکھ لو کہ موسم خزاں ہی جوانی ڈھل گئی چہرے پر نہ وہ ماءالشباب[1] ہی نہ کھنچاؤ نہ وہ رونق بلکہ جھرّیاں پڑ گئی ہیں۔ رنگ جو کندن کی طرح دمک رہا تھا ماند پڑ گیا۔ بالوں میں سفیدی جھلک رہی ہی دانتوں نے رخصت چھوڑ دیں آج نہیں تو کل گر پڑیں گے ؎

رہتی ہی کب بہارِ جوانی تمام عمر ۔ مانند بوئے گل اِدھر آئی اُدھر گئی

پس ایسی عارضی اور زوال پذیر اور نمایشی صفت کا میں متلاشی نہیں۔ ظاہری رنگ و روغن کو لے کر کیا چاٹنا ہی چار ہی دن میں اُس سے سیری ہو جاتی ہی حُسن سیرت کو البتہ کچھ بقا و قیام ہی اور وہی قابل قدر ہی ؎

بشر نے خاک پایا لعل پایا یا گہر پایا ۔ مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اُس نے بھر پایا

میری رائے میں ایک خوبصورت بدمزاج اور بدسلیقہ عورت سے بدصورت خوش مزاج اور خوش سلیقہ بدرجہا بہتر ہی۔ میں بدترین صورت اور خوش ترین سیرت کو پسند کرتا ہوں۔ سیرت کو صورت پر ترجیح دیتا ہوں اور دونوں صفات اگر ہوں تو سبحان اللہ چُپڑی اور دو۔ دو۔ صورت تو کوئی بھی دیکھ سکتا ہی اور اماں جان دکھوا بھی لیں گی مگر اس میں بھی ایک خرابی ہی ہر شخص کا مذاق اور میلان طبع جُدا ہی کوئی لمبے قد کو سرو سے تشبیہ دیتا ہی تو کوئی میانہ قد کا شیدائی ہی۔ کوئی زلفِ سیاہ میں اُلجھا ہوا ہی تو کوئی سنہری بالوں کی چمک دمک پر غلطاں پیچاں ہی کوئی مردمکِ سیاہ کا دل دادہ ہی تو کوئی نیلی پُتلی کا متوالا۔ کوئی سفید دانتوں کی سِلک مروارید کی چمک دمک پر عش عش ہی تو کوئی مستی آلود لب و دنداں اور سُرخی پان پر

[1] جوانی کا پانی۔ جوانی میں چہرے پر جو رونق اور گراہٹ ہوتی ہی اُسے ماءالشباب کہتے ہیں ۱۲-

قربان ہے۔ غرض ہر ملک بلکہ ہر شخص کا مذاق جدا ہے۔ ہر ملکے و ہر رسمے[1]

وَلِلنَّاسِ فِیمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاھِبُ[2]

پس دلھن جو ٹھہرے گی وہ اصل میں بی مشاطہ کی پسند کی ہوگی نہ کہ میری۔ اس لیئے آپ میرے پسند اور ناپسند کی بحث کو ہی اُڑا دیجیے۔ جب صورت شکل کے بالے پڑے ہیں تو سیرت و عادات کا معلوم کرنا تو محال عقل ہے۔ جھلک نہ جھلک دو چار ملاقاتوں میں بھی کسی کے دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔

توان شناخت بیک روز از خصائل مرد کہ تا کجاش رسیدست پایگاہِ علوم

ولے زباطنش ایمن مباش وغرہ مشو کہ خبثِ نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم[3]

پس اس جھمیلے میں کیوں پڑتے ہو اسی پڑھی ہوئی چھری سے ذبح کرو جیسا کہ آج تک ہوتا چلا آیا ہے ویسا ہی کرو۔ میں کون سا ایسا سورما اور انوکھا شخص ہوں کہ میرے لیئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اماں جان سے بڑھ کر میرا سچا خیر خواہ اور میرا چاہنے والا کون ہوگا وہ سیاہ سفید کی مالک ہیں جہاں چاہیں بسم اللہ کریں۔ میں راضی میرا خدا راضی ہم تو تقدیر کے قائل ہیں اور پھر شادی بیاہ کے معاملے میں تو تدبیر کو دخل دینا ہی فضول ہے۔

خورشید۔ بھائی صاحب جس طرح کا بیاہ دیکھ بھال کر چال چلن سے واقفیت حاصل کرکے تم کرنا چاہتے ہو تو بس منہ دھو رکھو وہ تو ہندوستانیوں میں نہ ہوا ہے

[1] ہر ملک کی رسم جدا جدا ہے [2] عشق کے معاملہ میں ہر آدمی کی مت جدا ہے [3] آدمی اس کی عادتوں سے ایک ہی دن میں پہچانا جا سکتا ہے کہ اس کی علمی قابلیت کس درجے کی ہے لیکن اس کے باطن سے بے خوف اور مطمئن نہ ہو کہ خباثتِ نفس برسوں بھی نہیں معلوم ہوتی۔ ۱۲

نہ ہو سکتا ہے۔ بہت بہتر ہوگا کہ تم کوئی میم ڈھونڈھ لو۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا ہو اور میم تو تم کو بہ آسانی مل بھی سکتی ہے۔ ایک تو تم بی۔ اے اور پھر ولایت کے پاس شدہ۔ دوسرے سولین۔ ایسی معقول تنخواہ جو اس زمانے میں ہندوستانی کے لئے معراج ہے اور خدا نے چاہا تو تھوڑے ہی دنوں میں کلٹّر[1] ہو جاؤ گے۔ اور سچ پوچھئے تو صاحب بہادر کا جوڑ تو میم صاحب ہی کا ہوگا۔ رنگ بھی تمھارا گورا چٹا ہے عین مین صاحب معلوم دو گے۔ اور نہ بھی معلوم دو تو اپنے پندار میں تو ضرور جنچو گے۔ ہاتھ بغل میں دبا کر کھلے خزانے میم صاحب کو ٹمٹم پے بٹھا ٹھنڈی[2] سڑک کی سیر کرتے پھرنا تمھارے باوا جان کا بڑا نام ہوگا اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمھارا ولایت جانا عبث اور ہیچ۔

اقبال۔ یہ تو آپ جب کہئے کہ میم سے شادی کرنے کا میں متمنی ہوں اگر میرا ایسا خیال ہوتا تو میں ولایت سے ہی میم نہ لاتا۔ ہمارے جیسے بیسیوں ہندوستانی ولایت سے یہ بلا اپنے گلے باندھ لائے ہیں مگر میاں ہڈی بوٹی سب کھاتے ہیں لیکن گلے میں کوئی نہیں باندھ لیتا۔ میم کا لانا کیا آپ نے منھ کا نوالا اور ہنسی کھیل سمجھا ہے یہاں وہ ایسے ایسے ناک چنے چبوانی ہے کہ توبہ ہی بھلی مثل مشہور ہے کہ بندھا خوب یار رکھتا ہے مجھے کبھی اس کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ شکر خدا کا کہ اللہ نے مجھے اس بلا سے بچایا اور تم یقین جانو کہ اب بھی میرا اس قسم کا ارادہ ہرگز نہیں میں نے تو صرف بات پر بات کہہ دی ہمارے ملک کے شادی بیاہوں کا حال جو تھا وہ کہا ہے نہ تم مجھ سے رائے

---

[1] اصل میں کلکٹر جو ضلع کا اعلیٰ عہدہ دار ہوتا ہے یہاں طعناً کلٹّر کہا گیا ہے اور عموماً جو انگریزی نہیں جانتے وہ کلٹّر ہی کہتے ہیں [2] دلّی میں ٹھنڈی سڑک ہوا خوری کے لئے مخصوص ہے جیسے بعض شہروں میں جکیر کی سڑک ہوتی ہے۔ ۱۲

پوچھنے نہیں آتا ناز ہر اُگلتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں رائے کس بات کی دوں جس کی بابت تم رائے پوچھتے ہو اُسے میں جانتا ہی نہیں تو رائے کیا خاک دوں اور کس برتے پر دوں بس رائے یہی ہے اور یہی ہونی بھی چاہیئے کہ جو رائے پنچوں کی وہی ہماری جس طرح تم مناسب سمجھو کرو کہیں اس جھگڑے کو نبٹاؤ بھی۔

خورشید۔ اچھا تو سنیئے۔ بھابی صاحبہ نے مجھے بلا کر فرمایا ہے کہ اُنھوں نے تمھاری بات ایک جگہ ٹھیرائی ہے اب صرف تمھاری مرضی دریافت کرنی ہے۔

اقبال بھلا ہم بھی تو سنیں کہ کہاں؟

خورشید مولوی کلیم اللہ کی پوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ مولوی صاحب بڑے ذی علم متقی اور واعظ ہیں سارے شہر میں اُن کے وعظ کی دھاک ہے۔ مچھلی والوں کی مسجد[1] میں جمعہ کے جمعہ اُن کا وعظ ہوا کرتا ہے بعد نماز جمعہ ساری خلقت وہیں ٹوٹ پڑتی ہے بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ بھئی کیا وعظ کہتے ہیں سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ عورتوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ قنات کے پیچھے زار و قطار روتی ہیں کوئی تو جوڑی اُتارے دیتی ہے کوئی پازیب اور کوئی روپیہ پیسہ غرض جس کے پاس جو ہوتا ہے فی سبیل اللہ دے دیتی ہے۔ مولوی صاحب کی جادو بیانی عجب کمال کی ہے جناب وہ چاہیں تو آپ کے کپڑے تک اُتروالیں۔ اُن کی زبان میں اللہ نے وہ تاثیر دی ہے کہ آدمی کے دل کو مسخر کر لیتے ہیں۔ اجی جناب یہ تو خدا رسول کے رستے کا کام ہے کون اس میں دل و جان سے قلمے، قدمے، درمے مدد نہ کرے گا۔ کشمیری دروازے اُن کا مدرسہ ہے۔ تمام پنجابی اور کابلی وہاں قرآن شریف اور حدیث پڑھتے ہیں۔ دور دور کے طالب علم آئے

[1] دہلی میں زیر جامع مسجد یہ مسجد ہے۔ ۱۲

ہیں سارے شہر میں اُن کی روٹیاں مقرر ہیں دو آدمی ہمارے ہاں بھی ہر روز دو وقت روٹی لینے آتے ہیں۔ مسجد جو اُنھوں نے ریل کے اسٹیشن کے سامنے بنوائی ہو وہ تم نے بھی دیکھی ہوگی شاہ جہاں کی مسجد کے لگ بھگ ہی کھاتے پیتے خوش گزران ہیں گو تمھاری طرح امیر نہیں نہ اُن کی کہیں سے تنخواہ ہی اُن کا گزر تو توکل پر ہی۔ ہاں تو خیر ہی لڑکی بہت اچھی۔ بھابی جان نے دکھلوا لیا ہی تب تو اُنھوں نے ہامی بھری ورنہ ایسی ویسی بیسیوں باتیں تو آئیں گئیں۔

اقبال ۔ میں نے تو کبھی مولوی صاحب کا وعظ سُنا نہیں ممکن ہی کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ تم کہتے ہو لیکن میں تو ایسے مدرسوں کے بالکل خلاف ہوں جس میں بھیک مانگنے کی تعلیم دی جائے اور ہر سال دس بیس ٹکر گدے اور ملک میں پھیلا دیئے جائیں۔ ایسے طالب العلموں کی مٹی پلید ہی۔ جہاں کوئی مرا وہ پوچھنے۔ جہاں دعوت ہوئی وہ دھکے کھاتے ہیں اور گھُسے جاتے ہیں۔ واہ کیا تعلیم ہی۔ انھیں لوگوں سے قوم ترقی کرے گی؟ اب رہی مسجد تو دہلی میں جس کثرت سے مسجدیں ہیں اُتنے نمازی نہیں۔ یہ بھی روپیہ بے ضرورت لگا یا۔ اس سے تو کوئی قومی مدرسہ بناتے جس میں ضرورتِ زمانہ حال کے موافق تعلیم دی جاتی یا طلبار کا وظیفہ دے کر وہ تعلیم دلاتے جو اُن کے کام آتی۔ پہلے تو قوم مفلس دوسرے اُن کی گاڑھی کمائی کا روپیہ افسوس کہ وہ اس طرح مُلّٹیوں کے ہاتھ سے بے موقعہ برباد کیا گیا۔ حیف صد حیف!

خورشید ۔ یہی تو انگریزی تعلیم اور نیچریٹ کے خیالات کا ثمرہ ہی گو تم نماز روزے کے پابند ہو خدا جانے وہ بھی دل سے یا لوگوں کی دیکھا دیکھی مگر میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے خیالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ اللہ تم کو راہِ راست پر لائے خیر اس بحث

کو جانے دو تم مطلب کی بات کرو۔

اقبال۔ مطلب کی کیا بات؟ بس جہاں تم نے ٹھہرائی ہم نے مان لی۔ وہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں بھیّا ہم تو اندھے ہیں جہاں تم لے جاؤ گے تمھارے پیچھے ٹٹولتے ہوئے چلے جائیں گے۔ پھر چاہے کھائی میں گراؤ یا خندق میں تم جانو تمھارا ایمان جانے

رشتۂ در گردنم افگندہ دوستؔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

خورشید۔ ارے میاں وہ ٹیڑھی کھیر تو ابھی باقی ہی ہے نا۔

اقبال۔ الٰہی خیر! وہ کیا کہہ ڈالو اور جلد کہہ ڈالو۔

خورشید۔ مولوی صاحب یہاں بھی اپنی مولویت سے نہیں چوکتے اور منطق کی سی کٹھ حجتیاں نکالتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ اُن کے خاندان میں شادی بیاہ کے وقت کوئی اقرار نامہ لکھا جایا کرتا ہے اُس کا مسودہ اُنھوں نے بھجوا دیا ہے وہ تم سے لکھوانا چاہتے ہیں میں لایا ہوں۔ تم بھی ایک نظر دیکھ لو تو اچھی بات ہے وہ لکھا جائے تو بات پکّی ہو جائے۔

اقبال مرزا نے وہ اقرار نامہ لیا اور بہ غور پڑھا اور کہا کہ جس طرح میں شادی کرنے پر آمادہ ہوں کیا اسی طرح اس پر بھی مجھ سے دستخط کرائے جائیں گے یا مجھے کوئی حق اس امر کا دیا گیا ہے کہ میں کچھ کہہ سکوں؟

خورشید۔ کہیے اور ضرور کہیے دکھلانے کی غرض بھی تو یہی ہے۔

اقبال۔ پہلے آپ یہ فرمائیے کہ آپ نے بھی کوئی اقرار نامہ لکھا ہے۔

ل دوست نے میرے گلے میں محبت کی ایک ایسی ڈوری ڈال رکھی ہے کہ اُس کے سہارے جدھر چاہتا ہے مجھے گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہے۔ ۱۲

خورشید۔ میری بھلی چلائی میری تمھاری کیا ریس۔ نہ میری سُسرال مولویوں کا گھر زنانہ میں کوئی بڑا عہدہ دار۔ ہماری شادی تو اسی طرح ہوئی جیسے دنیا جہان میں ہوتی ہی۔

اقبال۔ تو یوں کہئیے کہ یہ خط غلامی مجھ ہی سے لکھوایا جاتا ہی ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ[1] باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اول تو مجھے اس اقرار نامے ہی کو دیکھ کر تعجب اور تعجب کے ساتھ حیرت بھی ہوئی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اقرار نامہ اُس گھرانے کی ایجاد بندہ از ہمہ گندہ ہی جو قوم کے دینی پیشوا کہلانے اور احکام شریعت پر چلنے کے مدعی اور دوسروں کے رہنما ہیں تو مجھے اور بھی خلجان ہوتا ہی۔ اب معلوم ہوا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں[2] ناصح خود یافتم کم درجہاں

اگر ایسا اقرار نامہ کسی دُنیا دار کی طرف سے لکھوایا جاتا تو بھی اُسے معذور سمجھتا مگر تعجب تو یہ ہی کہ دلی کے چوٹی کے مولوی اس کے مجوز ہیں ع

چو کُفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی[3]

جب آپ نے مجھے اظہار رائے کا مجاز کیا ہی تو یہ ظاہر ہی کہ ہر شخص اپنی رائے ہیں

---

[1] دریا کے بیچوں بیچ تو مجھے پھنسا دیا ہی اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہی کہ خبردار کہ دامن بھی نہ بھیگنے پائے بھلا یہ بھی کہیں ہو سکتا ہی [2] جیسے دیکھو دوسروں کی نصیحت کے واسطے موجود لیکن اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے دنیا میں کم ہیں [3] جب کعبے ہی سے کفر اُٹھے تو پھر مسلمانی کہاں رہی - ۱۲

آزاد ہی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خواہ مخواہ میری ہی رائے پر عمل کیا جائے نہیں کیا وہی جائے جو اماں جان کی مرضی ہو مگر خیر میری سُن تو لی جائے ؎

من[1] نہ گویم کہ ایں بکن آں کُن　　مصلحت بیں و کار آساں کُن

خورشید۔ نہیں بھائی صاحب اس اقرار نامے پر تو بھابی جان بھی کھٹکی ہیں تب ہی تو تم تک یہ بات آئی ورنہ خود وہ سلٹ لیتیں۔

اقبال۔ نکاح کی شرطیں تو ہم نے سُنی تھیں مگر یہ شرطیں تو ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھیں۔ ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ شرط اول تو میری طرف سے بلا بحث و مباحثہ منظور ہی اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں بسم اللہ ہی غلط پردیس میں وہ نہ بھیجیں دیس میں ہی رکھیں میرا اس میں کیا نقصان ہی وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے ہیں۔ ارے میاں شادی بیاہ کے معنے یہ ہیں کہ مرتے دم تک میاں بیوی میں تفرقہ نہ ہو تب تو شادی شادی ہی ورنہ خانہ بربادی اس زمانے میں تو چالے بھی پورے نہیں پاتے کہ اُٹھاؤ بیوی بکھنا (مقنع) اور گھر سبنھالو اپنا۔ اُدھر ہی سے تقاضا لے چلنے کا شروع نہ ہو تو کہنا۔

وہ زمانہ گیا کہ خلیل خاں فاختہ مارتے تھے۔ اب تو خود عورتیں مردوں کے گلے کا ہار ہو جاتی ہیں۔ بیاہ ہونے کے بعد میکے کے تعلقات خود بخود ضعیف اور سسرال کے اُسی نسبت سے قوی ہوتے جاتے ہیں۔ کون سی لڑکی ماں باپ کے گھر سدا رہی ہی یہ شرط تو لڑکی کے گھر اُجڑ وانے کی ہوئی۔ اصل غرض

[1] میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بات کرو وہ نہ کرو مصلحت دیکھو اور جس بات میں کام آسانی سے ہو وہی کرو۔ ۱۲

جو زن و شوہر کے تعلق سے ہی یعنی باہمی میل جول اور یک جہتی وہ بالکلیہ اس مفارقت میاں بیوی
سے فوت ہوتی ہی۔ جب تک میاں بیوی ایک جا نہ رہیں ایک دوسرے کے حالات
سے واقف نہیں ہو سکتے اور وہ اجنبیت جو دو غیر شخصوں میں قدرتاً ہو جاتی ہی کسی
طرح رفع نہیں ہو سکتی۔ مگر ع ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند[1]۔ ہم کو اس
مباحثے سے کیا غرض۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ شرط کاغذ ہی پر
رہے گی اور اس کی خلاف ورزی کا الزام خود اُن ہی کے سر رہے گا جو اس شرط
کو لکھواتے ہیں۔ ایسا ہی صاحب زادی کو گھٹنے سے لگا کر بٹھانے کا ارمان ہی تو
سرے سے شادی ہی کیوں کرتے ہیں۔ دوسری شرط قبل از مرگ واویلا ہی۔ سوت
نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا کیا بدشگونی اور بدیمنی ہی۔ کہیں شریفوں میں لڑائی جھگڑا
اور ایسی نااتفاقی بھی ہوتی ہی جو حد مفارقت تک پہنچ جائے اور اگر خدانخواستہ
ایسا ہو بھی تو جب میاں بیوی کی اس درجے ناموافقت ہوئی کہ ایک
دوسرے کی صورت سے بے زار ہو گیا تو وہ کم بخت عورت جو شوہر جیسے
سرتاج کو کھو بیٹھے اور جسے اپنا گھر کرنا نصیب نہ ہو (جو عورت کے لیے بجائے
خود ایک بادشاہت ہی) اور زندگی ہی میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائے
تو وہ بے چاری اپنا راج پاٹ اور سہاگ کھو کر چند روپیے ماہانہ بہ طورِ گزارے
کے لے کر کیا خاک آسودہ رہے گی۔ یہی ہم نے مانا۔ تیسری شرط البتہ ٹیڑھی کھیر
ہی اس شرط کو جو لکھوائے اور جو لکھے میری رائے میں دونوں مسلمان نہیں کیوں کہ
دیدہ و دانستہ نصِ قرآنی کے خلاف ہی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

[1] اپنی اپنی مصلحت سب خوب جانتے ہیں۔ ۱۲

کے لیئے چار بیبیاں تک جائز رکھی ہیں۔ مولوی صاحب کو کیا حق ہے کہ وہ حکم الٰہی کو (خاک بدہنم) منسوخ کریں؟ مسلمانوں کی قوم میں جو چار نکاح جائز ہیں اگرچہ اُن میں شرط عدل و انصاف و مساوات ایسی سخت ہے کہ اگر نا ممکن العمل نہیں تو سخت مشکل ضرور ہے پس کوئی سمجھ دار آدمی جسے ذرا بھی تامل اندیشی کی عقل ہے۔ بدوں ضرورت شدید کے اس بلا کو اپنے سر نہ لے گا نہ اپنی بھلی چنگی جان کو اس بکھیڑے میں پھنسائے گا۔ فی زمانہ ایک ہی جورو ناطقہ بند کر دیتی ہے اُسی کی سنبھال مشکل ہے ناک میں دم آجاتا ہے چہ جائیکہ دو دو اور چار چار۔ لیکن آخر خداوند تعالی نے جو یہ حکم دیا ہے ضرور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے فعل[۱] الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ اُس کے کلام پاک میں نعوذ باللہ کوئی فضول یا بیکار بات نہیں ہو سکتی جو بات ہے وہ مصلحت سے خالی نہیں۔ جو لوگ اس مشروط حکم سے نا جائز استفادہ حاصل کریں وہ خود ملزم ہیں لیکن اس سے حکم کی واجبیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ مرد جو عورت کو ذلیل اور حقیر اور بہ قول شخصے پیر کی جوتی سے تشبیہ دیتے ہیں اُن کی دوسری بات ہے وہ دوسرے کے درد دُکھ کی پروا نہیں کرتے آپ بھلے تو جگ بھلا اُن کو اپنے حلوے مانڈے سے کام کوئی جلے تو جلے اور مرے تو مرے وہ نت نئی شادی کر سکتے ہیں۔ جو لوگ عیش پرستی کے واسطے دوسری شادی کرتے ہیں اور پہلی بیوی کی چھاتی پر مونگ دلتے اور اُسے زندہ در گور کر دیتے ہیں اُن کے سینے میں دل نہیں ہوتا بلکہ گوشت کے صندوق میں پتھر کا ٹکڑا ہوتا ہے ایسے لوگ انسانیت سے خارج ہیں اُن میں ہم دردی

---

[۱] حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ۱۲۔

کی بو باس نہیں ہوتی - میری رائے میں تو ایسا نکاحِ ثانی قریب قریب حرام کے ہی
کہ خود بھی تباہ ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی مٹی پلید کرتے ہیں کیا
آپ نے جناب مولوی نذیر احمد صاحب کی کتاب محصنات نہیں دیکھی وہ خاص کر
اسی مسئلے پر لکھی گئی ہے جس میں ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں دو شادیوں
کی برائیوں اور مشکلات کو بتلایا ہے جس کی لوح پر یہ آیۃ درج ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ[۱]
مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ اور جس کا حاصل مطلب یوں نظم کر دیا ہے ؎

ہم معتقد دعویٰ باطل نہیں ہوتے سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

مبتلا کا قصہ پڑھنے کے بعد بھی پھر کوئی ایسا ہی عقل کا دشمن ہوگا کہ اپنی بھلی چنگی
جان کو ایسا روگ لگائے گا جس کا مآل کار اُس کی افسوس ناک موت ہوئی - آخر
میں مبتلا کا مرثیہ ہے جس کے پڑھنے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جس
کا ایک بند یہ ہے ؎

شامت جو اُس کی آئی کیا دوسرا نکاح سمجھا کہ چار شرع پیمبر میں ہیں مباح
آئی نگہ نظر نہ کوئی صورتِ فلاح کیا ہی بُری وہ رائے تھی اور کیسی بد صلاح
فرصت نہ دی پھر اُس کو نزاع وجدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اک اس حلال نے

پس جو سمجھ دار ہیں وہ دیدہ و دانستہ اس بلا میں کیوں پڑنے لگے ہاں
جو دیوانے ہیں اُن کی کہی نہیں جاتی - تاہم بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی
کسی مرض مہلک میں مبتلا ہوتا ہے تو ناچار اُسے اپنا ہاتھ یا پاؤں کٹوانا پڑتا ہے اور

[۱] اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے - ۱۲-

وہ بادلِ ناخواستہ کٹوا تا ہی بجنسہٖ اسی طرح بعض وقت ایسا ہوتا ہی کہ مجبوراً دوسری بیوی کرنی پڑتی ہی اور اس کے کیئے بغیر گریز نہیں ہوتا۔ مثلاً بیوی دائم المرض ہی اور بے کار محض ہی یا یہ کہ وہ بانجھ ہی اُس سے مطلقاً توقع اولاد نہیں تو اب بتلایئے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے شادی کی جو ضرورت انسان کو ہی وہ باقی ہی تو لامحالہ دوسری شادی کرنی پڑے گی۔ سنگ[1] آمد و سخت آمد۔ اصل غرض شادی کی توالد و تناسل و بقائے نسل انسانی ہی جب یہ مقصد فوت ہوا تو دنیا و مافیہا ہیچ ہی بقول شخصے مرگئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود۔ آج مرے کل دوسرا دن جن کا کوئی نام لیوا نہ پانی کا دیوا۔ ایسی حالت میں عقد ثانی لازم و متحتم (ضرور اور لازم) و شرطِ زندگی ہو جاتا ہی۔ گو لاکھ مصیبتیں سر پر آئیں اور زندگی تلخ ہو جائے مگر ایک راحت ایک تمنائے اولاد سب کلفتیں آسان کر دیتی ہی بہت جگہ ایسا ہوا ہی کہ پہلی بیوی سے باوجود علاج و معالجہ اور برسوں انتظار رکھے اولاد نہیں ہوئی ناامیدی و مایوسی کے بعد دوسرا نکاح کیا اکثر اولاد ہو گئی پس بتلایئے کہ ایسی حالت میں نکاح ثانی نہ کرنا گناہ ہی یا کرنا؟ یہ بات دوسری ہی کہ کسی کی قسمت میں اولاد نہ ہو اور باوجود تدابیر کافی ناکامیابی رہے تو ایسی صورتیں شاذ ہیں۔ تاہم انسان کو ہاتھ پاؤں ہلانے ضرور ہیں اَلسَّعیُ مِنّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ[2] شارع مقدس نے ایسی خاص ضرورتوں اور انھیں مشکلات کے رفع کرنے کے لیئے نکاح ثانی کی اجازت دی ہی جو بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہی پس بتلایئے کہ اگر ایسی صورت کسی کو آن بنے تو کیا

[1] یہ مثل مشہور ہی جو ایسے موقعے پر بولی جاتی ہی کہ دل چاہے یا نہ چاہے کسی کام کو مجبوراً کرنا پڑتا ہی۔

[2] کوشش تو ہماری طرف سے ہونی چاہیے۔ رہا کام کا انجام پانا وہ اللہ کے ہاتھ میں ہی۔ ۱۲

مولوی صاحب سے حکم قضا شیم کے موافق اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار کر بیٹھ جائے اگر ایسا اقرار نامہ لکھ بھی دیا جائے تو شرعاً تو یقیناً اُس کی خلاف ورزی کچھ گناہ نہیں نہ ازدواج ثانی کی زوجہ مولوی صاحب کے ڈھکوسلے سے مطلقہ اور حرام قرار پا سکتی ہے اور قانوناً بھی ایسا معاہدہ ناقابل نفاذ ہے۔ آپ خدا لگتی کو یہ تو بتلائیے کہ اگر کوئی شخص ایسا اقرار نامہ لکھ دے اور پھر اُس پر عمل نہ کرے تو فریق ثانی کو کیا چارہ کار باقی ہے؟

فرض کرو کہ عدالت میں نالش کی جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا جیتیں گے یا ہاریں گے۔ جیتنا تو ایک امید موہوم تھا ہم نے مان لیا کہ مولوی صاحب خدا کے ہاں کی تو جواب دہی کر ہی لیں گے کیوں کہ جنت کے ٹھیکہ دار ہیں اور عدالت میں جتوا دیں گے جُرمانہ ہو گا تو سرکاری خزانے میں جائے گا۔ ان کو کیا خاک ملے گا۔ یا غایتہ مافی الباب قید ہو گی تب بھی مٹی کس کی پلید ہو گی اور ناک کس کی کٹے گی؟ شوہر صاحب جرمانے دینے کے بعد یقیناً ایسی جورو کو دُور سے ہی سلام کریں گے اور اگر جورو کی بدولت عزت و آبرو قید میں جا کر سنگئی تو بیوی صاحب بھی قیدی کی جورو کہلائیں گی اُن کے کلنگ کے ٹیکے کو کون مٹائے گا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

خورشید۔ استغفر اللہ توبہ کرو تو یہ ایسی بات ہی کیوں مونہ سے نکالو ع

زن فال بد کا ورد حال بد[1]

[1] بد فالی کی بات مونہ سے نہ نکالو کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ویسا ہی ہو جائے ۱۲۔

اقبال۔ میں نے تو بات پر بات کہہ دی ورنہ میں تو خدا پر صابر و شاکر ہوں ؎

سپردم[1] بہ تو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

اب رہی سوکن کی بات تو تقدیر میں اگر سوکن لکھی ہی تو ہر طرح آئے گی جَفَّ الْقَلَم[2]
بِمَا هُوَ كَائِنٌ اور اگر تقدیر میں نہیں ہی تو کسی کے لائے آ نہیں سکتی ؎

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما — فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما[3]

ان مشروط کے علاوہ آپ نے زبانی معاہدے بھی فرمائے سوا لاکھ روپئے کا مہر سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ رہیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کے۔ کیا مولوی صاحب مہر شرعی و محمدی سے واقف نہیں۔ کیا مولوی صاحب کی بہو بیٹیاں کسے باشد۔ اہل بیت نبوی سے بڑھ کر ہیں۔ ہماری عورتوں کو اُن بیویوں کی لونڈی ہونے کا بھی فخر حاصل نہیں ؎

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم — زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی[4]

اب رواج کی جو کہو تو خیر مہر مثل ہی سہی جو اُن کے خاندان میں ہو۔ پوتی کیا سونے کی چڑیا ہی یا اُس میں سرخاب کا پر لگا ہی جو سوا لاکھ کا مہر بندھوائے ہیں۔ مہر کی اصلی غرض و غایت یہ ہی کہ فوراً ادا کر دیا جائے اور جو ادا نہ ہو سکے وہ مہر مہر ہی

[1] میں نے اپنے مال و متاع کو تمھارے سپرد کر دیا ہی کم و بیش کا حساب تم ہی خوب جانتے ہو [2] جو ہونے والا ہی اس کے لکھنے کے بعد قلم سوکھ جاتی ہی یعنی پھر کچھ لکھا ہی نہیں جاتا [3] خداوند تعالیٰ خود ہمارے کام کا متکفل ہی ایسی حالت میں ہم جو اپنے کام کی فکر کرتے ہیں وہ بے ضرورت ہی بلکہ اُلٹی مضر پڑتی ہی [4] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کے کُتّے سے میں نے اپنی مثال دی تو بھی مجھے ندامت ہی کہ تیری گلی کے کُتّے سے بھی مناسبت دینا داخل بے ادبی ہی ۱۲

نہیں۔ یہیں سوالاکھ اشرفی تو کجا مجھ غریب سے سوالاکھ ٹکے بھی ادا ہونا محال ہی ایسا نکاح شرعی نکاح نہیں ہی۔ ہاں میری حیثیت کے موافق مہر بندھوائیں تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ جائداد کی جو کہو تو میرے نام نو آدھی یا پاؤ کچھ بھی نہیں جو کچھ ہی اماں جان کی ہی ع جامہ[۱] ندارم دامن ازکجا آرم

گو میں جانتا ہوں کہ میں اور ابّا جان کچھ جدا نہیں جو اُن کا ہی وہ میرا اور جو میرا ہی وہ اُن کا۔ لیکن غور سے دیکھو تو یہ شرط بھی محض لغو ہی۔ بہو جب گھر میں آئی وہ اس گھر کی مالک ہی میاں بیوی کا مال کہیں جدا جدا تھوڑی ہوتا ہی شعر

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

نصف جائداد کا کیا مذکور ہی کل انہیں کی ہی۔ میں کیا اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گا اب دیکھو نا شروع شروع ابّا جان نے کون سی جائداد اماں جان کو لکھ دی تھی پھر اب سب انھیں کی ہی یا نہیں۔ پھر لکھوانا پڑھوانا کاہے کا ع

سرود بہ مستاں یاد دہانیدن

خورشید مرزا اس معقول اور مدلل تقریر کا کیا جواب دے سکتے تھے وہ

۱؎ ننگی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا ۲؎ تم جو تھے وہ میں ہو گیا اور میں جو تھا وہ تم میں تمھارا جسم ہو گیا اور تم میری جان گیا اس کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہی کہ میں اور تم جدا جدا ہیں ساجن تم ہم ایک ہیں اور کہن سُنن کو دو ۔ من کو من سے تول لیئے تو دو من کبھو نہ ہو ۳؎ راگ سن کر بعض لوگ بے خود ہو جاتے ہیں کسی مست کو راگ کی یاد دلانا گویا اُسے بے خود کر دینا ہی ۱۲

پہلے ہی سے اس اقرار نامے کے خلاف تھے۔ رات بھی بہت آگئی تھی۔ چاندنی چوک کے گھنٹہ گھر نے گیارہ بجا دیئے تھے اقبال مرزا کے ہاتھ سے کاغذ لے ایک کہی نہ دو دبے پاؤں چلتے ہوئے۔ جاتے جاتے صرف اتنا کہہ گئے کہ اچھا تو میں بھابی جان کو یہی جواب دے دوں گا جو تم نے کہا۔ دوسرے دن خورشید مرزا کو کچھ کام ہو گیا وہ نہیں گئے دن بھر انتظار کرنے کے بعد بیگم صاحب نے ماما کو دوڑایا۔ خورشید مرزا حسب الطلب سر مغرب پہونچے۔ بھابی کو سلام کر بیٹھ گئے اُنھوں نے دعا دی۔

بیگم صاحب کہو بھئی کیا ٹھیری؟

خورشید۔ وہ تو سب طرح آپ کی مرضی کے تابع ہیں۔ جہاں چاہیں آپ کر دیں مگر اقرار نامے کی شرایط دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئے۔

بیگم صاحب میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔ اقرار نامہ دیکھ کر خود میرا ماتھا ٹھنکا تھا وہ تو ماشاء اللہ معاملے مقدمے سے واقف ہیں وہ کیسے آنکھوں دیکھتے جلتی مکھی نگلتے۔ جب وقت کل تم آئے تھے مجھ سے تمھارے آنے کی خبر خدا بخش نے کہلا بھیجی تھی میں بھی زنان خانے کے دروازے کے پاس دیر تک کھڑی رہی اور تمھاری اور لڑکے کی ساری بات چیت سُنتی رہی۔ اب اُس کے دُھرانے کی ضرورت نہیں بس معلوم ہو گیا۔ لاؤ وہ اقرار نامہ مجھے دیدو کہ کل اُن کے ہاں کی عورت آئے گی تو ہیں واپس کر دوں گی۔ ما بہ خیر[۱] شما بخیر سلامت باشند۔

۱؎ ہم اپنے گھر خوش تم اپنے گھر خوش۔ ۱۲

خورشید مرزا بھابی جان - آپ کو ان مولویوں کے گھرانے میں رشتہ ناطہ کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے کیا ساری خدائی انہیں کی ہے۔ اجی دلی شہر غدار ہے اچھی سے اچھی لڑکی چٹکی بجاتے میں مل سکتی ہے اپنی بھلی چنگی جان کو اس مصیبت میں پھنسانا کیا ضرور ہے۔

بیگم اچھا بھئی تمہیں کہیں ڈھونڈھوانا۔

خورشید مرزا میں تو سر آنکھوں سے اس کام کو کرتا مگر یہ کام مردوں کے بس کا نہیں اس کو تو باہر پھرنے والی عورتیں ہی خوب کر سکتی ہیں۔ آپ نے اماجی سے تو کہا ہوتا وہ تو کئی شادیاں کرا چکی ہے

بیگم۔ ہاں میں نے کہہ تو رکھا ہے۔

خورشید مرزا اپنے گھر چلے گئے اور بیگم صاحب اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہیں صبح سویرے ہی مولوی صاحب کے گھر کی چماری بادامو جوتیاں چٹخاتی آ پہنچی اُس نے تو اُن کی دہلیز کی مٹی لے ڈالی تھی۔

چماری - بڑی بیگم سلام۔ مولوی جی کی بیٹی (بیوی) نے تجھے سلام کھبو ہے اور کھیریت (دریافت) بوجھی ہے رُقعے (رقعے) کا جباب (جواب) مانگو ہے اور یہ بو لی ہے (یہ کہا ہے) کہ تُرت (جلدی) آ ئیو۔

بیگم صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صندوقچی منگا کر رقعہ نکال چماری کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ کہہ دیجیو کہ لڑکا اقرار نامہ لکھنے کو راضی نہیں سمجھی نا کیا کہے گی۔

چماری۔ اجی سمجھوں کیوں نا ایسی کیا نےدان (نادان) ہوں تمھیں لوگوں کے دھورے (نزدیک) رہوں ہوں کہہ دیوں گی لَونڈا (لڑکا) کاگج (کاغذ) لکھنے کو نٹ (انکار) گیا بس یو ہی (یہی) نا اور کیا بات

ہو لے بیٹی بی میرا سلام -

گیارھواں باب - لگی لگائی بات چھٹ گئی

زباں سے گر کیا ہے وعدہ تو نے تو یقیں کس کو
نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں

چمارن نے جا کر مولون کو اقرار نامہ واپس دے دیا اُسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ دال میں کچھ کالا ہے آخر وہی ہوا - چماری نے کہا کہ کونڈا کاج لکھنے کو نٹ گیا۔ مولون بھری بیٹھی تھیں کہ بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ لڑکی ہے کہ شیرنی چھاتی پر بیٹھی ہے کہیں بر نہیں جڑتا عمر ہے کہ ڈھلی جاتی ہے - جوان بیٹی کا گھر میں بٹھا رکھنا اچھا نہیں جب دیکھو آئی آوائی بات بگڑ جاتی ہے عجب ٹھس نصیبہ ہے کہ کسی طرح نصیبہ کھلتا ہی نہیں جہاں دیکھو یہ موا اقرار نامہ کھنڈت ڈال دیتا ہے کہ اتنے میں مولوی صاحب مسجد سے ظہر کی نماز پڑھا کر گھر میں تشریف لائے - جاڑوں کے تھے دن صحن میں تخت پر بیٹھ گئے - مولون نے کہا اے لو مبارک! لڑکی کی بات لگی لگائی چھٹ گئی وہاں سے تمھارا اقرار نامہ واپس آگیا جواب دو ٹوک مل گیا - تم کیا کہیں ہونے دو گے تمھاری منطق سے میرا ناک میں دم ہے - لڑکی کو دیکھ دیکھ کر میری چھاتی پھٹی جاتی ہے کہ یہ بوجھ کس طرح اُٹھے گا اور تم ہو کہ لکیر کے فقیر جہاں دیکھو کم بخت اقرار نامہ آن گھستا ہے اور ساری کی کرائی محنت برباد ہو جاتی ہے دیکھئے وہ بھاگوان گھڑی

لہ اصل میں نصیب ہے مگر عورتیں نصیبہ بولتی ہیں - ۱۲

خدا کب لاتا ہی کہ لڑکی بے چاری کا نصیبہ کھُلے۔
مولوی صاحب۔ کیا واہی تباہی بک رہی ہو۔ تم عورتیں ناقصات العقل والدین ہو۔ النساءُ حبالۃُ الشیطانِ[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ اِنَّ کیدَکُنَّ عظیمٌ[2] جو تمھارے کہنے میں آئے اُس کی مٹی پلیدہی۔ خسِرَ الدّنیا والاٰخرۃَ ذالِکَ ھُوَ الخسرانُ المبینُ[3]۔ ارے صاحب تمھارا مطلب کیا ہی۔ آخر کہو تو سہی کیا میں لڑکی کو کوئیں میں دھکا دے دوں یا کسی راہ چلتے کو ہاتھ پکڑا دوں جب ہماری سب لڑکیوں کے نکاح کے وقت ایسے ہی اقرار نامے لکھے گئے ہیں پھر اس کم بخت نے کیا قصور کیا ہی جو اس طرح گھر سے نکالتی ہو۔ ایسی بھی کیا لڑکی دو بھر ہی بیٹھی رہنے دو۔ ع خدا خود میر سامان ست ارباب توکل را۔ اقرار نامہ تو خیر دوسری بات ہی میں تو شروع ہی سے وہاں کے پیغام وسلام سے راضی نہ تھا تم نے میری ایک نہ مانی بس ایمری پر ریجھ گئیں بھلا اُن کا ہمارا کیا جوڑ کہاں ہم کہاں وہ خبیث۔ وہ ولایت جا کر گلا مروڑی مرغی کھا آیا ہی نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھاتا پیتا ہی۔ انگریزی لباس پہنتا ہی۔ مَنْ تشبّہَ بقومٍ فھُوَ منھُم[4] اس کا مذہب کب باقی ہی وہ مردود مسلمان کب ہی وہ خدا رسول کو کیا جانے۔
بیوی۔ وہ زمانہ اور تھا جو تم نے اقرار نامہ لکھوالیا۔ اب اگر کسی کو دنیا بھر میں اور کہیں لڑکی نہ ملے گی تو وہ آفت کا مارا تمھاری طرف رُخ کرے گا ہم نے کسی گھرانے

ا؎ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں ۲؎ کچھ شک نہیں کہ عورتوں کے چلتر بڑے (غضب) کے ہوتے ہیں ۳؎ دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی صریح گھاٹا یہی کہلاتا ہی ۴؎ جب کسی نے دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اُن ہی میں شمار کیا جائیگا۔ ۱۲۔

میں یہ لکھا پڑھی نہیں سنی یہ انوکھی بات تو تم نے ہی نکالی ہے تمہاری جو بات ہے نرالی ہے۔

مولوی صاحب خِرِبز ہو کر رہ گئے اور کچھ جواب نہ دیا اُن کی کٹنی صرف بیوی ہی سے دبتی تھی بہ حالت غیظ وغضب مردانے میں چلے گئے۔ عینک چڑھا جھٹ ایک فتویٰ دھر گھسیٹا کہ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس بات کے کہ زید ولایت گیا اور نصاریٰ کے ملک میں جہاں احکام شرع شریف جاری نہیں ہیں ایک مدت رہا اور نصاریٰ وکفار کے ساتھ اکل وشرب میں شریک رہا اور کرتا ہے اہانت دین متین اور پیشوایانِ دین کی اور ہے وہ درپے تخریب مدارس وبینیہ ومساجد کے۔ آیا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے یا نہیں۔ بَیِّنُوْا تُوجَرُوْا[1] اس فتوے کے نیچے مولوی صاحب کی ایک بڑی بھاری مہر تھی جس نے آدھی جگہ فتوے کی گھیر رکھی تھی اور جس کی عبارت یہ تھی۔ الحاج الحرمین الشریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً ابو العلام محمد کلیم اللہ الحنفی القروینی المکی ثم الدہلوی غفر ذنوبہ وستر عیوبہ المدرس الاول فی مدرسۃ تبلیغ الاسلام الواقعۃ فی بلدۃ الدہلی حرزہا اللہ تعالیٰ عن حوادث الزمان،، فتوے پر مولوی صاحب کا نام نامی ہی کافی تھا مولویوں کی ملی بھگت تھی ہی ع من[2] ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

جس طرح ہائی کورٹ کے جج اکثر اپنے فاضل شریک سے اتفاق کر لیتے ہیں اسی طرح سب مولویوں نے بالاتفاق کفر کا فتویٰ دے دیا کسی نے ہو المجیب مصیب کسی نے ھٰکَذَا فِی کُتُبِ الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ لکھا اور ایک درجن

---

[1] بیان کرو اجر پاؤگے [2] میں تم کو حاجی کہوں تم مجھ کو حاجی کہو۔ ۱۲

مہریں اور ثبت ہو گئیں۔ مولوی صاحب کے پاس انتقام لینے کے لئے کچھ لاؤ لشکر تو تھا ہی نہیں رہا سہا بس یہی ایک تیر اُن کے ترکش میں تھا اس میں وہ بڑے مشاق تھے بیسیوں آدمیوں کو زمرہ اہل اسلام سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک چکے تھے وہ اپنے پندار میں اپنے فتوؤں کو خدائی حکم سمجھتے تھے جس کی نہ اپیل ہو سکتی نہ نگرانی۔ حالاں کہ نہ کوئی مختار نامہ من جانب اللہ اُن کے پاس تھا نہ دین اسلام اُن کی ذاتی ملکیت تھا کہ جس کو چاہا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اقبال فرزا کے پاس بی۔ اے کا ڈپلومہ سول سروس کی سند تھی یہ فتوٰی بھی لمبان چوڑان میں ان دونوں سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ ایک اعتبار سے زیادہ ہی تھا کہ اُن پر ایک ایک مہر گورنمنٹ کی تھی اور اس پر ایک درجن مہریں بڑے بڑے جیّد مولویوں اور علماء کی تھیں۔ اقبال کو بھی اس کی خبر لگ گئی سنگتی بیاہ تو غنت ربود ہو گیا

کفر کا فتوٰی گلے پڑا ع[ا] در گلوئم سنّتِ پیغمبر است

نیچری کہیئے ناسزا کہیئے کہیئے کہیئے مجھے برا کہیئے

اقبال نے اس فتوے کی جس کی تشہیر اخباروں میں کرائی گئی تھی اتنی بھی پرواہ نہیں کی جتنی اُڑو پر سفیدی اُس نے اس فتوی کو تقویم پارینہ یا ردی کاغذ سے زیادہ نہ سمجھا۔

نیک باشی و بدت گوید خلق	بہ کہ بد باشی و نیکت گویند[۲]

چند روز اس کا چرچا جا بجا رہا۔ اقبال سے جب ذکر آیا اُس نے یہی کہا

[ا] میرے گلے میں پیغمبر صاحب کی سنّت رہ گئی [۲] اگر تو نیک ہو اور لوگ تجھے برا کہتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ تو در اصل بد ہو اور لوگ تجھے اچھا کہیں۔ ۱۲

نو بھلا ہی نو بُرا ہو نہیں سکتا ای ذوق ۔ ہ بُرا وہی کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہی
اور اگر تو ہی بُرا ہی تو وہ سچ کہتا ہی ۔ قطعہ ۔ کیوں بُرا کہنے سے اُس کے تو بُرا مانتا ہی

آخر کار بات گئی گذری ہوئی بیگم صاحب بھی بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ کر بہت پچھتائیں اُن کو کیا خبر تھی کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے بیٹے بیٹیوں کے معاملے میں بیسیوں جگہ بات چیت ہوتی مگر کہیں اس طرح ہاتھ دھو کر لڑکی والے پیچھے نہیں پڑ جاتے۔ اب بیگم صاحب کے کان ہوئے کہ مولویوں کے گھرانے کی طرف بھولے سے بھی رُخ نہ کرتی تھیں ان سے تو بھیڑے بھیڑے بدلائی وہی لبر آئے گا جو خود بھی مولوی ہو اور جواب جواب الجواب ردّ الجواب لکھنے پر قادر ہو ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ۔ کبوتر با کبوتر زاغ با زاغ[1]

اچھا ہوا کہ اسی نوبت پر یہ معاملہ درہم برہم ہو گیا ورنہ خدا جانے آگے چل کر کیا جوتیوں میں دال بٹتی ۔ بیگم صاحب بے چاری ہار کر چپ بیٹھ رہیں کئی مہینے اُنھوں نے لمبی تانی سونٹھ کی ناس لے لی۔

بارھواں باب دوسری جگہ بات کا بگڑنا

بزم طرب ہی مژدۂ عیش و سرور ہی
یعنی پیام وصلت غلمان و حور ہی

[1] ایک ہی قسم کے جانور ساتھ ساتھ اُڑا کرتے ہیں۔ کبوتر کے ساتھ کبوتر اور کوّے کے ساتھ کوّے۔ ۱۲

ایک دن بی اماّمی کلّے میں پان ٹھسا دروازے ہی سے مسکراتی ہوئی آئیں بیگم صاحب کو سلام کیا برقعہ اُتار اپنے گھٹنے تلے رکھ پھسڈا مار بیٹھ گئیں۔

بیگم۔ کہو کچھ کہیں کی بات لائیں۔

اماّمی۔ بیگم صاحب وہ کہاوت ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور جن ڈھونڈھا تن پایا اللہ نے میری مراد پوری کی۔ خدا کرے کہ آپ کی بھی پسند آجائے تب بات سو بات۔

بیگم۔ خدا کے لئے جلدی کہو کہ کہاں کی بات لائیں۔

اماّمی۔ آپ کی جان پہچانت کی وہ جو شاہ تارا کی گلی میں امراؤ بیگم رہتی ہیں آپ تو اُن کو جانتی ہیں نا؟

بیگم۔ جاننے کی بھی خوب کہی۔ ای وہ تو اپنوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ مگر اُن کے تو خدا رکھے دو لڑکے ہیں لڑکی تو میری جانمﷺ میں کوئی ہی نہیں۔

اماّمی۔ جی ہاں اُن کے تو کوئی لڑکی نہیں مگر اُن کی سگی بہن شہزادی بیگم کے خدا رکھے ایک چھوڑ دو لڑکیاں چندے آفتاب چندے مہتاب بس کیا بتاؤں بیگم صاحب دونوں لڑکیاں کیسی قبول صورت ہیں میں تو دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو گئی اللہ میاں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے حور ہیں یا پری۔ رنگ دیکھو تو جیسے میدا اور شہاب کتابی چہرہ لمبی سُتواں کتارہ سی ناک کمان دار جُڑواں بھنویں پتلے پتلے ہونٹ ہنسی جیسے موتیوں کی لڑیاں۔ چھوٹا دہانہ بڑی بڑی غلافی کٹورا سی آنکھیں چوڑی پیشانی صراحی دار گردن چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں لمبے

لہ یعنی میرے نزدیک۔ اصل میں میرے جانتے ہیں ہے مگر کثرتِ استعمال سے عورتیں یوں نہیں بولنے لگی ہیں ۱۲

لمبے سیاہ بھنور بال بوٹا سا قد دونوں بہنیں ایک ہی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ ایک کو چھپاؤ ایک کو نکالو اَن جان بھی دیکھتے ہی کہہ دے کہ سگی بہنیں ہیں۔ چھوٹی تو ابھی خدا رکھے نہد اٹھان ہی مگر بڑی ماشاء اللہ سیانی ہی خدا رکھے ماشاء اللہ کوئی تیرہ چودہ برس کی ہوگی۔

بیگم- میں جانوں یہ وہی شہزادہ بیگم ہیں جن کے میاں تحصیل دار تھے بھلا سا نام تھا اس وقت میرے خیال سے اُتر گیا فراش خانے میں رہتے ہیں نا؟

امامی- جی جی وُہی اُن کے میاں کا نام برکت علی خاں ہی تحصیل دار تھے اب تھوڑے دن ہوئے کہ پلسن[۲] لے لی ہی۔

بیگم- اُن کو تو میں خوب جانتی ہوں مگر بات یہ ہی کہ وہ رہیں ہمیشہ پردیس میں اپنے میاں کے ساتھ جہاں جہاں اُن کی نوکری ہوئی دیس بدیس پھرتی رہیں شہر میں وہ بہت کم رہیں اس واسطے مجھے مل کر برسوں ہوگئے اور تم جانتی ہو کہ جب سے نواب صاحب کا انتقال ہوا میں نہ کہیں آنے کی نہ جانے کی میں بھلی گھر بھلا مجھے گھر کے دھندوں ہی سے ایک دم کی فرصت نہیں ملتی گھر سے نکلنا مشکل ہی کہاں کا ملنا اور کہاں کا جُلنا برسوں بھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی۔ ہاں کسی کی شادی بیاہ کی ضروری تقریب ہوئی تو بدرجۂ مجبوری جانا ہی پڑتا ہی وہ بھی اس خیال سے کہ ملنے کے ساتھ کوئی ملتا ہی میرا ٹھیرا کچا ساتھ ابھی خدا رکھے ماشاء اللہ مجھے بھی دو کاج کرنے ہیں۔ لڑکے کا بیاہ تو گویا پھیلا ہی پڑا ہی لگڑی

[۱] اصل لفظ نادان ہی مگر بن پڑھی لکھی عورتیں یوں ہی بولتی ہیں [۲] صحیح لفظ پنشن ہی مگر عورتیں عموماً پلسن ہی بولتی ہیں۔ ۱۲

کی بیل اور لڑکی کی بیل بڑھنے کیا دیر لگتی ہی پیاری بیگم کا اٹھان چشم بدور وہ ابھی
سے جوان معلوم ہوتی ہی۔ لڑکے کی دُلہن لے آؤں تو پھر لڑکی کا سامان کروں
پہلے ہم پنجابی[ل] کے کٹرے میں رہا کرتے تھے میرے کوارپنے کا زمانہ تھا تب اِن دونوں
بہنوں سے میرا بہنا پا تھا۔ اللہ بخشے بڑی اُستانی جی کو اُن کے ہاں ہم سب
لڑکیاں پڑھا کرتی تھیں بڑے ہوگئے بیاہ ہوگئے سب تین تیرہ ہوگئے اپنے اپنے
گھروں کے سب ہوگئے کوئی کدھر کوئی کدھر۔ کبھی شادی بیاہ میں کبھی کبھار کسی سے
ملنا ہوگیا تو ہوگیا۔ ورنہ کون کس سے ملتا ہی۔ اسی سبب سے مجھے یہ بھی خبر نہیں
کہ اللہ رکھے اُن کے دو لڑکیاں ہیں میں نے تو مدتیں ہوئیں ایک دفعہ اُن کی گود
میں پہلوٹی کا ایک لڑکا دیکھا تھا اب تو وہ میرے لڑکے کے برابر ہوگا۔
امامی۔ وہ لڑکا تو اب ماشاءاللہ جوان ہوگیا۔ رہتک میں نائب تحصیل دار ہی اُسی کی
پیٹھ پر کی یہ لڑکی ہی جس کے لیے میں پھڑک رہی ہوں۔ بیگم صاحب یہ دل چاہتا ہی
کہ کسی طرح جادو ہی سے اُس لڑکی کو لاکر آپ کے پہلو میں بٹھا دوں۔ دیکھو اللہ میاں
سب قدرت ہی وہی سُرخ رو کرنے والا ہی اللہ کے صدقے جاؤں جیسی قبول صورت
لڑکی آپ چاہتی تھیں ویسی ہی ملادی۔ آپ دیکھیں گی تو لوٹ جائیں گی۔ ایسی
پیاری پیاری شکل ایسی بھولی بھولی باتیں کہ ہر ایک کو پیار آتا ہی اُن کی ماں بھی ایسی
ملنسار اور خوش مزاج ہیں کہ بس اُن کے پاس سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ای لو گھڑے
کھڑے میں گئی تھی بس گھنٹہ بھر بٹھا لیا اُٹھنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ ہم بے چارے
غریب آدمی کہاں وہ کہاں ہم۔ ہماری اُن کی کیا برابری برابر پان پر پان دیتی رہیں

[ل] یہ وہ مقام ہی جہاں اب دہلی میں ریل کا بڑا اسٹیشن ہی۔ ۱۲

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں اور پھر آنے کی بھی تاکید کردی کہ اچھی پھر ضرور پھیرا کرنا
بیگم صاحب میری تو خاطر جمع ہو آپ بھی کسی اور سے دکھلوا لیجیئے مگر اتنی بات ضرور ہی کہ آپ کے برابر امیر نہیں مگر غریب بھی نہیں لڑکی کے باپ کی سو روپیہ کی پنشن ہی جائداد املاک الگ۔ گھر سجا سجایا اندر باہر نوکر۔ سواری کو گھوڑا گھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہی کسی بات کی کمی نہیں۔

بیگم۔ مجھے تو صرف لڑکی اچھی چاہیئے کسی کی امیری کو لے کر ہمیں کیا کرنا ہی شکر خدا کا اُس نے ہمیں بہت کچھ دیا ہی جب لڑکی یہاں آجائے گی اُس کے لیئے سب کچھ ہو جائے گا مگر یہ تو کہو کہ تم نے اُن سے ابھی کچھ کہا سُنا تو نہیں کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔

اماّمی۔ واہ بیوی واہ آپ نے مجھے کیا ایسا بے وقوف سمجھ لیا ہی بھلا میں کیا دیوانی تھی کہ بلا آپ کی مرضی معلوم کیئے یہ بات زبان سے نکالتی۔ اُنھوں نے پوچھا بھی کہ کیوں ایسے آن نکلیں تو میں نے کہا کہ قلعی گر کے ہاں تقاضے کو آئی تھی اُس موئے نے برتن طیار ہی نہیں کیئے گھڑی بھر ٹھیر جاؤ کہا اس لیئے میں نے کہا کہ اب پلٹ کر اتنی دور گھر کہاں جاؤں تھوڑی دیر ہمیں کہیں ٹک جاؤں۔ آپ کے یہاں چلی آئی میں نے ایسی بات بنائی کہ اُن کو ذرا بھی شبہ نہیں ہوا اور لڑکی میرے سامنے بیٹھی کی بیٹھی رہی بلکہ مجھ سے باتیں بھی کیں۔

بیگم اچھا تو تم اتنا اور کام کرو کہ کل دن جاکر یہ پتہ لگاؤ کہ اڑوس پڑوس میں کس کس کے مکان ہیں۔

اماّمی۔ اے لو یہ کتنی بڑی بات ہی آج شام تک نہیں تو کل صبح سویرے

ان شاء اللہ ضرور پوچھ گچھ کر آپ کو خبر دوں گی۔
دوسرے دن نو نہیں بجے تھے کہ اماں جی نے آکر کہا کہ اُن کے چھوارے تو کوئی ماسٹر صاحب ہیں اُن کا بھلا سا نام کچھ دینا پر ہے مجھ نگوڑی کو بھول گیا اور دیوار بیچ حکیم نجف علی خاں کا گھر ہے یہاں سے کوئی دو پیسے ڈولی بھی نہ ہوگا۔

بیگم۔ بس بس سب کام بن گیا۔ آپ کام مہا کام۔ کسی دوسرے سے میں کیوں دکھلاؤں میں خود ہی جاکر کیوں نہ دیکھ آؤں شنیدہ کے بود مانند دیدہ[1] حکیم جی تو ہمیشہ یہاں آیا کرتے ہیں ہمارے گھر میں ان ہی کا علاج معالجہ ہوتا ہے حکیم محمود خاں کے بعد شہر میں ان ہی کا مطب چمکا ہوا ہے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے میرے سر میں ایسی دھمک تھی کہ بھیجا نکلا پڑتا تھا بس کوئی دو ہی نسخے اُن کے پیئے ہوں گے وہ دن اور آج کا دن اللہ نے فضل کیا حکیم جی کو اللہ نے دست شفا دیا ہے۔ اماں تو اپنے گھر چلی گئیں دوسرے دن صبح بتاشوں کی گلی سے دو روپیہ کے بڑے بڑے صاف شفاف ستھرے برف جیسے اولے ہنول کھانڈ والے کی دکان سے منگوا آٹھ رکابیوں میں چُنا دو خوانوں میں رکھ خوان پوش کس ساتھ لیا خود ڈولی میں سوار ہو حکیم جی کے زنان خانے میں جا اُتریں۔ کہاروں نے آواز دی کہ سواری اُترو الو۔ اندر سے ماما آئی ڈولی کا پردہ اُلٹ کر دیکھا وہ بے چاری نئی نوکر ان کو کیا جانتی تھی حکیم جی کی بیوی کو اُلٹے پاؤں جا کر خبر کی کہ کوئی بیوی آئی ہیں میں تو اُن کو جانتی نہیں۔ ڈولی سے اُتر کر یہ بڑھی ہی تھیں کہ

[1] سنی سنائی بات آنکھوں دیکھی کے برابر کب ہوتی ہے۔ ۱۲

اُدھر سے حکیم جی کی بیوی نے سبقت کی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا گلے ملیں حکیم جی کی بیوی تو ان کو خوب جانتی پہچانتی تھیں۔ بیچ درے میں لے گئیں۔ گاؤ تکیہ مسند لگی ہوئی سفید برف سی چاندنی بچھی ہوئی۔ پٹاری اُگالدان قرینے سے رکھا ہوا فراشی پنکھا لٹکا ہوا تھا دروں میں سبز رنگ کی باریک چلمنیں پڑی تھیں بیگم صاحب کو صدر میں بٹھایا آپ ایک طرف پائیں میں بیٹھ گئیں۔ فراج پُرسی کے بعد۔ خیر تو ہے آپ نے کدھر تکلیف کی؟

بیگم۔ تھوڑے دنوں سے میری طبیعت اچھی نہیں رہتی میں نے کہا کہ تم سے ملے ہوئے بہت دن ہوئے تم کو بھی دیکھ لوں گی اور حکیم جی کو نبض بھی دکھا دوں گی بہ یک کرشمہ دو کار۔ حکیم جی کو اگر بلا بھیجتی تو تم سے نہ مل سکتی اور پھر گھر میں وہ سہولت اور اطمینان سے میرا حال سنیں گے۔ اس لیئے میں نے کہا کہ گھر کیا دور ہے لاؤ میں ہی چلی چلوں۔

حکیم جی کی بیوی۔ اے بُوا بھلا کیا جو تم آگئیں۔ میرا دل بڑا خوش ہوا۔ اتنے میں دو چاریاں خوان لائیں۔ حکیم جی کی بیوی نے اشارہ کیا مُغلانی نے اُتروا لیئے

بیوی۔ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی؟ یہ گھر تو آپ ہی کا ہے کچھ غیر جگہہ تھوڑی تھی۔

بیگم۔ اپنا گھر ہی سمجھ کے تو میں بلا خبر کیئے اچانک آن اُتری۔ مگر بُوا مجھے کہیں [۲] خالی ہاتھ جاتے وہم آتا ہے۔

---

[۱] ایک پنتھ دو کاج [۲] دلّی میں عموماً قاعدہ ہے کہ عورتیں کسی کے گھر خالی ہاتھ جانا بدشگونی سمجھتی ہیں مٹھائی نہیں تو پان ہی لے جاتی ہیں بہر حال کچھ ہونا ضرور ہے۔ ۱۲

بیوی۔ کیا حکیم جی کو مطب سے بلاؤں؟

بیگم۔ نہیں جلدی کیا ہی اُن کو مطب سے فارغ ہو لینے دو۔ دس بجے تو وہ خود ہی گھر میں آجاتے ہیں نا۔

بیوی۔ بہت اچھا۔ مگر میں کہلا بھیجتی ہوں کہ مطب سے اُٹھ کر سیدھے گھر میں ہی آئیں کیونکہ بعض وقت وہ کسی مریض کو دیکھنے بھی چلے جایا کرتے ہیں۔ پھر دونوں بیویوں میں خوب گھُل مل کے باتیں ہونے لگیں باتوں ہی باتوں میں بیگم صاحب نے چند راکر پوچھا کہ بوا یہ دیوار بیچ کس کا مکان ہی کون بیوی ہنتی ہیں؟

بیوی یہ مکان برکت علی خاں صاحب تحصیل دار کا ہی بیچ میں کھڑکی ہی اُن کی بیوی شہزادہ بیگم کچھ ایسی ملنسار ہیں کہ دن میں کئی کئی پھیرے اُن کے ہوتے ہیں اور میں بھی جب جی گھبرایا چلی جاتی ہوں۔

بیگم۔ شہزادہ بیگم سے تو میری بھی جان پہچان ہی۔

بیوی۔ کیا بلواؤں؟

بیگم نہیں نہیں کیوں تکلیف دو۔ حکیم جی کو آلینے دو پھر میں اور تم دونوں چل کر اُن سے مل لیں گے۔ اگر وہ سنیں گی کہ میں یہاں تک آئی تھی اور اُن سے بن ملے چلی گئی تو وہ بُرا مانیں گی۔

دس بجے حکیم جی گھر میں آئے۔ بیگم صاحب کے آنے کی خبر سُن کر فوراً پچھوایا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی مجھے کیوں نہ بلوالیا میں خود حاضر ہو جاتا۔

بیگم۔ آپ کا حرج ہوتا اس خیال سے میں ہی چلی آئی کہ ایک پنتھ دو کاج گھر والی سے بھی مل لوں گی۔

حکیم جی نے نبض دیکھی حال سُنا مرض ورض تو کچھ تھا نہیں ایک ٹھنڈائی کا نسخہ لکھ دیا اور باہر چلے گئے اُن کے جاتے ہی بیگم صاحب اور حکیم جی کی بیوی دونوں شہزادہ بیگم کے ہاں پہنچیں وہ بے چاری بے خبر اپنے گھر میں بیٹھی تھیں حکیم جی کی بیوی کے ساتھ ایک دوسری بیوی کو دیکھ کر سٹپٹا گئیں۔ بڑی لڑکی اُن کے پاس ہی بیٹھی ہوئی ترکاری بنا رہی تھی وہ بھاگ بھی نہ سکی وہیں کی وہیں سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی۔ دلّی میں قاعدہ ہے کہ جان جوان لڑکیوں کو اجنبی عورتوں سے پردہ کراتے ہیں بیاہ برات میں بھی ان کو نہیں لے جاتے مگر اب کیا موقع تھا کہ لڑکی ہٹ جاتی۔ بیگم صاحب کو دیکھتے ہی ذرا سے تامل کے بعد تحصیل دارنی نے پہچان لیا اور کہا کہ اتنی مدت کے بعد آج چاند کدھر نکلا۔ اللہ تم سے ملے تو قرنوں ہوگئے۔

بیگم۔ دیکھو ادھر ہی نکلا۔ حکیم جی کے ہاں آئی تھی میں نے سُنا کہ تم یہیں رہتی ہو دل نہ مانا چلی آئی کہ کھڑے کھڑے تم سے بھی ملتی جاؤں۔ اللہ بی شہزادہ تم بھی بڑی ہی بے مروت ہو یا تو ہمارے تمھارے ایسا گھر اپنا پا تھا کہ دانت کاٹی روٹی ایک تھی۔ دوپٹہ بدل بہنیں تھیں یا تم بالکل اجنبی ہوگئیں۔ کبھی اُلٹ کر خبر بھی نہ لی۔ یہ تو مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ دو پیسے ڈولی پر تم رہتی ہو بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈورا۔ میں تو سو دفعہ خود آتی یا کسی ماما کو بھجواتی مگر میں سمجھی کہ تم اپنے میاں کے ساتھ پردیس میں ہو بھلا شہر میں آنے کے بعد تو خبر کی ہوتی۔

تحصیل دارنی۔ بُوا! کیا کہوں جب سے وہ پنشن لے کر خانہ نشین ہوئے گھر کی کچھ ایسی اُلٹ پلٹ ہوئی کہ ابھی ٹھکانے سے بیٹھی ہی نہیں جو میل ملاپ

والوں سے ملتی ورنہ ہیں اور آپ سے نہ ملتی ہیں تو آپ کا پتہ نکال ہی لیتی ابھی تو شہر میں آئے ہوئے پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے۔
بیگم۔ میں نے جب تم کو دیکھا تھا تو تمھاری گود میں بھی پہلونٹی کا ایک لڑکا تھا اب تو ماشاءاللہ وہ جوان ہو گیا ہو گا کہو اصل خیر سے اور کے بچے ہیں؟
تحصیلدارنی جس لڑکے کو آپ نے میری گود میں دیکھا تھا وہ تو ماشاءاللہ اب رہتک میں نوکر ہے اُس کی پیٹھ پیچھے کی دو لڑکیاں ہیں۔ بڑی تو آپ کے سامنے ہی بیٹھی ہے چھوٹی اُستانی کے ہاں گئی ہوئی ہے اب آتی ہی ہو گی۔ اگرچہ بڑی لڑکی پہلے ہی سلام کر چکی تھی مگر پھر کھڑے ہو کر اُس نے سلام کیا۔ بیگم صاحب نے دعا دی اور کہا کہ میں تو تمہاری خالہ ہوں ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو مجھ سے کیوں شرماتی ہو۔ لڑکی کو اور قریب بلا کر بٹھا لیا اور خوب گھور گھور کر دیکھتی رہیں۔ لڑکی سیدھے سادے لباس میں تھی جو روزمرہ گھر میں پہنا کرتے ہیں۔ کواری لڑکیوں کو فوق البھڑک[۱] کپڑے نہیں پہنائے جاتے نہ وہ بناؤ سنگھار کرتی ہیں ؎

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

کاکریزی ڈوپٹہ۔ لٹھے کا تنگ موری کا پاجامہ۔ لمبی آستینوں کا چکن کا کُرتہ ہاتھوں میں ہٹوں کڑے اور باریک نخیں تھیں۔ پاؤں میں تین تین چاندی کی چوڑیاں گلے میں چنپا کلی۔ اور ٹھسی۔ ناک میں تھی۔ (نتھ چوڑیاں)

[۱] یہ ترکیب غلط ہے مگر لوگوں کی زبان پر یوں ہی چڑھا ہوا ہے۔ فوق۔ عربی۔ بھڑک ٹھیٹ اُردو اس پر الف لام آ نہیں سکتا۔ ۱۲

بیگم صاحب تو دیکھتے ہی لٹو ہو گئیں - پہلی ملاقات میں انھوں نے کچھ ذکر چھیڑنا مناسب نہ سمجھا تھوڑی دیر بیٹھ چلنے کو اٹھیں - حکیم جی کی بیوی نے کہا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے میں تو بلا کھانا کھلائے ہرگز جانے نہ دوں گی - اے لو ایسا بھی کیا غضب ہے کوئی کسی کے گھر سے نوج بھوکا جائے - بیگم صاحب نے بہت کچھ بہانے کیے کہ مجھے یہ کام اور وہ کام ہے اور کئی کروٹیں بدلیں مگر حکیم جی کی بیوی نے ایک نہ مانی - دسترخوان بچھایا گیا دو طرح کے سالن - پراٹھے - ربڑی تھی - ظہر کی نماز کے بعد بیگم صاحب اپنے گھر واپس آئیں - بیگم صاحب تو لڑکی کو دیکھ کر ریجھ گئیں کہ اللہ نے اُن کی دلی مراد دی - شہر میں اگر چراغ لے کر ڈھونڈھتیں تو بھی ایسی لڑکی نہ ملتی - امامی نے جو کچھ کہا تھا اُس سے زیادہ بیگم صاحب نے پایا - بیچ میں ایک ہفتہ ناغہ دے بیگم صاحب پھر پہنچیں اور اب کی دفعہ سیدھی تحصیل دار صاحب کے ہاں اُتریں اُن کی بیوی تاڑ گئیں کچھ نہ کچھ بات ہے جو باسی کڑی میں اُبال آیا اور برسوں کی ملاقات کو تازہ کیا۔

تحصیل دارنی - آپا اللہ جانتا ہے میرا دل تم میں ہی پڑا تھا لڑکیوں کو تو تمھاری چپیتی تھی بھلا ہوا کہ تم آگئیں میرا دل بہت خوش ہوا۔

بیگم - لو الیقین مانتا کہ مجھے بھی ہر وقت تمھارا ہی دھیان تھا آج جاؤں کل جاؤں راوزاسی ارادے میں تھی بھلا اُس دن کی گھڑی بھر کی ملاقات سے کیا دل بھرتا نہ میں نے کچھ اپنے دل کی کہی نہ تمھاری سُنی - اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد بیگم صاحب نے ذکر چھیڑ کر نکالا کہ میں نے سُنا کہ تمھارے لڑکے کی شادی ہو گئی کہو بوا بہو کہاں کی لائیں۔

تحصیل دارنی۔ بُوا میں نے تو اپنا ہنت ہی کی بیٹی لی ہی چچا کی لڑکی۔ لڑکا اور اُس کی دُلہن دونوں رہتک میں ہیں اللہ رکھے بہو ابہد سے ہی خدا ساتھ خیر کے فراغت کرے بچہ بھاگوان گھڑی کا ہو۔ جہاں رہیں خوش رہیں آباد رہیں۔

بیگم۔ اور کہو بڑی لڑکی کا نسبت ناطہ کہیں کیا؟ خدا رکھے ماشاءاللہ یہی عمر شادی بیاہ کی ہی۔

تحصیل دارنی۔ جی نہیں ابھی تو کہیں بھی نہیں۔ باتیں تو بہت سی آئیں مگر لڑکی کے ابا کا یہی کہنا ہی کہ پردیس میں نہ دیں گے۔ جب پنشن لے کر خانہ نشین ہوں گے تب دیکھا جائے گا۔ آپ جانتی ہیں کہ لڑکیوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہی اب شہر میں آئے ہیں کوئی موقعے کی رات ملے گی تو آپ کی دعا سے ان شاءاللہ ہو جائے گی ابھی کچھ جلدی ہی نہیں۔ آپ بھی تو خالہ ہیں آپ بھی خیال رکھیئے۔

بیگم صاحب کو جو دھڑکا تھا کہ کہیں اور لڑکی کی بات ٹھیر نہ گئی ہو تو پھر کرتے دھرتے کچھ بن نہ پڑے گی وہ تو رفع ہو گیا اور دل ہی دل میں خوش ہو گئیں کہ اب کیا مشکل ہی بازی مار لی ہیں تو ان کے اچھے سے بیٹی لے کر ٹلوں دیکھوں وہ کون دفتر ہی جو مجھے بیٹی نہ دے۔

بیگم۔ بوا آج تو میں ایک اپنی غرض تمھارے پاس لائی ہوں۔

تحصیل دارنی (چوکنا ہو کر) آپ اور غرض اور میرے پاس چہ خوش!۔

بیگم۔ جی ہاں میں اور غرض اور تمھارے پاس۔ کیوں دُنیا میں آدمی سے ہی آدمی کا کام پڑتا ہی کبھی گاڑی ناؤ پے اور کبھی ناؤ گاڑی پے۔

تحصیل دارنی۔ تو بسم اللہ فرمایئے وہ ایسا کیا کام ہی جو مجھ ناچیز سے ہو سکتا

ہے؟ آپ کے لیئے تو میری جان بھی حاضر ہی۔

بیگم - بوا تمھاری جان تم کو مبارک - میرا کام تو بس تمھیں سے ہو سکتا ہی - تم قول وقرار کرو تو میں کہوں ایسا نہ ہو کہ میری بات خالی جائے۔

تحصیل دارنی - (تاڑ گیئں کہ ہو نہ ہو لڑکی کا پیغام لائی ہیں) قول وقرار کی تو یہ بات ہی کہ میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میرے بس کی بات ہو تو میں آپ کے کہنے سے کبھی باہر ہوئی ہوں جواب ہوں گی۔

بیگم - اچھا تو سنو - میرا لڑکا تم لو اور اپنی لڑکی مجھے دو بس اسی لیئے میں آئی تھی اور کان کھول کر سن لو کہ میں حیلہ حوالہ سننے والی نہیں ہیں تم سے قول لیئے بغیر یہاں سے ٹلنے والی نہیں۔

تحصیل دارنی - میں آپ کی اور لڑکی بھی آپ کی مگر میں اُس کے باپ سے صلاح ومشورہ بغیر کیا جواب دے سکتی ہوں اُن کو اختیار ہی۔

بیگم - اگر مگر تو میں جانتی نہیں لائیں پھر تیر میر کی باتیں - اجی یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں تمھاری اُن کی مرضی کچھ جدا تھوڑی ہی تم تو ہامی بھر دو میں اُن سے خود نپٹ لوں گی۔

تحصیل دارنی - اے لو میری بھلی چلائی - باپ کے ہوتے میں کون؟ تین میں نہ تیرہ میں نہ سُتلی کی گرہ میں - اللہ رکھے اُس کے باوا کو - اچھا آپ کچھ تو مہلت دیں بیٹا بیٹی کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہتھیلی پر سرسوں جم جائے وہی مثل چٹ منگنی پٹ بیاہ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو ذرا صبر تو کیجیئے آخر میں بھی تو اپنے بڑے بوڑھوں سے پوچھ گچھ کر لوں - ان شاء اللہ میں آج کے آٹھویں دن ہاں ناں کا

جواب دوں گی۔

بیگم۔ میں جواب وواب نہیں جانتی لو اور سنو لگیں آنی کانی کرنے بس لڑکی میری ہو چکی۔ ہاں تم شوق سے پوچھ گچھ لو۔ منع کون کرتا ہے نہ تم نئی نہ میں

یہ کہہ کر بیگم صاحب چلی آئیں اور انوار کو جب اقبال مرزا آئے یہ بات اُن کے کان پر بھی ڈال دی۔ وہ تو اللہ میاں کی گائے تھے ماں کے ہاتھ میں اُن کی گُنجی تھی جدھر چاہتی تھیں موڑ دیتی تھیں۔

تحصیلدار نے میاں سے ذکر کیا۔ میاں جہاں دیدہ آدمی تھے اور اچھی طرح سے ان لوگوں کو جانتے تھے اُنھوں نے کہا کہ اُن کا کیا پوچھنا ہے اُن کی ذات (جماعت) کو کون نہیں جانتا۔ اصل نسل کے مغل ہیں۔ لڑکا جیسا کچھ لایق ہے سارا شہر جانتا ہے اس سے بہتر لڑکا پڑھا لکھا نوکر چاکر مل نہیں سکتا۔ بات تو سب طرح ٹھیک ٹھاک ہے مگر صرف ایک بات مجھے کھٹکتی ہے کہ اُن کا ہمارا جوڑ نہیں وہ بھرے امیر ابن امیر اور ہم بے چارے غریب فقیر ہمارا اُن کا کیا بانیٹا ہے

یا مکن با فیلبانان دوستی[۱]		یا درے افراز بربالائے پیل

اس پر بھی تمہاری مرضی اگر ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔

بیوی۔ میں نے تو سب طرح سوچ سمجھ لیا ہے تب ہی تو تم سے ذکر کیا ورنہ یوں اُٹھا و چولہ تو کئی بانیں آئیں میں نے اس کان سُنا اُس کان اُڑا دیا تم سے ذکر تک

---

[۱] یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ کرو۔ اور اگر کرتے ہو تو پھر اپنے گھر کا دروازہ بھی اتنا بلند کرو کہ اُس میں سے ہاتھی آ جاسکے۔ ۱۲

بھی نہیں کیا۔ امیری غریبی کی جو کہو تو یہ خدا کی دین ہے فقیر اگر شال دوشالے میں مست ہیں تو غریب اپنی کملی ہی میں مگن۔ کوئی مال مست کوئی کھال مست جس نے بیٹی جیسی چیز دے دی وہ کیا اٹھا رکھے گا۔ میں نے یہ مانا کہ ہماری اُن کی برابری نہیں لیکن ہم بھی کچھ ایسے گرے پڑے رو یا خدا یا نہیں کہ کوئی نام دھرے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے اُس نے ہزاروں سے بہتر رکھا ہے کسی کے منگتا تو ہم بھی نہیں۔

آٹھویں دن پھر بیگم صاحب آن موجود ہوئیں۔ آتے ہی اُنھوں نے پوچھا کہ کہو بُوا تمھارے میاں نے کیا کہا؟

تحصیل دارنی۔ اوئی! لوج تم کو تو ایسی بھاگڑ ہے ذرا دم تو لو بیٹھو پان کھاؤ پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔

بھلا بیگم صاحب کو اتنا صبر کہاں تھا اُن کو تو کھل بلی پڑی ہوئی تھی آخرکار اُن سے نہ رہا گیا اُن کی بے چینی دیکھ کر تحصیل دارنی نے بھی کہ اور زیادہ اُن کو شش و پنج میں رکھنا مناسب جانا۔ لہذا پہل تحصیل دارنی ہی نے کی کہ میں تو آپ سے اُسی دن کہہ چکی تھی کہ میں آپ کے حکم سے باہر نہیں مگر بات صاف صاف اچھی ہوتی ہے ہم ٹھیرے غریب اور آپ اللہ رکھے پونڈوں کے امیر یہ کم خواب کے تھان میں گاڑھے کا پیوند کیسے کھپے گا؟

بیگم۔ کیوں مجھے کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ تمھارے جیسے دس پانچ غریب اور شہر میں ہوں تو پھر کیا کہنا ہے۔ بہ تم دنیا داری کی باتیں تو تہہ کر رکھو بس سیدھے سبھاؤ تاریخ ٹھیراؤ کہ لگے ہاتھوں منگنی ہو جائے۔

تحصیلدارنی ۔ ایسی بھی کیا جلدی پڑی ہے جب میں نے زبان دے دی تو بھاگڑ کس بات کی ہے ۔ سنو آپا ۔ میں تو تم کو آج سے نہیں سدا سے اپنی بڑی بہن کی جگہ سمجھتی ہوں اور بڑی بہن بجائے ماں کے ہوتی ہے اور یوں بھی ہر طرح سے اللہ نے آپ کو بڑا بنایا ہے کہ آپ بیٹے والی ہیں اور میں بے چاری بیٹی والی میری ناک تو یوں ہی نیچی ہے ۔ تمھارا لڑکا بھی تم کو مبارک اور لڑکی بھی تم کو مبارک ۔ ہم تو غریب آدمی ہیں اُنگلی لپٹنے کو دھجی ہمارے پاس نہیں تم اپنے گھر کے کپڑے لاؤ اور لڑکی کو پہناؤ اور لے جاؤ میرے پاس دینے لینے کو کچھ نہیں ہے بس خالی خولی لڑکی ہی سو حاضر ہے ۔

بیگم ۔ اچھا اچھا جس طرح تمھارا دل چاہے لڑکی کو بدا (وداع) کرنا میرے آگے بھی اللہ رکھے ابھی ایک کواری لڑکی ہے اور دو کا بیاہ میں بھی کر چکی ہوں میں کچھ ناواقف نہیں ہوں ۔ مجھے صرف تمھاری لڑکی چاہیئے جب لڑکی مل گئی تو سب کچھ مل گیا اور تمھارا کچھ نہیں چاہیئے ۔

تیرھواں باب ـ منگنی

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست ۔ آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید[۱]

سمدھنوں سمدھنوں میں بات چیت پکی ہو گئی ۔ بی اماں کی بن آئی اُن کی پانچوں اُنگلیاں گھی میں تھیں دونوں طرف سے وہی وہ تھیں اور کیوں نہ ہوتیں

[۱] خدا کا شکر ہے کہ جس چیز کی تمنا تھی وہی خوش تقدیری سے پیش آئی ۔ ۱۲

کہ بات اُنھیں کی لگائی ہوئی تھی۔ بیگم صاحب نے دوسرے ہی دن کم خواب کی جھلملاتی تھیلی میں مبارک باد کا رقعہ جو سُرخ سنہری ٹکلیوں دار کاغذ پر لکھا ہوا تھا ایک زری کے رومال میں لپیٹ خوان میں رکھ اُس کے اطراف مصری کے کوزے سُنہری روپہلی ورق لگے ہوئے چُن اور دوسرے خوان میں باقی کوزے جما کر دو خوان جن پر مُطرّق خوان پوش ڈھکے ہوئے تھے سمدھیانے بھجوا دیئے بیگم صاحب کا تو ارادہ تھا کہ منگنی ونگنی کچھ نہ ہو بس نکاح اور وداع ساتھ ہی ہو جائے لیکن آخر بیٹی والوں کو طیاری کے لیئے کچھ وقت ملنا چاہیئے تھا ہتھیلی پر سرسوں کس طرح جم سکتی تھی۔ دُلہن کی ماں نے نہ مانا اور کہلا بھیجا کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے آپا سے کہنا کہ ہم کو بھی اپنی گڑیا کے سنوارنے کو کچھ دن لگیں گے یا نہیں؟ پھر بیگم صاحب نے کہا کہ منگنی کے عوض نکاح ہو جانا چاہیئے وداع تم جب چاہے کرنا۔ دُلہن کی اماں نے یہ بات بھی نہ مانی کہ بہ مقابلہ منگنی کے نکاح میں زیادہ خرچ ہوتا ہے پھر دُھرا خرچ کیا ضرور نکاح میں الگ اور وداع میں جُدا اس لیئے اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ اشرافوں کی ایک ہی بات ہوتی ہے جو زبان سے کہہ دیا بس پتھر کی لکیر ہو گئی دُنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے مگر بات ٹل نہیں سکتی۔ پھر نکاح اب اور وداع جب یہ کیا واہیات ہے شرعاً بھی یہ بدنما ہے نکاح ہو جانے کے بعد رسماً اور رواجاً دولھا دُلہن کو الگ رکھنا صریحاً منشائے حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ نکاح کے بعد کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی اس لیئے اب تو منگنی کر لیجیے ان شاء اللہ زندگی بہ خیر چھ مہینے کے اندر ہی اندر میں وداع کر دوں گی مجھے خود جلدی ہے۔ بیگم صاحب آدمی سمجھ دار تھیں اور بات ٹھکانے کی تھی اُنھوں نے

بہ خوشی مان لیا۔ منگنی کی تاریخ اکیسویں ربیع الثانی جمعہ کے دن ٹھیری زنانے بلاوے پھر گئے۔ منگنی میں مرد تو صرف گھر والے ہی رہتے ہیں جو سواریوں کو اُتروائیں اور کوئی بلائے نہیں جاتے۔ دونوں طرف طیاریاں شروع ہو گئیں گھنٹے والے کی دُکان پر دہی کے حُرمے (بالوشاہی) بننے لگے۔ تاریخ مقررہ پر ڈولیوں پر ڈولیاں اُترنے لگیں۔ ڈولیوں۔ بگھیوں۔ یکوں سے گلی کا راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ گھر میں ٹھسا ٹھس آدمی ایسے بھر گئے کہ تِل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی آٹھ بجے تک سب مہمان جمع ہو گئے۔ اگرچہ منگنی میں قریب قریب کے ہی رشتہ داروں کو بلایا گیا تھا تاہم جس وقت سمدھنیں چلی ہیں گیارہ بگھیاں تو کچھا کھچ سمدھنوں سے بھری تھیں باقی غریبوں اور ماماؤں کے لیئے سات بہلیاں اس کے سوا تھیں۔ مارا مار اور جلدی کرکے بڑی چیخم دھاڑ اور مشکل سے نو بجے رات کو عورتیں روانہ ہوئیں سینیوں میں پانچ من مٹھائی کشتی میں دُلہن کا جوڑا اور چنگیر پاندان میں پھولوں کا گہنا۔ بدھی۔ چار گجرے۔ طُرّے۔ دھگدھگی۔ چمپاکلی۔ کرن پھول۔ ٹیکہ۔ بازوبند۔ ایک چاندی کی ڈبیہ میں سات لقمہ اور سات مصری کی ڈلیاں چاندی کے ورق لپٹے ہوئے چاریوں کے سر پر تھوڑی دیر پہلے ہی دُلہن والوں کے ہاں بھجوا دیئے تھے سب چیزیں دلہن والوں نے منگوالیں بنالیں۔ جوڑے اور چڑھاوے کو دیکھ کر دلہن والے بہت ہی خوش ہوئے کہ منگنی میں جب اس قدر بھاری جوڑا (پاہر لیٹ کا) سنہری جال کا سُرخ دوپٹہ جس میں کرن کے پھول لگے ہوئے تھے اور بہت ہی بھاری مسالا ٹانکا ہوا تھا۔ سبز کمخواب کا بڑے پائینچوں کا پائجامہ جس پر علی جان[1] کے کارخانے کا کارچوبی

[1] دہلی چاندنی چوک میں حاجی علیجان کی بڑی بھاری اور معتبر دکان ہے جس کے ہاں کا مال کھرا اور قیمت ایک ہوتی ہے وہ تو مر گئے اُن کے بیٹے پوتے دُکان چلاتے ہیں مگر دکان مرحوم ہی کے نام سے مشہور ہے اور ساکھ وہی قائم ہے۔ ۱۲

پٹھا سجایا گیا تھا۔سرخ پھلام کا چال دار کرتہ جس کا مصالحہ جھم جھم کر رہا تھا۔مقیش کا گچھے دار ازار بند آیا ہی تو بیاہ کے جوڑے کا کیا کہنا وہ کیا کچھ ہوگا اس کے بعد سمدھنیں اُترنے لگیں۔پنجیوں کی خوب روشنی تھی۔ڈیوڑھی میں چند دُلہن والیاں زرق برق جوڑے پہنے سمدھنوں کی پیشوائی کو کھڑی تھیں۔ایک بیوی چاندی کی کٹوری میں صندل لئے ہوئے سمدھنوں کی پیشانی کو صندل لگا رہی تھیں۔سمدھنوں کے اُترتے اُتراتے ساڑھے دس بج گئے۔سب سمدھنیں گاؤتکیوں سے لگ کر سوزنیوں پر قرینے سے بیٹھ گئیں۔دُلہن کے لانے کا تقاضا شروع ہوا تھوڑی دیر بعد ایک زرنگار مسند بچھائی گئی۔دُلہن کو ان کی چھوٹی خالہ جن کا سہاگ مشہور تھا گود میں لائیں اور مسند پر قبلہ رو بٹھا دیا۔ڈومنیاں پہلے ہی سے گا رہی تھیں۔اب مبارک باد اور سہاگ

لے پائجامے اور دوپٹوں پر بجائے گوٹ کے چوڑا پٹھا علٰحدہ بنا کر ٹانکا جاتا ہی جو وقت ضرورت ایک کپڑے پر سے دوسرے پر اُدھیڑ کر لگا دیا جا سکتا ہی۔

ﷲ جس طرح زچہ خانے کے گیتوں کو زچہ گیریاں کہتے ہیں اُسی طرح شادی بیاہ کے گیتوں کو سہاگ گھوڑیاں کہتے ہیں۔شادی۔بیاہ موت بیت کے رسوم کے متعلق مجھے سلطانہ بیگم صاحبہ اور مولوی سید احمد صاحب دہلوی کی کتاب رسوم دہلی (دونوں کا ایک ہی نام ہی) سے بہت کچھ مدد ملی جس کے لئے میں دونوں صاحبوں کا بہت شکر گزار ہوں۔میں نے رسموں کے متعلق اپنے گھر آنے کی مستورات سے بھی تصحیح کرلی ہی اور بہت سی سہاگ گھوڑیاں اور زچہ گیریاں وہ بھی درج کی ہیں جو ان کتابوں میں نہیں ہیں مگر دلی میں عموماً گائی جاتی ہیں۔

گھوڑیاں گانے لگیں۔ بی حیدری آئی تھیں پھر کیوں کر محفل گرم نہ ہوتی۔ اندھوں میں کانا راجہ۔ شہر کی شادی میں بی حیدری کا دم بھی غنیمت تھا اُن کے ساتھ کوئی آدھی درجن اور بھی تھیں۔ آپ کا دل چاہے تو دو ایک گیت آپ بھی سُن لیں۔

جمے جسم دوری مبارک بادیاں — ہمیشہ دوری مبارک بادیاں
(ہمیشہ)
سب ہی مل دوری مائی مبارک بادیاں — اللہ میاں کے گھر شادی نت نو بلیاں
(بفضل خدا — ہمیشہ مبارک — سب مل کر — بیبیوں)
ہمیشہ دوری مائی مبارک بادیاں

لاڈلی بنو کو میں کیسے بناؤں گی — ہاتھوں مہندی پیروں میں رچاؤں گی
(کیوں کر سنواروں)
سوہا سالو سب ہی رنگ لایو — بنو کو پہناؤں گی لاڈوں کو نچھاؤں گی
(سُرخ — لال کپڑا — رنگ لیا کا)
سر سونے داواری سہرا بر ہے — موتیں مانگ بھراؤں گی
(کا دینا یا لفظاً ہی یا صدقے جاؤں کوئی — موتیوں سے — بھروں)
لاڈلی بنو کو میں کیسے بناؤں گی

کیا ذرا سا بابا نیڑا ڈیوڑھی سے لاگا
(چھوٹا — نزدیک — ڈیوڑھی میرے گھر آیا ہی)
آپ تو کھیلے گیند چلیاں
(پھر گیاں)
اماں میرے کھیلن کی گوڑیاں۔ بانڑا لے بھاگا
(کھیلنے — گڑیاں)
آپ تو کھیلے گیند ری بلّا
اماں میرے کھیلن کی گوڑیاں۔ بانڑا لے بھاگا
(گڑیاں)

لہ بانڑا۔ اور گوڑیاں اس گیت کی لے میں اسی طرح آتا ہے ۱۲

اماں پوچھیں بیٹی سے تیرا کیہا لے بھاگا
اماں میرے کھیلن کا جھنجھا - باندڑا لے بھاگا

دولھا کی دور نزدیک کی بہنیں خالائیں ممانیاں سب دلہن کے گرد جمع ہو گئیں۔ چنگیر[1] پاندان۔ سامنے لاکر رکھا گیا۔ دولھا کی سب سے بڑی بہن نے بدھی نکال کر پہلے سات پتیاں توڑیں اور دلہن کو بدھی پہنائی پھر بیکے بعد دیگرے سب بہنوں نے ایک ایک چیز پہنائی کسی نے گجرا پہنایا۔ کسی نے کرن پھول اس طرح سب نے مل کر پھولوں کا گہنا پہنایا۔ سات سہاگنوں نے ایک ایک ڈلّی مصری کی دلہن کے موتھ میں دی اور ایک لقمہ بڑی بہن نے دیا جو وہیں پاس کے پاس دلہن والیاں رومال میں لیتی گئیں۔ ایک سونے کی انگوٹھی سُرخ رنگ کی داہنے ہاتھ کے کلمے کی اُنگلی میں پہنادی اور ایک چاندی کا چھلا پھر سونے کا زیور۔ چندن ہار۔ کھٹکے۔ بھوج بند۔ پاؤں کے سونے کے چھلے پہنائے دولھا کی اماں نے موتھ دیکھا بلائیں لیں۔ سوا سو روپیہ اور پانچ اشرفیاں دُلہن کے ہاتھ میں دیں پردے کا وہ گہرا اہتمام تھا کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ نو برس کا لڑکا بھی نہ جا سکتا تھا دُلہن ایسی جھکی جھکائی بیٹھی کہ دور سے تو لال کپڑوں کی پوٹ معلوم دیتی تھی جس میں نہ حس ہو نہ حرکت۔ عورتوں نے اس قدر گھیر رکھا تھا کہ وہاں جانا تو جانا تل دھرنے کی جگہ بھی نہ تھی ہاں دھینگا مشتی کرکے کوئی گرتا پڑتا پونہچ جائے تو اُس کی کہی نہیں جاتی۔ عورتوں کی چیخ پکار۔ بچوں کا شور وغل کچھ

[1] شادی بیاہ میں ہار پھول - بدھیاں جس ظرف میں رکھتے ہیں وہ گل دان کی شکل کا ہوتا ہے اُسے چنگیر پاندان کہتے ہیں انگریزی فلاوروار کہلاتا ہے۔ ۱۲

پوچھئیے نہیں کہ کیا اودھم تھی کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی قریب قریب
کے رشتہ دار دُلہن کو چاروں طرف سے اس طرح گھیرے ہوئے تھے جیسے چاند
کے گرد تارے۔ ان کے لباس بجلی کی روشنی میں ایسے جگمگا رہے تھے کہ آنکھ
نہیں ٹھہرتی تھی۔ دولھا کی بڑی بہن (اللہ رکھی بیگم) جن کے سہاگ کی دھوم تھی اور
تھیں بھی وہ بہت خوش حال خدا رکھے میاں ڈپٹی تھے لڑکے کی جگہ لڑکا اور
لڑکی کی جگہ لڑکی گود بھری پڑی تھی اور میاں بیوی چشم بددور شمع وپروانہ
تھے اُنھوں ہی نے دُلہن کا چڑھاوا چڑھایا۔ ریل پیل کی کیا پوچھتے ہو ہر بیوی یہی
چاہتی تھی کہ میں ہی سب سے آگے رہوں۔ لڑکیاں اور بچے ایک ایک کی
ٹانگوں میں گھُسے جاتے تھے۔ ریل کے ٹکٹ گھر میں بھی یہ گڑبڑ اور ہجوم نہ ہوگا
ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ دولھا کی بہن نے جوں ہی گھونگٹ میں موُنھ دیکھنے کو
مونھ ڈالا بیویوں نے کہنا شروع کیا کہ اللہ تمھارے ہی جیسا سہاگ کرے کہ
دلہن کی ایڑی دیکھ دولھا کسی کا مونھ نہ دیکھے۔ اللہ رکھی بیگم نے جو دیکھا تو
مونھ پر سرخ ریشمی رومال چارتہ کیا ہوا دونوں ہاتھوں سے دبا رکھا تھا ٹھوری
گھٹنے پر ٹکی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں مونھ کیا دکھلائی دے۔ گرمی کے دن
اور پھر دلّی کی گرمی اُس پہ بیویوں کا اژدھام الامان الامان اوپر سے بھاری
جوڑا دلہن بے چاری گھُٹی گھُٹائی پسینے میں شور بور تھی۔ اُنھوں نے زبردستی ہاتھ
ہٹائے ٹھوڑی اونچی کی اور اچھی طرح مونھ دیکھ لیا۔ مونھ دیکھتے ہی شاد شاد ہوگئیں
بے اختیار اُن کی زبان سے نکلا۔ الٰہی تیرا شکر۔ چٹاچٹ دُلہن کی بلائیں
لیں اُن کے چہرے پر بشاشت دیکھتے ہی سب کی باچھیں کھِل گئیں۔

اللہ رکھی بیگم نے بے ساختہ کہا ماشاء اللہ چشم بد دور دلہن تو چندے آفتاب چندے مہتاب ہے حور ہے پری ہے ایک بیوی بولیں ارے بی اپنی ایڑی تو دیکھو اُس میں کیا لگا ہے؟ پھر کیا تھا سب ہی نے دلہن کا موٹھ دیکھا عزیزوں نے پچھاور کی لڑکیوں کو تو کھیل ہو گیا تھا کئی کئی دفعہ آکر موٹھ دیکھتی تھیں۔ دُلہن سب ہی کے تو پسند آئی اور کیوں نہ آتی حسن وہ چیز ہے کہ سب کی آنکھوں میں بھلا لگتا ہے اُس پر بناؤ سنگھار۔ ایسی پیاری دُلہن بنی تھی کہ دل یہی چاہتا تھا کہ بس دیکھے ہی جاؤ مگر گرمی کی گھمس اور گھٹاؤ نے بوکھلا دیا۔ دلہن کی خالہ جلدی کر کے دُلہن کو اُٹھا لے گئیں اور سہ دری میں لے جا جلدی جلدی بھاری بھر کم کپڑے بڑھا دیئے۔ اب شربت پلائی کی رسم شروع ہوئی۔ دو چار خوش رو جوان لڑکیاں بھاری بھرکم جوڑے پہنے جو روشنی میں چاندی سونے کا ڈلا معلوم ہوتی تھیں چلبلی شوخ طرّار بلوری کنٹر اور مینا کاری گلاس اور تھالی اور ایک ماما چاندی کی سیلابچی اور آفتابہ لیئے ہوئے آئیں۔ ایک سرے سے شربت پلائی شروع ہوئی ایک لڑکی شربت پلاتی تھی اور ایک سمدھنوں کا موٹھ رومال سے رگڑتی جاتی تھی (یہ بھی مذاق تھا) ماما کلّی کراتی تھی۔ ایک لڑکی سمدھنوں کے گلے میں میوے کے ہار ڈال دیتی تھی آپس میں اور سمدھنوں سے چہل اور مذاق ہوتا چلا جاتا تھا۔ ڈومنیاں شربت پلائی کا گیت گا رہی تھیں۔

پیورے ساجن شربت ہے　　چھنی کے پیالوں شربت ہے
لال رومالوں شربت ہے　　سمدھی کے گھر کا شربت ہے

اس کے بعد خربوزے اور دھنیئے کی گری۔ بن چکنیاں۔ ورق لگی ہوئی

الائچیاں۔ پان زردہ اور چھالیہ لاکر دولھا کی اماں کے سامنے رکھا جو اُن کی ساتھ والیوں نے لے لیا جو گھر واپس آکر سمدھنوں میں تقسیم ہوا۔ ان رسوم سے فارغ ہو کر سواریوں کی جلدی ہونے لگی بعض بیویاں جلدی کر کے ڈولیوں میں بیٹھ آگے آن پونہچیں۔ باقی اُسی طرح گاڑیوں میں ٹھُس ٹھُسا کر آئیں بہتیری جلدی کی مگر لونیتوں کو آخر آدھی رات ہو ہی گئی۔ سمدھنوں کے جاتے ہی دولھا کو نشان چڑھانے کی طیاری شروع ہوئی تحصیل دارنی نے اپنے اور دلہن کے بھائیوں کو سمدھیانے بھیجا۔ دولھا کا پھولوں کا گہنا۔ مصری کی ڈلیاں اور لقیاں سونے کی سبز رنگ کی انگوٹھی چاندی کا چھلا چنگیر پان دان میں بھجوا دیا۔ دو بجے یہ لوگ نشان لے کر آئے انگوٹھی نوبت بھاری تھی اُس میں ایک بیش قیمت زمرد جڑا ہوا تھا۔ دو ڈھائی سو روپئے سے کم کی نہ ہو گی دولھا کے ہاتھ میں پونے دو سو روپیہ اور گیارہ اشرفیاں رکھیں ادائے رسوم کے بعد دلھن والے واپس ہوئے جب باہر دولھا کو نشان آیا تو گھر میں کھانا کھایا جا رہا تھا۔ دوسرے دن صبح کو دولھا کے حصے کی ڈیڑھ من مٹھائی اور خالی خوانوں اور کشتیوں میں ترکاری آئی جو کنبے میں تقسیم ہوئی بحمداللہ منگنی کی تقریب بخیر وخوبی ختم ہوئی۔

چودھواں باب جہیز کی طیاری

یوں تو بیاہ کی طیاری پہلے ہی سے ہو رہی تھی منگنی کے بعد سے اور جلدی ہونے لگی۔ دلہن کی ماں غافل نہ تھیں جو سٹپٹا جائیں وہ آج سے

لڑکی کا جہیز مدتوں پہلے سے اس طرح طیار کر رہی تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ تھی ورنہ عین وقت پر ایک دم سے کیا ہو سکتا ہو۔ جب موقع ملا وہ عمدہ عمدہ کپڑے جمع کرتی رہیں جب کوئی موقعہ کی چیز ملی اُنھوں نے لے لی۔ جب کسیرا بولا تھوڑے تھوڑے کرکے بدفعات بہت سے برتن خرید لئے۔ چینی کے برتن بھی بہ تدریج تحصیل دار صاحب نے جمع کر لئے تھے بھُیوں پھُیوں تالاب بھر جاتا ہو۔ اس طرح بہت کچھ سامان ہو چکا تھا سب ملا کر دیکھو تو آدھے سے زیادہ جہیز طیار تھا حساب لگاؤ تو ایک بڑی رقم کا بوجھ سر پر سے اُتر گیا تھا یہ دُلہن کی ماں کا ہی سلیقہ تھا ورنہ تحصیل دار صاحب کو اس وقت کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی۔ اب تو صرف کاٹ کباڑ اور متفرق سامان باقی رہ گیا تھا۔ بات ٹھہرتے ہی پائے والوں سے محمدی بیگ نقاش کو بُلا کر تحصیل دار صاحب نے دو بڑے صندوقوں چار پیٹیوں گھڑونچی پٹکن۔ نماز کی چوکی۔ طشت چوکی وغیرہ چوبی سامان کی فرمایش کر دی۔ پلنگ کے چاندی کے پائے تو پہلے ہی سے تحصیل دار صاحب نے بنوا لئے تھے چھپر کھٹ کی طیاری کو کہہ دیا۔ تانبے کے پائے اور ڈنڈے بننے کو دے دیئے دہلی کے پیشہ ور لوگ وعدے کے بڑے جھوٹے ہوتے ہیں آج کل آج کل کرکے مہینوں جھلاتے ہیں تحصیل دار صاحب نے دُکان پر ایک اپنا آدمی خاص اسی کام پر مقرر کر دیا۔ آپ بھی جمعہ کے جمعہ جب جامع مسجد کو جاتے تھے واپسی کے وقت خبر لے لیا کرتے تھے۔ دو ہی مہینے میں سب سامان طیار ہو کر گھر آگیا صرف چھپر کھٹ کے پایوں اور ڈنڈوں پر چاندی کی قلعی باقی تھی وہ بھی دریبے میں ملمع ساز کے ہاں کرالی گئی۔ چھپر کھٹ کا پردہ گلابی ریشمین ململ کا جس پر سبز

گورنمنٹ کی چوڑی گوٹ تھی اور دھنک کی جُھریاں ٹکی ہوئی تھیں طیار ہو گیا۔ توشک کا کپڑا بدری بزاز[له] کی دکان سے لیا گیا جو سن کا پٹی دار نہایت خوش نما تھا۔ تکیئے بھی اُسی کے تھے۔ لحاف اعظم گڑھ کے لٹھر کے تھانوں کا تھا۔ یہ تھان تو تحصیل دار صاحب کی بیوی نے اُسی وقت لے کر ڈال دیئے تھے جب کہ وہ اعظم گڑھ میں تھیں۔ اس وقت تو مفت معلوم ہوئے۔ وہ فرمایشی بنے ہوئے تھے ایسے عمدہ تھان تو دہلی میں ملتے بھی نہیں۔ سیج بند کلابتونی جیسے سونے کا ڈلا حاجی علی جان کے ہاں کے بنے ہوئے تھے۔ نواڑ رنگین پٹاپٹی کی پلنگ پوش فرخ آباد کا چھپا ہوا۔ غرض اس طرح دو حصّے جہیز تو گویا طیار ہی تھا۔ ایک دن تحصیل دار صاحب بدری کو کہہ آئے کہ بھگت جی لڑکی کی شادی ہے کسی ملیم (نیب) کے ہاتھ تھوڑے کپڑا بھجوا دینا۔

بھگت جی۔ حضور کی صاحب زادی کی شادی ہے! ہم تو اسی دن کی آس منا رہے تھے بھگوان مبارک کرے آپ چلیئے آپ کے پیچھے ہی بہنگیاں بھجوا دیتا ہوں۔

تحصیل دار صاحب کے گھر پونہچتے پونہچتے بدری کا لڑکا چار بہنگیاں عمدہ عمدہ کپڑوں کی لے آن پونہچا۔ بیسیوں قسم کے رنگ برنگ کے بیش قیمت طرح دار کپڑے تھے کہ دیکھتے ہی دل لوٹ پوٹ ہو جائے۔ بزاز بھی بڑا ہوشیار تھا۔ اُس نے بھی چُن چُن کر بڑھیا کپڑے بھجوائے۔ سب تھان

له بدری چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر کے محاذی ایک مشہور بزاز کا نام ہے دلّی کی عورتوں کی زبان پر بجاز چڑھا ہوا ہے۔ ۱۲

اندر زنانے میں گئے۔ وہاں دلہن کی خالہ ممانیاں وغیرہ قریب کی رشتہ دار موجود تھیں۔ بیاہ ہی پھیلا ہوا تھا کئی کئی مہینہ سے جگھٹا رہتا تھا۔ سینا پرونا کترنیونت دن رات یہی مشغلہ تھا سب نے پسند کر کے کپڑے خریدے۔ دام کی تو تکرار تھی ہی نہیں کیونکہ بدری ایک مولا ہے مال اُس کے ہاں نہ درز بنا سارے شہر سے بہتر قیمت بھی واجبی نہ پیسہ ادھر نہ اُدھر۔ شہر بھر میں جہاں چاہے دریافت کر لو۔ اگر کہیں ایک پیسہ بھی کم ملے تو اُترا ہوا کپڑا واپس کر دو۔ ایک دو گھنٹے میں ہزار بارہ سو روپیہ کا سودا ہو گیا۔ سلنے کی کیا دیر تھی۔ دُلہن کی ماں خالائیں ممانیاں اور کون کون سب ہی موجود تھے پھر شہر میں مغلانیوں کی کیا کمی تھی بس فوراً سارے گھر میں کام پھیل گیا مصالحہ اکبر بیگ کے ہاں سے آگیا۔ پٹلے اور چوڑے پٹھے۔ توئی۔ کرن۔ چمپا۔ طرح طرح کی ٹیکیں۔ ہنی جان بمبئی کی گنگاجمنی بانکڑیاں چٹکی کے گوکھرو کے لچھے۔ پکا گوکھرو۔ لچکا۔ سلمہ ستارے مقیش تیلیون خیاطہ۔ طرح طرح کے کنارے انواع و اقسام کی بیلیں سب ہی سامان بہ افراط آگیا۔ دلی شہر میں کس چیز کی کمی ہے سارا کھیل روپیہ کا ہے چٹکی بجاتے ہی سب موجود دیکھ لیجئے تحصیلدار صاحب نے اپنی کمائی کس دن کے لئے جمع کی تھی۔ لڑکی اُن کو ازبس عزیز تھی وہ پہلے ہی سے اس بات پر آمادہ تھے کہ اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے کروں گا اور خوب دل کے ارمان نکالوں گا۔ اس پر دُلہن کی ماں کا اصرار اور اس بات کا خیال کہ بڑے گھرانے میں لڑکی جا رہی ہے کسی بات میں ہیٹی نہ ہو کچھ بھی ہو مگر ناک اونچی رہے۔

تحصیل دار صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ شادی کچھ بار بار نہیں رچتی اگر کیا جائے تو اس طرح کہ چار میں واہ واہ ہو ورنہ اس سے تو نہ کرنا بہتر ہے کہ لوگ تھڑی تھڑی کریں اور نام دھریں۔ رہی دوسری لڑکی ابھی تو وہ کیڑا ہے ابھی اُسے کس نے دیکھا جب اُس کا وقت آئے گا اللہ اُس کے نصیب سے دے گا۔ اس قدر گھر اگ پھیلا ہوا دیکھ کر تحصیل دار صاحب بعض وقت گھبرا اُٹھتے تھے مگر بیوی کے ڈر کے مارے دم نہ مار و شکر گزار و کان نہیں ہلا سکتے تھے اگر کبھی کچھ بول بھی اُٹھے تو بیوی نے اُن کو ایک ڈانٹ بتائی کہ اس بات کو مرد کیا جانیں اس کو عورتیں ہی کچھ خوب جانتی ہیں۔ میں کیا تمہاری دشمن ہوں جو تمہارا روپیہ آگے دے کر لٹوا دوں گی لیکن یہ بھی ہو نہیں سکتی کہ لڑکی کو ننگی بُچی بیاہ دوں چار میں اپنے نام کی ہنسائی کراؤں اور لڑکی کو ساری عمر طعنوں سے گودا جائے سوا الگ تحصیل دار صاحب جب داماد کی طرف خیال کرتے تھے تو اُن کو یہ طیاری کچھ بے جا نہ معلوم دیتی تھی اور لڑکی کی طرف دیکھتے تھے تو بھی اُن کا دل یہی چاہتا تھا کہ چاہے بِک جاؤں مگر اس لڑکی تو اچھی طرح بیاہوں گا تحصیل دار صاحب نے اپنی چہیتی اور لاڈلی بیٹی کو اپنی بساط سے زیادہ تعلیم دلائی تھی معمولی سینے پرونے کاڑھنے پکانے ریندھنے کے علاوہ جو سب بہو بیٹیوں کو آتا ہے اس لڑکی کو ہمجولوں سے ہر طرح کا انگریزی کاڑھنا اُن کے جھول پتے۔ گلو بند اور جرابیں سب ہی کچھ سکھوایا تھا۔ روزمرہ کے کھانے پکانے میں تو وہ بچپنے ہی سے مشاق تھی کہ مہند کلھیا پکا پکا کر ہاتھ منجھ گیا تھا۔ اپنے شوق اور کتابوں کی مدد سے اُس نے دس پانچ طرح کے انگریزی

کھانے پکانے بھی سیکھ لیئے تھے۔ اُردو کی سب متداول کتابیں وہ پڑھ چکی تھی۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب کی کتابوں کا پورا سیٹ اُس کے پیش نظر تھا محمدی بیگم صاحبہ اڈیٹر تہذیب النسواں کی سب کتابیں وہ دیکھ چکی تھی غرض جو نئی کتاب عورتوں کے مفید ہوتی وہ ضرور منگاتی۔ اس طرح اُس کا کتب خانہ بہت عمدہ کتابوں سے آراستہ ہو گیا تھا اور سب کتابیں عمدہ طور پر مجلد بندھی ہوئی اُن پر سنہری حرفوں میں نام لکھے ہوئے بعض پر جھنڈیاں لگی ہوئیں شیشے کی الماری میں چنی رہا کرتی تھیں۔ خط بھی اُس کا اگر بہت عمدہ نستعلیق نہ تھا تو بُرا بھی نہ تھا۔ اربعہ تناسبہ تک حساب آتا تھا انگریزی کی شُدبُد بھی تار بے تکلف پڑھ لیا کرتی تھی۔ رومن تو اچھی طرح لکھ لیتی تھی غرض یہ کہ عام معلومات علمی ایسی تھی کہ فی زمانناً ہماری عورتوں میں اس مجموعی قابلیت کی لڑکی چراغ لے کر ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گی۔ ہم نے بارہا اس کے مضمون تہذیب النسواں اور خاتون میں دیکھے ہیں اُس سے ہم کو اس لڑکی کی لیاقت اور واقفیت عامّہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اب خدا کا شکر ہے کہ اُس کی شادی ایسی اچھی جگہ ہو رہی ہے جو خود اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ ہے ع قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری[۱]

ہے آبرو سخن کی سخن سنج کے حضور
آگاہ لطف شعر سے ہیں صاحب شعور

روشن کلیم پر ہے فروغ چراغ طور
دونا ہے آئینہ میں رُخ مہوشاں کا نور

نیساں گرے زمین پہ تو مٹی خراب ہو
قطرہ گرے صدف میں تو دُرِّ خوش آب ہو

انسان ہو لاکھ لاکھ بشر لاکھ نکتہ داں
رنگیں سخن ہزار ہزاروں ہی خوش بیاں

[۱] جواہرات کی قدر تو بادشاہ جانتا ہے یا جوہری، ہر شخص کیا جان سکتا ہے شیخ کیا جانے صابن کا بھاؤ

بینا اگر نہ ہو تو سخن خود ہی رائگاں	بے لطف ہے سخن جو نہ ہو کوئی نکتہ داں
بے کار ہے ریاض جو حاصل ثمر نہیں	عنبر بھی خاک ہے کوئی خواہاں اگر نہیں

عجب نہیں کہ شادی ہونے کے بعد یہ ہونہار لڑکی اور ترقی کرے۔ لڑکی کو اس کی ماں نے ایسا اُٹھایا تھا کہ الٰہی دنیا جہان کی لڑکیوں پر اس کا پرچھاواں پڑے۔ لڑکی اگرچہ ماں باپ کی بے انتہا چہیتی اور لاڈلی اور نازوں کی پلی ہوئی تھی اور وہ اس کا دل کسی طرح میلا نہ ہونے دیتے تھے مگر بے وقوفی کی چاہت اور جہالت کا لاڈ پیار نہ تھا بچپنے سے ہی اُفتاد ڈالی گئی تھی ایسی کہ سبحان اللہ نہ کسی سے لڑائی نہ جھگڑا نہ شرارت نہ ضد نہ ہٹ۔ ماں باپ کی اطاعت بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت آئے گئے سے اخلاق غریبوں سے نرمی اور ترحم کا برتاؤ۔ آنکھ میں شرم و لحاظ۔ جو دیکھتا تھا لڑکی کو دل و جان سے دعائیں دیتا تھا۔ غالباً اس لڑکی کی بے انتہا نیک بختی اور ہر دل عزیزی ہی کا سبب تھا جو اس کی تقدیر ایسی اونچی جگہ لڑی۔ اقبال مرزا تو امیر ابن امیر تھے ہی ان کا کیا کہنا بیوی بھی اُن کو ملی تو لاثانی جوڑا تھا ان مول بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان کے لئے دنیا ہی میں جنت اور دوزخ ہے سو بالکل صحیح ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ مرد جن کو ایسی بیویاں ملیں اور واقعی اُنہیں کے لیئے دُنیا میں جنت ہے اگر ایسی بیویوں کے لوگ پاؤں دھو دھو کر پئیں تو کچھ بے جا نہیں۔

پندرھواں باب

دولھا والوں کے ہاں طیّاری

بیٹی والوں کی طیاری کا حال تو آپ مختصراً سُن چکے۔ اب ذرا بیٹے والوں کے گھر کو بھی چل کے دیکھئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہی۔ یہ تو ظاہر ہی کہ زیادہ تر کھٹیرا بیٹی والوں ہی کے ہاں پھیلتا ہی بیٹے والوں کے ہاں اتنا پھیلاوا کہاں۔ چڑھاوا جو منگنی میں چڑھا تھا اُس کے علاوہ چھپکے کے بالے جڑاؤ بالی پتے۔ جھومر تو کشمیری مل جوہری کی دُکان سے بنا بنایا خرید لیا تھا سونے کا چوڑا۔ ست لڑا۔ پازیب طلائی اور بن رہے تھے۔ گیارہ جوڑے دلہن کے روزانہ استعمال کے لیئے بیگم صاحب نے اپنی پسند کے بنا ہی لیئے تھے۔ اب صرف چڑھاوے کے جوڑے کی طیّاری باقی تھی وہی سب سے بھاری چیز ہوتی ہی۔

اقبال مرزا نے دبی زبان سے کہہ دیا تھا کہ بہت بھاری جوڑا بنانا بالکل فضول ہی کیوں کہ چوتھی کا جوڑا نہ کبھی پہنا جائے نہ کام آئے دھرے دھرے ہی خراب ہو جاتا ہی مگر ان کی سُنتا کون تھا ماں نے کہا لڑکے تو کیا جانے ہوش میں آ زمانے کا دستور یہی ہی جو پوچھتا ہی چوتھی کے جوڑے ہی کو پوچھتا ہی چوتھی کا جوڑا بھاری بھر کم نہ دیا جائے گا تو ناک نہ کٹ جائے گی۔ ایسی لے دے ہوئی کہ وہ بے چارہ کہہ کر چور بن گیا ناچار چُپ سادھ گیا۔ دس کے آگے ایک کی کیا چلتی ہی۔ ماں کے سامنے کیا بولتے اتنا بھی ڈرتے ڈرتے بہت دل کڑا کر کے بولے تھے اور

ماں کے سامنے اُن کی چل ہی کیا سکتی تھی۔ حاجی عبد الغفار صاحب کو بیگم صاحب
نے بلا بھیجا اور جوڑے کے لیئے کہہ دیا اُنھوں نے فوراً دوپٹہ کارچوب پر چڑھوا دیا۔
دوپٹہ کوئی ڈیڑھ مہینے میں طیار ہو گیا پورے سات سو روپیہ اُس پر لاگت آئی۔
اور پھر حاجی علی جان کی دُکان پر جہاں کی ایمان داری اور مال کھرا دونوں باتیں
مشہور ہیں دوسری جگہ تو نہرا رہی میں بیٹھتا اور واقعی آنکنے والے اُسے ہزار
ہی کا آنکتے تھے۔ زربفت کے دو تھان بیگم صاحب کے پاس پہلے کے رکھے
تھے تحصیل دار صاحب کو کسی نے بنارس سے لاکر دیئے تھے تھان کیا تھے سونے
کا ڈلا تھے اگرچہ اتنے برس گزر گئے تھے مگر کھرے مال کو کیا دھو کا نئے نذور نئے
معلوم دیتے تھے بدری نے چار سو کی جوڑی آنکی مگر تحصیل دار صاحب ساڑھے
تین سو کی کہتے تھے بس یہ سمجھ لو کہ بنارس کی خیر یہ اور دلّی کے
بھاؤ میں پچاس روپیے کی کفایت ہوئی۔ ڈیڑھ سو کا پٹھّا ہوا چھوٹے کپڑوں
پر چھپتر روپیے لگے ازار بند بیس روپیہ کا۔ گھنتلی جوتی جس میں موتی اور نقرئی
گھنگرو سونے کا ملمع کیئے ہوئے لگے تھے تیس روپیے کی۔ اس طرح صرف
چوتھی کا ایک جوڑا تیرہ سو پانچ روپیہ کا ہوا۔ زیور کے بعد یہی ایک بڑی بھاری
رقم تھی۔ طرفین سے بہ سرگرمی تمام طیاریاں ہو رہی تھیں مکانوں کی درستی
قلعی رنگ آمیزی گُل کاری برتنوں پر قلعی فرش فروش جھاڑ فانوس ہانڈی
لنتر غرض سب کچھ سج سجا کر آراستہ و پیراستہ ہو گیا۔ دلہن والوں کے ہاں
جہیز کے برتن بھی قلعی ہو گئے۔ لال کوئیں پر کئی دن سے مولو قلعی گر کی دُکان
پر پانچ چھ قلعی گر اس کام پر لگے ہوئے تھے۔ جوڑے سل گئے ٹک گئے

حتیٰ کہ تہ ہو کر ٹانکے بھی لگ گئے اب صرف تاریخ ٹھیرنے کی دیر تھی - اکیسویں شوال ہفتہ کا دن نکاح و وداع کی تاریخ ٹھیر گئی - دُلہن والوں کے رقعے نصرت المطابع میں سُرخ کاغذ پر سنہری چھپے تھے شمس العلمار مولنا حالی نے منظوم رقعہ لکھا تھا اور خوب لکھا تھا - بیٹے والوں کی طرف سے بڑے کارڈ جن کے حاشیہ پر سنہری بیل بنی ہوئی تھی - ہلکے گلابی رنگ کے سنہری چھپے ہوئے لفافوں میں تقسیم ہوئے - تھا یہ رقعہ بھی منظوم اور بہت عمدہ اور برجستہ نظم تھی مگر مقطع میں کسی کا تخلص نہ تھا معلوم نہیں کس کا لکھا ہوا تھا بعد میں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ خود اقبال مرزا نے جاکر شمس العلمار مولنا مولوی نذیر احمد صاحب سے لکھوایا تھا - غرض اقبال مرزا کی شادی کا دن بھی عجب مبارک دن تھا کہ دونوں طرف دل کھول کر ارمان نکالے جا رہے تھے -

سولھواں باب

مایوں بٹھانا

بیاہ کے صرف سات دن رہ گئے ہیں قریب قریب کے رشتہ دار اکھٹے ہوگئے ہیں دُلہن کے مایوں کے زرد کپڑے رنگے جا رہے ہیں بہنیں دلہن کی ماں سے کپڑے رنگائی کے بناؤ پر چل رہی ہیں - دلہن کو مایوں بٹھانے کے لئے نہلا دھلا سر گوندھ کر طیار کیا ہی خوانوں میں پنیڈیاں لگائی

جا رہی ہیں اُبٹنا سینیوں میں رکھا ہے بٹنے کی ایک سینی میں تیل کا بلّوری کنٹر بھی ہے جس میں چنبیلی کا عمدہ اور خوشبودار تیل بھرا ہوا ہے ایک کشتی میں دولھا کے مانجھے کا جوڑا زرد دوشالہ زرد مخمل کی اچکن اُس پر کھیلیں بتاشے پڑے ہوئے چاندی کا تھالی جو رجس میں دولھا کے دودھ پینے کے لئے سوا سو روپیہ تھے تھیلیاں۔ آفتابہ سیلانچی۔ کٹورہ سینی تانبے کی چوکی۔ ایک زرد سوزنی سبز ریشم سے کڑھی ہوئی ایک لگن میں اُبٹنا گھُلا ہوا۔ ایک بڑی سی غوری میں سات پنڈیاں ورق لگی سرپوش سے ڈھکی ہوئی مع چودہ سو پنڈیوں کے جو دولھا کے حصے کی ایک طرف رکھی ہوئی تھیں۔ بعد مغرب دالان میں چوکی بچھائی گئی اور اُس پر زرد سوزنی کا فرش کر کے دلہن کو مائیوں کا جوڑا پہنا کر قبلہ رو لا بٹھایا۔ دلہن کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور گھر کے مردوں سے دلہن کے ہاتھ میں پان رکھوا کر ساتوں پنڈیاں رکھوائیں اور سب نے اپنے اپنے حسب حیثیت دلہن کے ہاتھ میں روپے بھی رکھے۔ دلہن کی بہن نے وہ پنڈیاں اُٹھا کر غوری میں رکھ دیں۔ دلہن کے مونھ میں سب عورتوں نے پنڈیوں کے ٹکڑے دیئے اور روپئے اُٹھا کر ہاتھ میں اُبٹنا رکھنا شروع کیا۔ اپنے اپنے رشتے اور مقدور کے موافق سب نے دودھ پینے کے روپئے دیئے پھر دلہن پر نچھاور ہونے لگی اور ڈومنیوں نے سہاگ گھوڑیاں گانی شروع کیں۔

بنو[1] ہے ناداں سیانی ہولئے دو

[1] یہ تمام گیت دہلی میں متعارف ہیں تاہم ہم نے الفاظ غیر مانوس کا ترجمہ اور گیتوں کا مطلب بھی لکھ دیا ہے مگر لَے کے بدون نرے معنوں سے کیا ہوتا ہے اور سینہ بسینہ کے سوائے ڈُبلنے کا ہم کو کوئی راستہ معلوم نہیں ہے ۱۲

[1] کھائی نہ جانے پینٹ۔ یاں لاڈو ہری باندھے نہ جانے بند۔ سیانی ہونے دو
باوا نے کس دیا ڈولا۔ اماں بی بی جانے نہ دے سیانی ہونے دو
بنو ہے ناداں سیانی ہونے دو

ناجوری گھونگٹ کھول۔ گھونگٹ میں تیرے چندر کِسبت ہے لال لگے اَن مول
ناجوری گھونگٹ کھول

نین تیرے رسیلے بنو بازو بند ڈھیلے[2]
ناک تیرے بیسر سوہے اور موتیوں کی جوڑی　چُنّی تیری زیب بنو بازو بند ڈھیلے
ماتھے تیرے جھومر سوہے اور ٹیکے کی جوڑی　لڑیاں تیری زیب بنو بازو بند ڈھیلے
کانوں تیرے بالیاں سوہیں اور موتیوں کی جوڑیا　کھٹکے تیرے زیب بنو بازو بند ڈھیلے
گلے تیرے چمپا سوہے اور گُگنی کی جوڑی　مالا تیری زیب بنو بازو بند ڈھیلے
باہوں تیرے نونگے سوہیں اور اکوّں کی جوڑی　جوشن تیرے زیب بنو بازو بند ڈھیلے
ہاتھوں تیرے پونہچیاں سوہیں اور کڑوں کی جوڑی　پائل تیری زیب بنو بازو بند ڈھیلے

---

[1] یعنی دُلہن کم عمر ہے نہ وہ پنیڈیاں کھائی جانے نہ بند باندھنے جانے ابھی ذرا بڑی ہونے دو۔ باپ نے تو ڈولا طیار کرایا وداع کر رہے ہیں مگر ماں جانے نہیں دیتی اور کہتی ہے کہ لڑکی ابھی کم عمر ہے ذرا ہوشیار ہونے دو [2] اے دُلہن تو ایسی چھوٹی لڑکی ہے کہ تجھے بازو بند باندھنے بھی نہیں آتے بازو بند کا ڈورا ڈھیلا پڑا ہے تیری آنکھیں رسیلی ہیں تیری ناک میں بیسر مع موتیوں کی جوڑی کے جس کے بیچ میں سُرخ چُنی پڑی ہے بہت بھلی اور خوب صورت معلوم ہوتی ہے اور ایسے دوسرے زیور بھی - ۱۱

پاؤں تیرے چوڑیاں سوہیں اور کڑوں کی جوڑی پایل تیری زیب بنو بازو بند ڈھیلے
بیچوں تیرے شال دوشالے اور ٹکیوں کی جوڑی بنڑا تیرا زیب بنو بازو بند ڈھیلے
ای میری نادان بنو بازو بند ڈھیلے

اور قریب قریب اسی طرح دولھا بھی مائیوں بٹھایا گیا۔ دولھا دُلہن کو مائیوں بٹھانے کے بعد دونوں جگہ اندر اور باہر اُبٹنا کھیلا گیا۔ لڑکی بالیوں اور لڑکوں نے خوب دھوم دھڑکا اور اودھم مچائی بڑی دھما چوکڑی ہوئی کسی کے مونھ کو کسی کے سر کو کہیں بروستی کہیں خوشی سے کہیں چھپ کر اچانک آ کر دھوکے سے اُبٹنا مل دیا۔ عورتوں نے عورتوں کی اور مردوں نے مردوں کی خوب گت بنائی۔ ایک دوسرے کو خوب لتھیڑا ہر ایک ادھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ اور جان بچا کر جہاں موقع ملا چھپ جاتا تھا مگر اُسے ڈھونڈھ نکالا اُبٹنے اور رنگ میں شور بور کر دیا بالکل ہولی کا سا سماں بندھا ہوا تھا۔

سترھواں باب۔ ساچق

ساچق کی رسم بھی منگنی ہی کے لگ بھگ ہوتی ہے جمعرات کو ساچق ٹھیری تھی جمعہ کی بارات ہفتے کی وداع۔ بری[۱] پہلے ہی سے طیّار تھی آج کشتیوں اور خوانوں میں قرینے سے سجادی گئی۔ خوان پوش کشتی پوش اور تورے پوش

۱؎ بری دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو کچّی جس میں نقل اور میوہ وغیرہ اشیا رہتی ہیں دوسری کچّی یعنی ان چیزوں کی جگہ بیٹی والے نقد روپیہ لے لیتے ہیں لیکن شق آخر الذکر غریب لوگ اختیار کرتے ہیں مرفہ الحال لوگ سامان ہی لیتے ہیں۔ ۱۲

ڈھک دیئے گئے۔ سُہاگ پُڑا آگ جھم جھم کر رہا تھا۔ دالان میں یہ سب سامان فردوزیوں کے انتظار میں رکھا ہوا تھا بری تو بڑی بھاری امیرانہ تھی یقل گیارہ من میوہ ڈھائی من مصری کے کوزے کہیں قند کے پڑے کہیں سیر مہندی کے پُڑے ساڑھے نو سیر کلاوے سُرخ پان سیر۔ مصری کے کوزوں پر سنہری رُپہلی ورق لپٹے ہوئے تھے قند اور مہندی کے پُڑوں پر سُنہری اور رُپہلی پنّی لگی ہوئی تھی۔ چاندی کی قلعی کی چار ٹھلیاں دو میں دودھ اور دو میں شربت بھرا ہوا جن کے گلے میں چاندی سونے کی چھلیاں کلاوے سے بندھی ہوئی تھیں۔ بانس کی کھپچیوں کے سینکڑوں چوکھڑے رنگ برنگ کے کاغذ اور پنّی سے منڈھے ہوئے اُن میں چار چار نقشین ٹھلیاں رکھی ہوئی جو کوئی ایک ہزار ہوں گی سُہاگ پٹارا تو ایسا عمدہ بنا تھا کہ دور سے سونے کا ڈلا ہی معلوم دیتا تھا۔ دو سونے چاندی کی کنگھیاں دو شیشیاں عطر سُہاگ کی جن پر مقیشی کام کیا ہوا تھا پھلیل چھیل چھبیلا۔ ناگر موتھا۔ بال چھڑ۔ صندل۔ زعفران وغیرہ خوشبودار چیزیں اور کہیں روپئے دلہن کی بہنوں کے نیگ کے اُس میں رکھے ہوئے تھے۔ چوتھی کا جوڑا جس کی صراحت ہم اوپر کر چکے ہیں ایک کشتی میں سجا ہوا تھا جس میں کھیلیں بتاشے پڑے ہوئے تھے اور ایک کھٹنلی جوتی سُنہری گھنگرو ٹکے ہوئے تھے جس کے اندر مسّی اور مسّی کی دو پُڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ تیل اور گلاب کے چاندی کے کنٹر دو مزدور نیوں کے ہاتھ میں تھے۔ سرخ رشین ململ کا دوپٹہ اور اُسی ململ کا چولے کا سبز کپڑا پھلام ایک بڑے پائجامہ کی یہ ریت[۱] کا جوڑا تھا۔ سمدھنیں

[۱] ریت کا جوڑا سادہ ہوتا ہے۔ یہ جوڑا دلہن کو وداع کے وقت پہنا کر دولھا کے گھر بھیجتے ہیں۔ ۱۲

بگھیوں اور رتھوں میں ٹھساٹھس بھری ہوئی تھیں۔ آگے آگے آرائش کا لمبا سلسلہ پنجی والیاں سینکڑوں ابرک کے کنول روشن کچھ آتش بازی بجی چھوٹتی ہوئی چاندنی چوک سے ساچق گزری ابھی رات کچھ زیادہ نہیں گئی تھی بازار میں خوب چہل پہل تھی کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ سقے کٹورے جھنکار رہے تھے۔ دکانیں سب کھلی ہوئی تھیں بجلی کی روشنی سے شہر بقعۂ نور تھا۔ دکانوں پر ٹن لیمپ[۱] کی بہار تھی۔ اس پہ ساچق کی خوب صورت چیزوں کی سلسلہ بندی۔ بازار کے رستہ چلنے والے ٹھٹک کر کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سمدھنوں کی گاڑیاں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں کشتیوں اور ٹھلیوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے ارے میاں ساچق تو بڑی دھوم دھام کی ہے۔

دوسرا۔ اجی کیا دھوم دھام ہے نہ باجا نہ گاجا نہ ناچ نہ رنگ، نہ نوبت نہ نقارہ۔

پہلا۔ اجی مولویوں کے گھرانے کی ساچق ہے تب ہی تو باجا گاجا ناچ رنگ نہیں ہے مگر پھر بھی آرائش اور کشتیوں کی ٹیم ٹام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی امیر گھر کی ہے۔

الغرض بڑے کر و فر سے کوئی دس بجے رات کے دلہن کے گھر ساچق

---

[۱] یہ اس روشنی کا نام ہے جسے دلی میں لوگ بجلی کے ہنڈے کی روشنی کہتے ہیں مگر وہ حقیقت میں بجلی کی روشنی نہیں ہے بلکہ معمولی مٹی کا تیل ہے یہ ایک چھوٹے سے پمپ سے گیس بنا کر جلتا ہے۔ روشنی بہت شفاف ہوتی ہے اور عین بن بجلی ہی کی معلوم دیتا ہے اسی قسم کی ایک دوسری روشنی "گیسو لین لیمپ" کہلاتی ہے وہ بھی اسی کی الگ بھگ ہے تیسری قسم کاربائیڈ لیمپ ہے جو ایک قسم کا خشک مسالا اس پر پانی ٹپکانے سے گیس بن کر جلنے لگتا ہے۔

پونچی۔ سارا سامان دلہن والوں کو سنگوا دیا گیا اُنھوں نے برفی کے خوانوں
کو اسی طرح سنبھال کر رکھوا دیا۔ خوان اُس وقت خالی نہ کئے کل صبح ہی سب
دیکھ بھال کر خالی کر دیئے جائیں گے۔ سمدھنیں اُترنے لگیں دلہن کی طرف سے
دو عورتیں ایک عطر دوسری چاندی کی کٹوری میں صندل لئے کھڑی تھیں۔
ایک سمدھنوں کی مانگ کو صندل[1] لگا رہی تھی دوسری عطر لگاتی جاتی تھی سمدھنیں
گاؤتکیوں سے لگ کر دالانوں میں بیٹھ گئیں دلہن کے لانے کا تقاضا شروع ہوا
رات چلی جا رہی تھی دلہن کو بنا سنوار کر لا بٹھایا اور منگنی کی طرح اس وقت بھی
مصری کی ڈلیاں اور لقمیاں مُنہ میں دے کر پھولوں کا گہنا پہنا کر زیور چڑھائے
گئے۔ بہت سے زیور تو منگنی ہی میں چڑھ چکے تھے اب جھومر۔ جھپکے کے بالے۔ جڑاؤ
بالی پتے۔ نتھ سونے کا جوڑا۔ ست لڑا۔ پازیب طلائی۔ سات بھاری بھاری قمیں
چڑھیں۔ خالہ۔ ممانی۔ پھوپی اور دوسرے قریب کے رشتہ داروں کی طرف سے
بھی ٹیپ۔ نورتن۔ بھوج نبد۔ دست بند۔ چھلے وغیرہ غرض اس طرح کل چودہ
رقمیں چڑھیں۔ چڑھاوے کے بعد اکیس اشرفیاں سوا سو روپیئے نقد منہ دکھائی
کے دے کر سات قسم کا میوہ جو سُرخ رومال میں بندھا ہوا تھا دلہن کی گود
میں رکھ کر مبارک باد دی۔ دولھا کی ماں بہنوں نے نچھاور کی بڑی مشکل سے
سب نے دلہن کا ہاتھ ہٹا کر صورت دیکھی۔ چاروں طرف سے "دلہن چاند سی"
"دلہن چاند سی" کی آواز آنے لگی اور ہر سمدھن کے چہرے سے خوشی اور
بشاشت ظاہر ہونے لگی۔ دلہن کو اُٹھا کر اندر لے گئے۔ سمدھنوں کو منگنی کی

[1] مانگ کو صندل لگانا تفاول ہے کہ صندل کی طرح ٹھنڈی رہے ۱۲

طرح شربت پلایا گیا۔ ایک بیوی شربت کا کنٹر دوسری چاندی کی تھالی اور شربت کی پیالی تیسری رومال چوتھی گوٹے کے ہار لیئے کھڑی تھیں۔ ماما کے پاس سیلابچی آفتابہ تھا شربت پلانے کے بعد ماما کُلّی کراتی تھی اور بیوی موتھ رگڑ کر پونچھ دیتی تھیں اُس وقت ہنسی مذاق اور چھل بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس زور سے موتھ رگڑتی تھیں کہ سمدھنیں کُس مَسا کر رہ جاتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اچھا بھلا کیا مضائقہ ہے سو دن سنار کے تو ایک دن لوہار کا کبھی ناؤ گاڑی پر کبھی گاڑی ناؤ پر تم بھی ہوشیار رہنا کبھی ہمارا بھی وقت آہی جائیگا تب اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن۔ بیویاں شربت پلائی[1] ڈالتی جاتی تھیں۔ پان۔ زردہ کی کشتیاں اَبٹن دھنیئے کی طشتریاں سمدھنوں میں تقسیم کی گئیں۔ ڈومنیاں الگ سُہاگ گھوڑیاں گارہی تھیں۔ سمدھنوں کو ڈھکی چھپی گالیاں بھی مل رہی تھیں ڈومنیوں کو جھڑ اجھڑ بیلیں دی جارہی تھیں مولویوں کا معاملہ تھا برائے نام ایک دو سیٹھنیاں[2] گائی گئیں تھیں کہ دلہن والوں نے ڈومنیوں کو منع کردیا۔ بھلا وہ سیٹھنیاں تو ہم کیا لکھیں لیکن ڈومنیوں کے بعض گیت البتہ اچھے تھے۔ تھوڑے سے آپ بھی سُن لیجیئے۔

ہریالی بنو ہووے مبارک شادی بنّے کی بنو ہووے مبارک شادی
جم جم نِت نِت ہووے آبادی بنّے کی بنو ہووے مبارک شادی

[1] شربت پلائی طشتری میں حسب مقدور روپیہ اشرفی ڈالی جاتی ہے جو بہنوں کا نیگ ہوتا ہے۔
[2] سمدھنوں کو جو گالیاں دیتے ہیں وہ سیٹھنیاں کہلاتی ہیں۔ ۱۲

ہیں تیرا بنڑا ہوں گا ری مری نادان بنو ای میری ٹھواسی بنو
پھرے گی ساس کے آنگن باجیں گے پاؤں کے جھانجن ای میری ٹھواسی بنو
ڈولی کے ساتھ چلوں گا پاپوشیں جھاڑوں گا صراحی ہاتھ میں لوں گا ای میری ٹھواسی بنو

میری اچھی بنو راج سہاگوں بھری راج سہاگوں بھری موتین مانگ بھری
اپنے بھاگوں بھری میری اچھی بنو راج سہاگوں بھری

جا بیٹھا سُسرال گوری کا بنڑا

بنڑا میری ری پڑوسن بنڑا جُھک جُھک کرے گا سلام گوری کا بنڑا
ٹیکا بھیجوں گی بنے تمھیں ٹیکا بھیجوں باندھ آوے گا لال گوری کا بنڑا
ہاتھوں زری کا رومال گوری کا بنڑا جا بیٹھا سُسرال گوری کا بنڑا

اتنے ہیں سواریوں کا غل پڑا اور سب سمدھنیں جلدی جلدی کر کے دولھا کے گھر قریب آدھی رات کے پونہچیں تب کہیں کھانے کا لگا لگا۔ سمدھنوں کے جاتے ہی دولھا کو نشان چڑھانے کے لیئے مرد آئے۔ دولھا کا جوڑا کشتیوں ہیں لگا ہوا اور سنتائیس اشرفیاں ڈیڑھ سو روپیے دے کر سب رسمیں منگنی کی طرح ادا کر کے چلے گئے۔ دولھا کے جوڑے کے دیکھنے کو آپ کا دل چاہتا ہو گا۔ ذرا صبر کیجیئے بارات کے دن خود بخود آپ کے سامنے آجائے گا۔

اٹھارھواں باب

بارات

فصلِ بہار گلشنِ عیش و سرور ہے   عالم میں انبساط و فرح کا وفور ہے
راحت ہے روح کو تو معطر دماغ ہے   ایسی شگفتگی ہے کہ دل باغ باغ ہے

بیسویں شوال کی شام سے دولھا اور دُلہن کے ہاں مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی سانچق میں جو مہمان آئے تھے قریب قریب کے تو رکھ لیئے گئے تھے باقی دور و دراز کے کنبے اور ملنے جُلنے والے اب آنے شروع ہوئے پھر رات گئے تک دونوں گھر مہمانوں سے کھچاکھچ بھر گئے۔ رات بھر سویا کون؟ بارہ بجے تک کھانے سے فراغت ہوئی پھر کچھ دیر ڈومنیوں کا گانا اور نقلیں ہوتی رہیں چار بجے سے بیویوں کو جگانا شروع کیا۔ اب بتائیے کہ یہ کون سا وقت ہے کہ سوتے ہوؤں کو جگایا جائے۔ کوئی دو بجے کے عمل ہیں تو اُن بے چاریوں نے کمر سیدھی کی تھی جھنجوڑ جھنجوڑ کر اُٹھایا جا رہا ہے کہ بارات طیار ہے چلو۔ کوئی بیوی ادھر سے کروٹ لے کر اُدھر ہو جاتی ہیں کوئی انگڑائی لے کر پھر بے خبر ہو جاتی ہیں کوئی اچھا کہہ کر پھر پڑ جاتی ہیں کسی کا بچّہ اُٹھائے نہیں اُٹھتا میٹھی نیند سو رہا ہے کوئی جز بز ہو کر کہتی ہے الہیٰ توبہ۔ بھئی سونے بھی دو ابھی خدا خدا کر کے آنکھ لگی تھی کہ تم نے جگا دیا۔ جاگتے جاگتے آنکھیں پتھرا گئیں کُھلتی نہیں جیسے کنکر بھرے ہوئے ہیں۔ یہ کون سا وقت سمدھنوں کے جانے کا ہے ابھی تو بڑی رات ہے اندھیرا گُھپ پڑا ہے۔ مگر شاباش

ہر ان بیویوں کی نیند پر گھر ہیں تو یہ ادھم مچ رہی ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی مرد دروازے پر گلا پھاڑ پھاڑ کر ڈھاڑ رہے ہیں اور یہ لوگ چین سے بے خبر سو رہے ہیں جس سے کہو کہ بُوا تم چلو وہی کہتی ہیں کہ بوا میرئی ہی جلدی پڑی ہے پہلے اور سب تو جائیں بعد میں میں بھی جاؤں گی۔ غرض ایک دوسرے پر ٹالتا ہے مگر کوئی چلتا چلاتا نہیں۔ حوائج ضروری سے فارغ ہونے ہاتھ موںھ دھونے کنگھی چوٹی بناؤ سنگھار جوڑے بدلنے کے بعد بہ ہزار وقت دو شواری سواریاں شروع ہوئیں تب تک صبح کی پو پھٹ چکی تھی اچھا خاصہ اُجالا ہو گیا تھا جو بیویاں پہلے سے جا کر گاڑیوں میں بیٹھ گئی تھیں وہ اسی طرح لدی کھڑی رہیں۔ سب سوار ہولیں تو کہیں گاڑیاں بڑھیں۔ باقی بیویاں بھی جلدی کر کے سوار ہو گئیں۔ ابھی آفتاب نہیں نکلنے پایا تھا کہ بیویاں دُلہن کے گھر پہنچ گئیں۔ دولھا کو اندھیرے موںھ نہلا دھلا اوّل وقت دولھا بنا دیا تھا۔ دولھا کے بڑے ابا سردار مرزا صاحب نے دولھا بنایا کہ باپ کے بعد وہی سرپرست اور بزرگ تھے۔ اگر دولھا کے باپ زندہ ہوتے تو بھی بلحاظ بزرگی دولھا وہی بنانے بریں ہم ایسے موقع پر اپنے بڑے بوڑھوں کا ضرور خیال آتا ہے خصوصاً باپ کا کیوں کہ دنیا میں ماں باپ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ اقبال مرزا کا داغ یتیمی تازہ ہو گیا۔ سسرال سے جو دولھا کا جوڑا آیا تھا وہ کشتیاں ویسی ہی سجی ہوئی رکھی تھیں سامنے لائی گئیں۔ زنانے میں تو یہ جوڑا پہلے ہی دیکھ لیا گیا تھا مگر مردانے میں تو ابھی آیا ہے لاؤ ہم بھی ایک نظر دیکھ لیں۔

سُرخ دوشالہ الوان اور حاشیہ کے لحاظ سے دو ڈھائی سو روپیہ کا

آنکا جاتا ہے۔ زرد جامہ وار کی شیروانی وہیٹ اوے لیڈلا کی دُکان کا سافٹ
فرنٹ کا ہلکے آسمانی رنگ کا قمیص جس میں سونے کے بٹنوں کا سٹ لگا ہوا تھا
ریشمین نصف آستین کی بنیان۔ پانچ پی کے لٹھے کا پاجامہ سفید سرج فلالین کا
پتلون نما پاجامہ۔ سفید ریشم کا ازار بند بن سلائی ڈبل سول کے ریشمین پھول دار
عنابی پائتابہ۔ شالی شملہ۔ اعلیٰ درجے کی رومی ٹوپی مگر لال چھچھواتے رنگ کی
نہیں بلکہ سیاہی مائل عنابی اور ایک ٹوپی خاکی فلٹ کی اونچی باڑھ کی کرسٹی کے کارخانے
کی سلیم شاہی وصلی کی پاٹ کام کی جوتی۔ ڈاسن کا بادامی رنگ کا پمپ شوز۔ دو
ملٹری کالر کیمبرک لین کے دو سفید رومال۔ اصغر علی خاں کی دُکان کے مشہور
شمامۃ العنبر کے عطر کی ایک خوب صورت شیشی پیسی اور لبن کا عمدہ سنٹ مارکس اینڈ
کمپنی کی طلائی ریپیٹر[۱] گھڑی مع زنجیر جو پانسو روپے سے کم کی نہ ہوگی۔ جوڑا تو اَن
مول تھا۔ عورتیں بھلا اس جوڑے کی قدر کیا جانیں اُن کی نظروں میں تو
کچھ جچا نہیں نہ اس میں کم خواب کی جگمگاتی شیروانی تھی نہ سلمے ستارے کی ٹوپی
نہ لال رنگ کا ریشمین پاجامہ تھا جو گھڑی بھر کے سوائے پھر کبھی نہ پہنا جاتا۔ یہ جوڑا
مشرقی و مغربی دونوں فیشنوں کا معتدل مجموعہ تھا۔ مردانے میں سب ہی نے تو
پسند کیا واہ رے تحصیلدار صاحب صد آفریں تمہارے مذاق اور سلیقے پر جوڑا
تو نایاب تھا مردانے جوڑے میں اور وہ بھی جنٹلمینی اس سے زیادہ تکلف ممکن نہ تھا
اگرچہ دلہن کا چوتھی کا جوڑا بھی بہت بیش قیمت اور بھاری تھا مگر دولھا کا جوڑا بھی بہ
اعتبار لاگت کے اُس سے کسی طرح کم نہ تھا۔ شیروانی نہایت عمدہ سلی ہوئی تھی

۱ ریپیٹر اُس گھڑی کو کہتے ہیں جو گھنٹے اور منٹ بجاتی ہے۔ ۱۲

سینہ پر کولٹنگ[۱]۔ کفوں میں بکرم[۲]۔ استر زرد ٹیلین کا نئے فیشن کا کٹرا کا لر ہو نہ ہو دُلّی درزی کے مشہور کارخانے کی سلی ہوئی تھی تراش خراش ایسی تھی کہ جسم پر اس طرح فٹ ہوئی کہ جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ جھول یا سلوٹ کا کیا نام۔ جو ٹھیک کا جوڑا دولھا کے ہاں سے گیا تھا اُس کی شیروانی تو بڈھم پیل کی سلی ہوئی تھی مگر دُلّی کی کتر بیونت تو اُس پر بھی فوقیت لے گئی۔ سب کپڑے پہننے کے بعد شالی شملہ بسم اللہ کرکے اور کچھ دعا پڑھ کر سردار مرزا صاحب نے دولھا کے سر پر باندھا وہ وقت تھا کہ بھائی کو یاد کرکے مرزا صاحب اور دولھا دونوں آب دیدہ ہوئے پھولوں کا گہنا بدھی پہنائی گئی۔ اگرچہ سہرا بھی تھا مگر وہ کیسے باندھا جاتا میاں صاحب (شمس العلما مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی) کا ڈر غالب تھا۔ اگر کہیں وہ سہرا دیکھ لیتے تو نکاح ہی نہ پڑھاتے بلکہ عجب نہ تھا کہ غصے میں محفل سے اُٹھ جاتے۔ مولوی صاحب خلاف شرع کسی بات کو جائز نہ رکھتے تھے اسی وجہ سے شیروانی میں سونے کے بٹن بھی نہیں لگائے گو جوڑے کے ساتھ دلّی کے سادہ کاری بنے ہوئے طلائی بٹن تھے مگر شیروانی کے ہمرنگ انگریزی بٹن ٹنکے ہوئے تھے قمیص میں بھی سچی سیپ کا سٹ لگا ہوا تھا۔ دیوان خانے میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا اُس میں دیکھا۔ دولھا ماشاءاللہ سُرخ و سفید۔ خوش رو سڈول۔ چڑھتی جوانی چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ چہرے پر گرد داڑھی کا خط۔ اس پر یہ لباس بے انتہا

[۱] کولٹنگ سوزنی کی سلائی کو کہتے ہیں سینے پر ہلکی روئی دے کر چوکڑی کی سلائی ہوتی ہے وہ کولٹنگ کہلاتی ہے [۲] ایک قسم کا کلف دار سن کا کپڑا ہوتا ہے جو آستینوں کے کفوں میں اس لیے دیا جاتا ہے کہ ڈھیلا پن جاتا رہے کرارے رہیں۔ ۱۲

بھلا معلوم دیتا تھا۔ اَلنَّاسُ بِاللِّبَاس (آدمی کی رونق لباس سے ہی) اور جب وہ لباس اس بیٹھنے کا ہو تو پھر دولہا کی جامہ زیبی اور پھبن کا کیا پوچھنا۔ شملہ تو بڑے مرزا صاحب نے باندھا تھا بلکہ کپڑے کس نے پہنائے اس کی بھی کچھ خبر ہی؟ پہنانا کون۔ یہ تو بہنوئیوں کا دستور ہوتا ہی دونوں بہنوئی۔ مرزا خورشید عالم جو دلی کے شہزادے تھے اور میر محمد تقی جو دلی میں ڈپٹی کمشنری کے سررشتہ دار تھے دونوں موجود تھے۔ اُن ہی کا یہ کام تھا۔ مگر ایسے موقع پر قاعدہ قانون اور تہذیب سب نہ کر دی جاتی ہی اُنھوں نے جب تک اپنا نیگ نہ رکھوالیا جوڑے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ نیگ کے لیئے بڑے مرزا صاحب سے تو وہ کیا جھگڑتے ساس کے پاس پہنچے اُنھوں نے ڈیڑھ سو روپے کے نوٹ نکال کر دیئے۔ دونوں نے ہنس کر کہا اماں جان۔ ہمارے لایق تو یہ بھی بہت ہی مگر آپ اپنی شان اور اپنے نام کے موافق دیجیئے۔ دعا مانگتے مانگتے دانت گھس گئے تب خدا خدا کر کے آج کا دن دکھائی دیا۔

ساس۔ اچھا میاں پھر تم کہو نا۔ تم کیا لوگے ہیں کیا تم سے باہر ہوں تم سے کیا بڑھکر ہی۔

دونوں داماد۔ آپ کے سامنے ہم کیا عرض کریں بے ادبی ہوتی ہی آپ ہی سمجھ بوجھ کر دیجیئے۔ بیگم صاحبہ نے سو روپیہ کا نوٹ اور دیا۔ ڈھائی سو روپیے دونوں ہنسی خوشی لیکر آئے تب کہیں اُنھوں نے کپڑوں کو ہاتھ لگایا اور دولھا بنایا ڈھائی سو روپیہ کی کچھ بڑی بات نہ تھی مگر ایسے مواقع پر ہمیشہ لطف آمیز تکرار ہوا کرتی ہی اور یوں تو مان کا پان بھی بڑا ہوتا ہی۔ مردانے میں صبح ہی سے لوگ جمع ہونے شروع

ہوگئے۔ آٹھ بجتے بجتے سارا مکان مہمانوں سے بھر گیا عورتوں جیسا جھمیلا مردوں کے ساتھ کہاں ہوتا ہے۔ اب بارات طیار ہے دم کے دم میں دلہن کے گھر پہنچ جاتی ہے اگرچہ چھپنامل والوں کا گھوڑا دولھا کے واسطے آگیا تھا جو سونے کی ہیکل اور جھیلا جھلی سے آراستہ تھا جس پر کارچوبی عرق گیر اور زرین خوگیر بندھا ہوا تھا مگر جس بارات میں کہ دہلی کے تمام بڑے بڑے مولوی اور رئیس شریک ہوں وہاں اس کا کیا موقع تھا۔ کہ دولھا گھوڑے پر سوار ہوتا۔ اگرچہ اکثروں کے پاس بگھیاں بھی تھیں مگر دلی کا قاعدہ یہی ہے کہ بارات پیدل ہی جاتی ہے۔ ہم بھی اس طریقے کو پسند کرتے ہیں کیوں کہ سواری والے تو اپنی سواریوں پر بیٹھ کر سرپٹ دوڑ جائیں اور دوسرے بے چارے مہمان پیدل گھسٹیں۔ بارات تتر بتر ہونے کے علاوہ دولھا کا سوار ہونا اور سب کا پیدل چلنا ٹھیک بھی نہیں معلوم ہوتا۔ الغرض سب مل کر چلے دولھا منھ پر رومال رکھے ہوئے سب سے آگے آگے تھا۔ اور ساری بارات پیچھے تھی۔ دھوم دھڑ کا باجا گاجا کچھ تھا ہی نہیں ابھی نو بھی نہیں بجے تھے کہ بارات دلھن کے مکان پر پہونچ گئی۔ دلہن والوں نے دولھا کے گھوڑے کے سموں پہ ایک لگن پانی ڈال دیا کہ دولھا پانی پانی ہو جائے اور ہمیشہ نرم رہے دولھا کو صدر جگہ مسند زرنگار پر بٹھایا۔ اُن کے ہم عمر بھائی بند اُن کے اردگرد بیٹھ گئے حقہ بھلا وہاں کہاں مل سکتا تھا کیوں کہ جناب شمس العلماء مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی و مولوی عبدالرب صاحب و مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب واعظین جیسے بزرگوار پیشوایان دین وہاں رونق افروز تھے مگر ہاں پاس کے کمروں میں لوگ دھڑلے سے حقے اڑا رہے تھے پانوں کی الغنہ بھر بھر کے کشتیوں کی کشتیاں چلی آرہی تھیں کچھ دیر

بیٹھنے کے بعد خبر منگائی گئی کہ دیر کیا ہے۔ جواب ملا کہ کچھ دیر نہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ دُلہن کے نانا کا انتظار ہے وہ آئے تو پھر بھی کسی نہ کسی کے آنے کا انتظار رہا۔ ایسے مواقع پر لوگ اَدُبدا کر دیر کر کے آتے ہیں کہ پہلے سے آنے میں بے کار بیٹھنا پڑتا ہے۔ قاضی صاحب ہاتھ میں قلم دان اور بغل میں بستہ دبائے شملہ بمقدارِ علم[۱] زیب سر کئے ہوئے پہلے ہی سے منتظر بیٹھے تھے نکاح کا ایک لمبا چوڑا مطلّا کاغذ اُن کے ہاتھ میں تھا جسے وہ کبھی کھولتے تھے کبھی لپیٹ لیتے تھے۔ معمولی عبارت بہ خط نستعلیق اُس پر لکھی ہوئی تھی۔ صرف ناکح و منکوحہ اور مہر وغیرہ کی جگہ بیچ میں چھٹی ہوئی تھی۔ قاضی صاحب زانو پہ زانو بدل رہے تھے مگر اُن کی وہاں کیا چلتی تھی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اب خدا خدا کر کے گھر میں وکیل اور گواہ گئے ہیں۔ گھر میں مردوں کا اس وقت گھسنا کوئی آسان کام نہ تھا پردہ کر لو۔ پردہ کر لو پکار پکار کر اُن کا تو حلق پھٹ گیا وہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے۔ آخر کار ناچار موکھ پر رومال ڈال تینوں مرد جو بھی رشتہ دار اندر زنانے میں گھس گئے۔ جب عورتوں نے دیکھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ مردوے گھسے چلے آتے ہیں تب سٹ پٹائیں کوئی اِدھر کوئی اُدھر ہٹ گئیں کسی نے بگڑ کر کہا کہ اوئی یہ کیا غضب اندھیر ہے کہ مردوے بے ڈھرک اندر گھسے چلے آتے ہیں۔ مگر اُنھوں نے کسی کی ایک نہ سُنی اور سیدھے دلہن کی کوٹھری میں جا پہنچے۔ وہاں سب سے زیادہ جمگٹا تھا۔ جائے[۲] تنگ ست مردماں بسیار سب بیویاں دلہن کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہی جو بڑے والیاں تھیں گرتی پڑتی بھاگیں جو سامنے ہونے والیاں تھیں وہ رہ گئیں۔ دُلہن کی ماں کا تو اس وقت کہیں پتہ نہ تھا۔ لڑکی کے بیاہ کے دن دُلہن کی ماں سمدھنوں

[۱] جتنا زیادہ علم اتنی ہی لمبی شملے کی ... [۲] جگہ دیکھو تو تنگ اور آدمی بہت ۱۲

کے سامنے نہیں آئیں جو بڑی بوڑھیاں تھیں اُنھوں نے کہا اے بھئی تم نے غضب کیا کہ یوں دراتے گھر میں چلے آئے پردے والی بیویاں ہزاروں فضیحتی کر رہی ہیں اُنھوں نے کہا کہ اے بی ہم کیا کریں سیکڑوں آوازیں دیں آنے جانے والوں سے کہلوایا گھنٹہ بھر دروازے پر کھڑے رہے کہ اب پردہ ہوتا ہے جب پردہ ہوتا ہے اُدھر بارات کے لوگ تقاضے پر تقاضا کر رہے ہیں لوگ بیٹھے بیٹھے اُکتا گئے ہم مونھ پر رومال ڈال نیچی نظریں کیئے چلے آئے ہم نے کسی کو دیکھا نہیں بھالا نہیں۔

ایک بیوی۔ وہ گو تم نے کسی کو نہ دیکھا ہو مگر بات تو بہت بے جا ہوئی۔

وکیل اور گواہوں نے اجازت طلب کی۔ وہاں اجازت کون دینا بڑی بوڑھیاں جو تھیں اُنھوں نے کہا ارے بھئی بس اجازت ہی ہے بسم اللہ کرو یہ سُن کر دلہن بے چاری رونے لگی۔ وکیل صاحب کب ماننے والے تھے اڑ گئے۔ لڑکی بالغ تھی ایجاب بالصراحت ہونا چاہیئے تھا جب اُنھوں نے اصرار کیا تو عورتیں بگڑنے لگیں کہ بیاہ بارات سب کے ہاں ہوتے ہیں مگر یہ کہیں نہیں سنا کہ خواہ مخواہ دُلہن کے مونھ سے ہی قبولوایا جائے۔ ہم نے تو کسی کو ٹپا پٹ بولتے آج تک سُنا نہیں پس دُلہن کا رونا ہی اجازت ہے۔ ایک بیوی جو دُلہن کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنھوں نے لڑکی کا سر پکڑ کر ہلا دیا۔ لو یہ اجازت ہوئی ان کے باہر آنے کے بعد جناب مولوی نذیر حسین صاحب قبلہ نے جن کو دلی والے عموماً میاں صاحب کہا کرتے ہیں نکاح پڑھایا۔ گیارہ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت مہر قرار پایا۔ دعا مانگی گئی۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ چھوارے لٹائے گئے

لڑکوں نے خوب گدبد کی خوب جیبیں بھریں شہدوں نے ایسا شور و غل مچایا کہ ساری
بارات کو سر پہ اُٹھا لیا۔ "الٰہی سازگاری ہو محمدؐ کا صدقہ آمین۔ الٰہی آمین دولھا
ست پوتا ہو۔ آمین"۔ نکاح کے بعد کاغذ پر دولھا کی مہر اور گواہیاں ہو گئیں قاضی صاحب
کو پانچ روپئے دیئے گئے لیکن وہ کیا لینے والے تھے۔ نانوں کرنے لگے۔ دو
اور بڑھا کر سات روپئے اُن کی نذر کیئے جب کہیں چھٹکارا ملا۔ اندر سے چاندی
کی تھالی ظروف میں شربت آیا۔ شربت میں دُلہن کی نتھ بھگو دی تھی۔
دولھا نے ایک گھونٹ پیا پیالا چی میں کلّی کے پانچ روپئے ڈالے رہا بچا ہوا
شربت دُلہن کو گیا دُلہن نے پیا۔ اوپر والوں نے تاکید کی کہ سب پی لو رتّی برابر
نہ چھوڑنا۔ اگر زمین پر گرے گا تو زمین سے نکاح بندھ جائے گا۔ خدا خدا کر کے
شہدوں کی اودھم کم ہوئی تب مٹھائی بٹنی شروع ہوئی۔ چینی کی طشتریوں[1]
میں چار چار خورمے جو ننانوے رہیں بنوائے گئے تھے اور جو بہت نفیس اور
لذیذ تھے تقسیم ہوئے۔ یہیں دیکھنے کے قابل تھی ہر والان اور صحنچی اور کمرے
میں مٹھائی بٹ رہی تھی ابھی حصہ لیا پھر اُدھر سے چکّر کاٹ کر سامنے آئے
دوبارہ حصہ لے لیا بعض لوگوں نے اس طرح کئی کئی دفعہ حصّے لیئے۔ اُن
دھینئے کی طشتریاں بھی اسی طرح تقسیم ہوئیں۔ نکاح اور تقسیم شیرینی کے
بعد لوگ کھسکنے شروع ہوئے کب تک کوئی بیٹھا رہے۔ بارہ بج گئے انتڑیاں
قل ہو اللہ پڑھنے لگیں۔ پیٹ میں جو ہے قلابازیاں کھا رہے تھے۔ اتنے

[1] طشت کی تصغیر ہے تشتری بھی درست ہے جیسے طبار اور تیار [2] صحیح لفظ کلابازی ہے مگر بولتے قاف سے ہی ہیں۔ ۱۲

میں دلہن والوں کی طرف سے کچوریاں اور پوری حلوے کا ناشتہ بٹنے لگا لوگ تھم گئے۔ اب دولھا اندر بُلایا گیا بہنوں نے آنچل ڈالا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی گود میں چڑھی ہوئی وہ بھی آنچل ڈالے ہوئے تھی۔ یہ بھی عجب طریقہ ہے کہ پردہ دار عورتوں کی موجودگی میں دولھا کو اندر بُلا لیا جاتا ہے اگرچہ دولھا آنچلوں کے بوجھ اور موڑھ پر رومال اور جھُکا جھکایا ہونے سے بہ خوبی دیکھ نہیں سکتا اور یوں بھی شریف مرد خود آنکھیں نیچی کر لیا کرتے ہیں مگر سب آدمی یک ساں نہیں ہوتے یہ مانا کہ دولھا نے نہ دیکھا ہو لیکن عورتوں کی نگاہ تو غیر مرد پر پڑی۔ مرد نے عورت کو دیکھا یا عورت نے مرد کو چھُری ککڑی پر گرے یا ککڑی چھُری پر بات تو ایک ہی ہے جو محتاط اور با لحاظ عورتیں ہیں وہ ایسے موقع پر جان بوجھ کر ٹل جاتی ہیں کہ کون اس خقلبش میں جائے۔ دولھا کے گھر میں جاتے ہی ڈومنیوں نے لہک لہک کر گانا شروع کیا۔ کئی دن سے چیختے چیختے اُن کی آوازیں بیٹھ گئیں تھیں تاہم اُنھوں نے کس لشنو ہا نشنو د گانا شروع کر دیا۔

ہریالے ہمارے بنے کے لیے سہرا گندھ لا موری مالنیاں
بیلے چنبیلی کی کلیاں سہرا گندھ لا موری مالنیاں
آؤ موری مالن۔ بیٹھو مورے آنگن کر سہرے کا مول
سات لکھ سہرے کا مول۔ اس کی عطر میں بسی لڑیاں

لے مالن ہمارے دولھا کے لیے سہرا گوندھ کر لے آ جس میں بیلے اور چنبیلی کی کلیاں ہوں ہماری مالن آ اور ہماری انگنائی میں بیٹھ کر سہرے کا مول چکا۔ اب مالن کہتی ہے کہ سہرے کی قیمت سات لاکھ روپیے ہیں اور اس کی لڑیاں عطر میں بسی ہوئی ہیں۔ ۱۲

ہر بالے ہمارے بنے کے لیئے سہرا گندھ لا موری مالنیاں

بنا بنڑی کے لیئے سبھ گھڑی آیاری بنا یہ مرا ہریالا بنا. یہ مرادوں پایا بنا[1]

بنا بنڑی کے لیئے نت (اچھی) گھڑی آیاری بنا

ایک تو بنّا بنا اور بنے کے باوا بنے چل کے دیکھوری سکھی سب میں نیارا بنا

بنا بنڑی کے لیئے الخ

ایک تو بنّا بنا اور بنے کے بھائی بنے بیجیں مخمل کی بچھیں تکیئے مشجّر کے لگے

بنا بنڑی کے لیے الخ

دور سے آیاری بنا راج دلاراری بنا بنا بنڑی کے لیئے نت گھڑی آیاری بنا

بنا بنڑی کے لیئے الخ

دُلہن کو وہی اُن کی مُمانی اُٹھا کے لائیں جو منگنی میں لائی تھیں کیوں کہ انھیں کا سُہاگ ٹوٹا پڑا تھا دلہن کے اِردگرد دس پانچ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دلہن کو دولھا کے سامنے لا بیٹھایا۔ آرسی مصحف ہونے لگا دولھا دلہن کے اوپر ایک سرخ دوپٹہ ڈال کلام مجید اور ایک آئینہ بیچ میں رکھا گیا۔ دولھانے سورۂ اخلاص[2] پڑھ کر دلہن کے مُنھ پر دم کی اور کہا کہ آنکھیں کھولو۔ دُلہن تو سکھائی پڑھائی تھیں وہ

[1] دولھا دلہن کے لینے کو مبارک گھڑی میں دور سے آیا۔ یہ لاڈلا اور با مُراد دولھا ہے جو اچھی گھڑی آیا ہے اور دولھا کے باپ اور بھائی نے بناؤ کیا ہے سہیلیوں ذرا چل کے تو دیکھو دولھا سب میں اچھا بنا ہے محفل آراستہ ہے مخمل کی سیجیں اور مشجّر کے تکیئے لگے ہوئے ہیں [2] سورۂ قل ہو اللہ کو سورۂ اخلاص کہتے ہیں ۱۲

ٹس سے مَس نہ ہوئیں اوپر والوں نے کہا میاں آنکھیں کھلوانا کیا آسان ہے یوں کہو "بیوی غلام حاضر ہے آنکھیں کھولو" دولھا نے یہ فقرہ کہا یا نہیں ایسے شور وغل میں جہاں کان پڑی آواز نہ سُنائی دے کون کہہ سکتا ہے مگر اتنا ضرور تھا کہ عورتوں نے ایک فرمایشی قہقہہ لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہہ دیا۔ دلہن کی آنکھیں کھلوا کر دولھا نے اپنی بڑی بہنا کی شکل دیکھی جس کے میاں کی چاہت کا بہت کچھ چرچا تھا۔ اِدھر آنکھیں کھلوائی جا رہی تھیں اور اُدھر ڈومنیاں یہ گا رہی تھیں۔

میری ہریالی گھونگٹ کھول راج دُلاری گھونگٹ کھول
گھونگٹ کھولو مُنھ سے بولو مری ہریالی گھونگٹ کھول
باوا کی پیاری گھونگٹ کھول اماں کی دُلاری گھونگٹ کھول
اک لکھ دوں گا گھونگٹ کھول دو لکھ دوں گا مونھ سے بول
مری ہریالی گھونگٹ کھول
سونے کی ڈنڈی روپے کے پلڑے بیٹھی ہے جوبن تول
گھونگٹ اُٹھا مکھ دیکھنے کا بنا پایا انمول نوشہ پایا انمول[1]
مری ہریالی گھونگٹ کھول
دولت سے تیرا گھر بھر دوں گا بچّوں سے بھروں تیری گود
مری ہریالی گھونگٹ کھول

---

[1] ایسا بیش قیمت کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

بیرا ٹھینگ منگ بر آیا ری	بڑی دوروں سے بنڑا بلایا
(چھوٹا دولھا)
اپنے دادا ابا کا گھوڑا لایا ری	بڑی دوروں سے بنڑا بلایا
اپنی اماں کا ڈولا لایا ری	بڑی دوروں سے بنڑا بلایا

جھالا دیتی آوے لاڈو	موتی بھری مانگ
ماتھے کو بابل ٹیکا دیجو	جھومر جڑت جڑاؤ لاڈو
(باپ)
موتی بھری مانگ
کانوں کو بابل پتے دیجو	کھٹکے جڑت جڑاؤ لاڈو
موتی بھری مانگ
گلے کا بابل چنپا دیجو	ہار جڑت جڑاؤ لاڈو
موتی بھری مانگ

لہ بیرا نتھا منا سا دولھا آیا جس کو بہت دور سے بلایا ہی۔ دولھا ساتھ اپنے دادا کا گھوڑا اور ماں کا ڈولا لایا ہی۔ ۱۲

ٔلہ دلہن کی موتیوں سے مانگ بھری ہوئی ہی اور وہ خرام ناز سے آرہی ہی۔ دلہن اپنے باپ سے کہتی ہی کہ ماتھے کے لیئے ٹیکا اور جڑاؤ جھومر اور کانوں کے لیئے پتے اور جڑاؤ کھٹکے گلے کے لیئے چمپا کلی اور جڑاؤ ہار دیجیئے۔ ۱۲

یہ تو مولویوں کا گھر تھا بہت سی ریت رسمیں ٹوٹنے[1] ٹوٹکے اس گھرانے میں نہیں ہوتے تھے نہ ایک ہاتھ سے دولھا سے ازار بند ڈلوایا جاتا تھا نہ ایک ہاتھ سے سروح پسوایا جاتا تھا نہ دلہن کے پاؤں کے نیچے پان کا بیڑا رکھ کر دولھا کو کھلایا جاتا تھا جس سے دولھا کا ناک میں دم آجائے تاہم کچھ کچھ ضروری ریت رسمیں ہوتی تھیں سُہاگ پُڑے میں سے خوشبو نکال کر سات سہاگنوں نے سروح پسیا جو دولھا نے دلہن کی مانگ میں بھرا۔ ڈومنیوں نے دولھا سے نُوباتیں[2] چنوائیں۔ اسی وقت ڈومنیاں گا رہی تھیں۔

شربت سے میٹھا ری بنا ہریالا ری بنا میٹھا ری بنا

ان مختصر رسوم کے بعد دولھا کو چھٹکارا ملا۔

[1] ٹونا اس گیت کو کہتے ہیں جس میں دولھا سے عجز و فرمان برداری کا عہد لیا جاتا ہے اور ہر ٹونے پر "ٹونا میرا جگت سلونا" کہہ کر دولھا سے اقرار لیا جاتا ہے کہ یہ ٹونا مجھے لاگا۔ یعنی اس جادو نے مجھ پر اثر کیا اور میں اس کا پابند ہو گیا۔ بہ طور نمونہ ہم ایک ٹونا لکھ دیتے ہیں۔ ڈھائی پونی کچا سوت ہیں باندھوں ساسو کا پوت۔ باندھ بوندھ کر کیا غلام۔ دہلی بیٹھا کرے سلام۔ مطلب۔ روئی کی ڈھائی پونی اور کچے سوت پر پڑھ کر اپنے منتر کے زور سے اپنی ساس کے بیٹے کو پکڑ لوں گی اور باندھ کر ایسا فرماں بردار بنا لوں گی کہ دہلیز پر بیٹھا سلام کیا کرے اسی بیل کے بہت سے ٹونے ہیں ٹوٹکے اس طریقے کو کہتے ہیں جو عملاً کئے جاتے ہیں۔ مثلاً دلہن کی جوتی پر کاجل پار کر دولھا کی آنکھوں میں لگانا تاکہ ہمیشہ جوتی کے تلے دبا رہے اور کبھی آنکھ سامنے نہ کر سکے اور اس قسم کی سیکڑوں باتیں عورتوں نے گھڑ لی ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے دولھا مطیع و مغلوب ہو جاتا ہے۔

[2] اصل میں نبات ہے یعنی مصری کی ڈلیاں دلہن کے سر اور شانوں پر رکھتے ہیں اور بلا ہاتھ لگائے دولھا کے مُنہ سے اُٹھواتے ہیں۔ جہاں دولھا مُنہ لایا کہ اُنھوں نے ڈھکایا اور جھٹ مصری کی ڈلی اُٹھا کر دوسری جگہ رکھدی اسی طرح دولھا کو ستاتی اور تماشہ کرتی رہتی ہیں۔ دولھا منہ کھول کر رہ جاتا ہے بعض وقت کھسیانا بھی ہو جاتا ہے۔ ۱۲

اُنیسواں باب جہیز

دو لھا باہر آیا۔ جہیز نکلنے لگا۔ دولھا والے فہرست سے مقابلہ کرنے لگے۔

دلہن کے میکے کے گہنے یہ تھے۔

کانوں کے پتے بالیاں ڈیمنڈ کٹ[1]۔ سہارے۔ جھلنیاں۔ بجلیاں۔ گلے میں گلوبند۔ چمپاکلی۔ توڑا۔ جگنی۔ مالا۔ تعویذ جس پر ماشاراللہ کندہ تھا۔ ہاتھوں کے ٹھوس کڑے۔ پونچیاں۔ چوہے دنتیاں۔ نوگریاں۔ مرہٹیاں۔ بازوؤں کے جوشن۔ نونگے۔ ہاتھوں کی انگوٹھیاں۔ چھلے جوڑ۔ پاؤں میں سونے کے لچھے۔ ڈائمنڈ کٹ جھانجن۔ چھلے چٹکیاں۔ چاندی کے بیں بیں بل تین تین چوڑیاں۔ انگاسے ساختہ بمبئی۔ چھہ کٹ۔ پلنگ چاندی کا صندوق بڑے دو۔ پٹیاں (چھہ) نماز کی چوکی۔ گھڑونچی۔ لگنیں۔ طشت چوکی۔ تانبے کے چھوٹے بڑے برتن ڈیڑھ سو۔ چینی کے برتن دو سو۔ دیگیں دو۔ یہ تو معمولی چیزیں تھیں جو اکثر جہیز میں دی جایا کرتی ہیں صندوق اور پٹیوں میں جوڑے تھے بہت سلیقے کے خوش نما بھاری بھرکم تھے مگر جہیز میں جو نئی چیزیں تھیں وہ یہ تھیں۔

سنگر سوائنگ مشین۔ ملباں گراموفون[2]۔ کھانا پکانے کا ولایتی چولھا۔ سپرٹ سٹوو پینے کی گل جس میں سپرٹ سے چائے پکتی ہے۔ سماوار۔ پانی گرم کرنے کا بھپکا۔ کرسیاں ایک درجن۔ آرام کرسیاں دو جھولے کی کرسیاں دو۔ کوچ دو۔ ایلومینیم کے کیتلی چائے کا

[1] یہ ساخت کی ایک خاص وضع ہے ڈائمنڈ ہیرے کو کہتے ہیں اور کٹ تراشنے کو یعنی ہیرے کی تراش۔ ۱۲

[2] وہ باجا ہے جس سے عین انسان کی آواز نکلتی ہے اور اب کثرت سے چل پڑا ہے۔ ۱۲

برتنوں کا سٹ۔ چائے کا سٹ۔ چینی کے برتنوں کا سٹ بارہ آدمیوں کا چھری کانٹے چمچے۔ کھانے کی میز۔ ڈرسنگ ٹیبل (سنگھار میز) گول چھوٹی میزیں دو تپائیاں دو لیمپ بجلی۔ اور گیٹسن لائیٹ کے میز کے اور لٹکانے کے چار۔ دریاں فرشی آگرے کی چار۔ قالین ساختہ ورنگل[1] دو۔ رسٹ واچ طلائی (کلائی کی گھڑی) کیرج کلاک (میز کی گھڑی) گھنٹا۔ دیوار گیریاں لکھنے کی میز لکھنے کا صندوقچہ سینے پرونے کا بکس۔ الماری کپڑے رکھنے کی چسٹ ڈرا کپڑے رکھنے کا شش درا۔ گنجینہ۔ ٹفن بسکیٹ[2]۔ گلیڈسٹون بیگ[3]۔ ٹرنک یعنی لوہے کے صندوق ولایتی چھوٹے بڑے چھ۔ الماری کتابوں کی شیشہ دار جس میں مجلد کتابیں سلیقے سے چنی ہوئی تھیں۔ پالکی۔ دولہا کا گھوڑا مع ساز۔ جہیز کے نکلتے نکلتے ایک بج گیا تھا۔ سڑک پر دو رویہ کھانچی والیوں کی قطار بیٹھی ہوئی تھی۔ اُن کی کھانچیوں میں برتن چنے ہوئے تھے۔ پلنگ اور چھپر کھٹ شہدے[4] لیئے بیٹھے تھے۔ کھانچی والیوں کی ریل پیل برتنوں کی تقسیم۔ اُن کی نگرانی کچھ کم مشکل کام نہ تھا۔

[1] ریاست سرکار عالی نظام میں ایک مشہور مقام ہے [2] ناشتہ رکھنے کا صندوق جو بید کا ہوتا ہے [3] چمڑے کا صندوقچہ نما بٹوا جس میں متفرق سامان رکھ کر ہاتھ میں لٹکا لیا جاتا ہے [4] یہ لوگ اکثر شریف زادے بلکہ شاہی خاندان کے ہیں جو ایک زندہ تصویر اپنی بدکرداریوں کی ہیں عادات بد اختیار کر کے تباہ اور روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ قدرے قلیل جو وثیقے ان کے نام سرکار سے تھے وہ بھی بیچ کھوچ ڈالے اور شہدے کہلانے لگے۔ اب بیاہ بارات میں یہی پلنگ اٹھاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس زمانے کا کیسا انقلاب ہوا کیا تھے اور کیا ہو گئے ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ✦ ہو گئے خاک انتہا یہ ہے ✦ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۱۲

بھوڑے[1] کے کھانے کی دیگیں کہاروں نے ڈولیوں میں رکھ لیں صراحی اور بُجھیرا[2] اور لگن[3] سقنی نے اٹھایا۔ طشت چوکی[4] حلال خوری نے سنبھال لی دولھا والے ایسے ہوشیار تھے کہ انھوں نے ایک ایک چیز کو نظر میں رکھا۔

بیسواں باب دلہن کی رخصت

غصب کا سامنا ہے آج وہ گھر سے نکلتا ہے　　دلِ مضطر تڑپتا ہے کلیجہ کوئی ملتا ہے

دولھا پھر اندر بلایا گیا۔ اس وقت ڈومنیوں نے منڈھا گانا شروع کیا یہ وقت ایسا تھا کہ ما و شما سب آب دیدہ تھے۔ دلہن کی ماں کو غش آگیا۔ دلہن کی روتے روتے آنکھیں الٹ گئیں۔ سانچق ہی کے دن سے اس کی آنکھ کا آنسو نہ تھما تھا۔

منڈھا

ہرے[4] ہرے بانس کٹا مورے (میرے باپ) بابل　　نیکا (اچھا) منڈھا (منڈوا) چھوا اُو رے
پربت (پہاڑ) بانس منگا مورے بابل　　پاؤں منڈھا چھوا اُو رے

---

[1] میکے سے جو کھانا دلہن کے ساتھ وداع کے وقت آتا ہے وہ بھوڑا کہلاتا ہے [2] جس میں پانی بجھایا جاتا ہے [3] جس پر صراحی رکھی جاتی ہے [4] دلہن باپ کی طرف خطاب کرکے کہتی ہے کہ میرے ابا جان اب میری رخصت کا وقت قریب آگیا ہرے ہرے بانس کٹوا کر اچھا منڈھا چھواؤ

(باقی برصفحہ آئندہ)

شگنی - بخومی - جوتشی - سب ہی نیچ بلاؤ رے

شگون دیکھنے والے

جیسی لاڈلی بیٹی بابل ویسا ہی کاج رچاؤ رے - ہرے ہرے بانس الخ

کام بھی ویسا ہی کیا ۔۔۔ چھلاؤ

منڈھے اوپر کلس براجے دیکھے راجا راؤ رے

رونق دے رہا ہے بڑے لوگ

مستک ہاتھی سوبھا دینا بابل دل دریاؤ رے ،،

بطور رونق باپ ذی ہمت ہے

سونا بھی دینا روپا بھی دینا دینا جڑت جڑاؤ رے

چاندی جڑا جڑاؤ زیورات

ایک نہ دینی سر کو رے کنگھی مری ساس نندلول رے ،،

صرف ایک سر کی کنگھی نہ دی تو ساس نند طعنہ دے رہی ہیں

نو مہینے گرب میں راکھا آج نہ راکھی جائے رے

پیٹ رکھا اب نہ رکھا جائے

اوٹلے رے کوٹلے گڑیاں چھوڑیں چھوڑی سکھیوں کا ساتھ رے ،،

کونے کونے سہیلیوں

بھائی کو دینی اونچی اٹریا ہم کو دینا بدیس رے

بالاخانہ ہا بھجوادیا پردیس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابا جان پہاڑ سے بانس منگاؤ اور پتوں کی بجائے پانوں کا منڈھا چھواؤ تاکہ تمھاری بیٹی کے ساتھ محبت دیکھی جائے۔ شگون بچارنے والے۔ اچھے بُرے ستارے دیکھنے والے نجومیوں کو بلالو تاکہ وہ رخصت کا اچھا وقت اور مہورت دیکھ لیں۔ جیسی لاڈلی تمھاری بیٹی ہے ویسا ہی بیاہ بھی رچانا۔ میرے ابا تمھاری عالی حوصلگی سے منڈھے کے اوپر کلس چمک رہا ہے کہ راجہ اور ساہو دیکھ دیکھ کر عش عش کر رہے ہیں۔ جہیز کے ہاتھی کا ماتھا ایسا آراستہ ہے کہ اس سے میرے ابا کا دریادل ہونا ثابت ہے۔ سونا چاندی۔ جڑاؤ زیور سبھی کچھ دیا مگر صرف ایک سر کی کنگھی نہ دینے سے ساس نندیں طعنے مار رہی ہیں۔ اماں نے نو مہینے پیٹ میں تو رکھ لیا مگر اب اُن سے بھی (گھر میں) نہیں رکھا جاتا۔ میں نے میکے میں جا بجا اپنی گڑیاں ہی نہیں چھوڑیں بلکہ اپنی سہیلیوں کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔ بھائی کو تم نے اونچا مکان دیا اور مجھے پردیس میں بیاہ دیا۔ ابا جان خدا حافظ! تمھارا گھر تم کو مبارک ہم تو اپنے دولھا کی بستی کو چلے۔ ۱۲

لے بابل گھر آپنا ہم چلے پیا کے دیس رے۔ ہرے ہرے بانس۔ الخ
شوہر کے ملک

دوسرا منڈھا

کاہے کو بیاہی بدیس سن بابل میرے
پردیس

ہم تورے بابل پچھاندے کی چڑیاں رین بسے اُڑ جائیں رے۔ سن بابل میرے
باپ

ہم تورے بابل بیلے کی کلیاں گھر گھر مانگی جائیں رے ”
جال / زانت

ہم تورے بابل جنگل کی گیّاں جدھر ہانکو ہنک جائیں رے ”

طاق بھری گڑیاں جو چھوڑیں تو چھوڑا سہیلی کا ساتھ ”
گائیں

ننگے ننگے پیروں بابل جو دوڑا ڈولا تھام رے ”

تیری بیٹی میرے محلوں کی رانی یہ سب تیرے باندی غلام رے ”

بیٹوں کو دینا محل دو محلے ہم کو دیا ہی بدیس رے ”

کوٹھے تلے سے پلکیا جو نکلی دان جہیز رے ”

نیم تلے سے ڈولا جو نکلا بیرن نے کھائی پچھاڑ رے ”
پالکی

ڈولے کا پردہ اٹھا کے جو دیکھا چھوٹا بابل تیرا دیس ”
بھائی

تائی چچا کی پاس بیاہیں ہم کو دیا ہی بدیس ”

تایہ اور چچا کی لڑکیاں تو پاس بیاہی گئیں اور مجھ کو پردیس میں بیاہ دیا

فی الواقع یہ وقت ایسا ہوتا ہی کہ پتھر کا کلیجہ بھی پگھل جاتا ہی اسی دن کے واسطے لوگ لڑکی ہونے سے گھبراتے ہیں کس ناز و نعم سے سترہ برس پالا پوسا دل پر میل تک نہ آنے دیا۔ کیا کیا دُکھ اُٹھائے سیکڑوں بلکہ ہزاروں روپئے صرف کیے

ہزاروں کا جہیز دیا آخرکار لڑکی دوسرے کے گھر چلی - امیر و غریب سب اس حالت میں یکساں ہیں جس لڑکی نے اکھٹے سترہ برس اس گھر میں اپنے ماں باپ بہن بھائی عزیز و اقربا کے ساتھ چین سے گزارے آج وہ اُس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتی ہے اور کس گھر میں جاتی ہے جہاں کا ہر شخص اُس کے لیے بیگانہ ہے جن میں کسی کو بھی وہ نہیں جانتی - ایک نئی دُنیا ہے جس میں آج وہ داخل ہوتی ہے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں جاتی ہے اور ایسے لوگوں میں جاتی ہے جو اس کی نشست و برخاست - عادات و اطوار - غرض تمام حرکات و سکنات پر نگاہ رکھتے ہیں - کیوں کر اُٹھتی ہے کیوں کر بیٹھتی ہے کس طرح کھاتی پیتی ہے اپنے پرایوں سے کس طرح ملتی جلتی ہے خو کیسی ہے مزاج کیسا ہے میاں سے برتاؤ کس طرح کا ہے ساس نندوں سے کس طرح رہتی ہے نظر استحسان سے دیکھنے والے کم ہیں مگر عیب جوئی اور طعنہ زنی کے خیال سے ہر ایک بات کی ٹٹول اور پرچول کی جاتی ہے غرض عجب امتحان کا وقت ہے اللہ ہی بیڑا پار کرنے والا ہے -

ساس نندیں قریب کے رشتہ دار تو کسی بات کو طرح بھی دے جائیں مگر آئے گئے کبھی چوکنے والے نہیں - ہنروں پر نگاہ نہ کریں بات کا بتنگڑ بنا کر کھڑا کر دیں ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر[۱]

---

[۱] خدا کرے کہ عیب ڈھونڈھنے والے کی آنکھ پھوٹ جائے کہ اُسے تو ہنر بھی عیب ہی دکھلائی دیتا ہے اور دوست کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر سو عیب ہوں اور صرف ایک ہی ہنر ہو تو وہ بس اس ایک ہنر ہی کو دیکھتا ہے قریب قریب یہی مضمون ان اشعار میں بھی ہے ؎ دوست باشد کہ از معائب دوست ✤ ہم چو آئینہ رو بہ رو گوید ✤ نہ کہ چوں شانہ با ہزار زبان ✤ پسِ سر رفتہ مو بمو گوید - ۱۲

در ہنر ے داری و صد گونہ عیب دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

ہم نے اپنی چھاتی پر پتھر رکھ کر اے پیاری لڑکی آج تجھے سترہ برس کے بعد رخصت کیا اور تجھے خداوند تعالیٰ محافظ حقیقی کے سپرد کیا وہی تیرا حامی و مددگار ہے ؎

سرنوشتِ ما بہ خط خود نوشت[1] خوش نبشت ست و نہ خواہد بد نوشت

سدا کوئی لڑکی میکے میں نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے دیر سویر سب کے لیئے یہ دن آنا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکی کا نصیب اچھا کرے۔ الٰہی اس کی نیک بختی اس کے آگے آئے دودھوں نہائے اور پوتوں پھلے۔ پروان چڑھے میاں کی لاڈو اور راج دلاری اور آنکھوں کا تارا بن کر رہے۔ الٰہی بوڑھ سہاگن ہو۔ سائیں جیئے۔ گود بھری رہے۔ ساس سسرے نند بھاوجوں کی چہیتی ہو۔ ہم کو قوی اُمید ہے کہ ایسی لڑکی جس کی تعلیم و تربیت شروع سے اچھی ہوئی ہو جس نے کسی کے دل کو ٹھیس نہ لگنے دی ہو جس کے سب چھوٹے بڑے گھر والے نوکر چاکر آئے گئے مدّاح و ثنا خواں و گرویدہ ہوں وہ ضرور سسرال کی نئی دنیا میں بھی ایسی ہی خوش و آباد اور لالوں کی لال بن کر رہے گی جیسی کہ میکے میں رہی جس کے اعمال دنیا میں اچھے رہے عاقبت میں بھی اُس کا بیڑا پار ہے اَلدُّنیا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ[2]۔ یہی حال میکے اور سسرال کا ہے جس کے سر میکے میں نیک نامی کا سہرا رہا وہ سسرال میں بھی ضرور پھولوں کی سیج پر [illegible]

[1] جو کچھ ہماری تقدیر میں ہے وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ہی لکھا ہے اور وہ تو اچھا لکھنے والا ہے بُرا کیوں لکھنے لگا [2] دنیا آخرت کی کھیتی ہے جیسا یہاں بوؤ گے ویسا وہاں پاؤ گے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافاتِ عمل غافل مشو

کرے گی جس نے میکے میں لوگوں کے دلوں کو یوں مسخر کیا ہو وہ ضرور میاں کے دل کو مٹھی میں لے گی اور سسرال والوں کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ بہتر ہے۔ اس رنج دہ سین کو جلد ختم کیا جائے کہ کلیجہ شق ہوتا ہے۔ زیادہ رنج و الم کا اظہار کرتے ہوئے وہم بھی آتا ہے۔

درمحفل خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

دولھا کو ساس نے چاندی کے کٹورے میں دودھ پلایا خاصدان میں رکھ کر پانسو روپیہ سلامی کے دیئے۔ دولھانے دلہن کو گود میں اُٹھا پالکی میں لا بٹھایا۔ دلہن کے ساتھ پیاری بیگم چھوٹی نند اور دو کم عمر لڑکیاں پالکی میں بیٹھیں۔ کہاروں نے بسم اللہ کہہ کر پالکی اُٹھائی۔ پالکی پر ایک بھاری سرخ دوشالہ پڑا ہوا تھا۔ پالکی کے ساتھ ماما عظمہ لپٹی ہوئی تھیں۔ دولھا کے چچا چاندی سونے کے پھول دوانیاں چونیاں نچھاور کرتے چلے جاتے تھے۔ شہدے لوٹ رہے تھے "ابے پھینک ابے پھینک" کی صلواتیں بھی اُڑ رہی تھیں۔ دولھا کی اماں کی گاڑی کو بھی شہدے اور فقیر فقیرنیاں گھیرے ہوئے تھے۔ کوئی کہتا تھا بیر بے ٹھیر دیتی ہیں صندوقچی کی کنجی ڈھونڈ رہی ہیں۔

دوسرا۔ ابے صبر کر بٹوے کو گرہ لگ گئی ہے کھول رہی ہیں مگر وہ وقت ایسا تھا کہ خوشی کے سبب کوئی بات بُری نہ لگتی تھی۔ بارات کے نکلتے ہی حلال خوری نے نکڑ پر بارات کو روکا اور نیگ لینے تک قدم آگے نہ بڑھانے دیا۔ اسی طرح جب

۵۱ مجھ جیسے غم زدہ کو اپنی محفل میں کیوں بلاؤ جس کا دل رنجیدہ ہوتا ہے وہ ساری مجلس کو ملول کر دیتا ہے۔ ۱۲

دولھا والوں کی گلی میں بارات داخل ہوئی حلال خوری نے نیگ دھروالیا۔ بارات گشت کرتی ہوئی آئی اور دو بجے گھر پہنچی مگر سمدھنیں پہلے ہی سے آگئی تھیں۔

اکیسواں باب۔ دولھا کا گھر اور دلہن کی آمد

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
انگلیاں سرو اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کہاروں نے دلہن کی پالکی کندھے سے نہ اتاری جب تک بھرپور اپنا انعام نہ رکھوالیا یہی موقع گھر کے کہاروں کے لڑنے جھگڑنے کا ہوتا ہے۔ دودھ سے دلہن کا انگوٹھا دھلایا گیا تب سردار میرزا صاحب نے اتار اگھر میں لے چلے تھے کہ انگنائی میں پہنچتے ہی باڑھ روکی گئی۔ بہنوں نے راستہ روک لیا۔ مرزا صاحب بڈھے آدمی دلہن ان سے سنبھلتی نہ تھی۔ اُن کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ گھر میں سب سے بڑے بوڑھے یہی تھے لوگ ان سے ڈرتے بھی تھے مگر اس موقع پر ڈر و رسب بالائے طاق تھا۔ یہی وقت تو لڑنے جھگڑنے کا تھا "نیگ دلوائیے۔ نیگ دلوائیے" کی پکار تھی۔ دلہن کی ممانی سہارا لگائے ہوئے تھیں انھوں نے کہا لڑکیوں ذرا تو دم لو۔ دلہن کو بٹھا لینے دو نیگ کیا بھاگا جاتا ہے۔ لڑکیوں نے کہا واہ واہ خوب کہی یہی تو موقع ہے پھر کون دیتا دلاتا ہے۔ غرض مولوی صاحب سے بھلی طرح سو روپئے قبولوائے تب رستہ چھوڑا۔ مرزا صاحب پیش دالان میں مسند پر گاؤ تکیئے کے پاس دلہن کو بٹھا مردانے میں چلے گئے۔ لڑکیوں نے جہاں آرا بیگم کو دم نہ لینے دیا اسی وقت

سو روپے ان سے گنوا لئے تب چین پڑا۔ اُس وقت لڑکیوں کی خوشی دیکھنی تھی گویا ان کو بادشاہت مل گئی۔ اُچھلتی کودتی بھاگیں۔ نیگ جب بٹا تو سارے کنبے کی بہنوں کو ملا۔ سگی بہنوں کے علاوہ خلیری۔ پھپیری ممیری۔ چچیری اور رشتے کی بہنیں چھوٹی بڑی سب مل ملا کر خدا رکھے ماشاءاللہ کوئی تیس چالیس ہوئیں سو روپیہ اُن میں حصّے ہو گئے۔ قریب کے رشتے کی بہنوں کو کچھ زیادہ اور دور والیوں کو تو سوا روپئے سے زیادہ نہ ملا ایسے مواقع پر روپے کی تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ اپنے دعوے اور حق کا تو تھوڑا بھی بہت معلوم ہوتا ہے۔ دلہن کے بٹھانے کی دیر تھی کہ شمع کے گرد پروانوں کا ہجوم ہو گیا۔ لڑکیاں گری پڑتی تھیں کہ کسی طرح پہلے ہم دلہن کا مونھ دیکھ لیں۔ بارات اس قدر دیر سے واپس آئی کہ کھانے کا وقت ٹل گیا۔ سب سے پہلے تو مہمانوں کو بھوڑے کا کھانا جو دلہن کے ساتھ (گیارہ دیگیں بریانی کی چار نفنجن کی دو طرح کا سالن (۲۵۰) جوڑ خوانچہ فرنی کے چار کشتیاں باقرخانیوں کی) آیا تھا کھلایا گیا اور اُدھر دولھا دُلہن کو ست گولے کی کھیر کھلائی گئی۔ بہنوں نے خوب اُچکا دولھا کو ڈیہکایا جب سب کھانے پینے سے فراغت ہو چکے تو مُنہ دکھائی شروع ہوئی رشتہ داروں نے حسب حیثیت روپیہ اشرفیاں کچھ زیورات چڑھائے جس کا جیسا رشتہ ویسا دینا غریبوں نے ان سب سے زیادہ دعا دی۔ جو دلہن کو دیکھتا تھا کھل جاتا تھا واقعی دلہن تھی بھی تو چاند کا ٹکڑا کہ ہاتھ لگائے سے رنگ میلا ہوتا تھا ؎

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمھیں
ادا تمھاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

دولھا کی ممانی رومال چھپاتے ہوئے مُنہ دکھائی لے رہی تھیں رومال

کی پوٹلی باندھ لی بعد میں دیکھا تو نو عدد زیور اور چڑھے تھے چار انگوٹھیاں دو چھلے ایک ٹِھا۔ کرن پھول جھمکے۔ نو گریاں جڑاؤ۔ سوا پانسو روپیہ اور گیارہ اشرفیاں مونھ دکھائی کی ہوئیں۔ رات کو بھرڈو بنیوں نے گانا شروع کیا۔ بیویاں گانا اور طرح طرح کی نقلیں سنتی رہیں بیلیں دیتی رہیں بڑی رات تک یہی مشغلہ رہا۔

گیت

آیاری لاڈو تیرا بنا بن آیا ؎ مقنع سر سہرا براجے اچھی بنو گھر لایا۔ اللہ نبی کا سایا

آیاری لاڈو۔ الخ

سہرے والاری بنا۔ سہریالاری بنا مرادوں پایاری بنا۔ باوا پیاراری بنا

آیاری لاڈو الخ

ناچوری گھونگٹ کھول

گھونگٹ میں تیرے چندا (نازنین) براجے لال لگے انمول۔ ناچوری۔ الخ

منّا پیاری گھونگٹ کھول (چاند) باوا پیاری گھونگٹ کھول (امّاں کی پیاری)

ناچوری گھونگٹ کھول

؎ لاڈو تیرا دولھا بناؤ کرکے بن ٹھن کے آیا ہے۔ اُس کے مُنھ پر مقنع اور سر پر سہرا زیب دے رہا ہے۔ وہ تجھ جیسی کیسی اچھی دُلہن اپنے گھر لایا ہے تیرے دولھا کو دلی مراد ملی ہے وہ اپنے باپ کا لاڈلا ہے۔ ۱۲

بنے[۱] مکھ دیکھ تری بنو ہی سہاگ بھری تاروں بھنی رات رے رہیو جیسے چندر کی کرن کھڑی

بنے مکھ دیکھ۔ الخ

×

پھولوں باسی بنو سووے رنگ بھینی بنڑی رنگ بھینا بنڑا

عطر باسی بنو سووے رنگ بھینی بنڑی رنگ بھینا بنڑا

):(

مثل مہتاب بنی ہی بنے بنڑی تیری

کیا کیا تعریفیں کروں اس تیری بنڑی کا بھلا شعلۂ نور ہی یا حور ہی یا رشکِ پری

ہو مبارک یہ لگن خوش رہیں دولھا دُلہن جیوے یہ لاکھوں برس راج دُلاری بنڑی

مانگو سب مل کے دُعا دور رہے بنڑی کی بلا جیوے یہ بنا بنی خوش رہیں دونوں یہ سدا

صبح سویرے دُلہن کی ساتھ والیوں سے معلوم ہوا کہ دولھا نے ایک بیش قیمت جڑاؤ انگوٹھی دلہن کو پہنائی اور سات اشرفیاں دلہن کے ہاتھ میں دیں۔ دولھا تو ہمیشہ کے شرمیلے اور کم سخن تھے گو وہ شرم کے مارے منہ سے کچھ نہ کہیں مگر خوش خوش تو نظر آتے تھے غنیمت ہی کہ دُلہن پسند آئی اور مرضی کے موافق جوڑا ملا۔ صبح سات نہیں بجے تھے کہ دُلہن کے بھائی اور کئی چھوٹے چھوٹے لڑکے مٹھائی کے خوان ساتھ لیے ہوئے دُلہن کو لینے آئے دلہن دولھا کو ناشتہ بھیج کر

[۱] ای دولھا اپنی دُلہن کی صورت دیکھ وہ بڑی خوش نصیب ہی۔ آج تاروں بھری رات ہی تم بھی چاند کی کرن کی طرح جاگتے رہنا (رات خواب غفلت میں نہ کھو دینا) [۲] پھولوں اور عطر میں بسی ہوئی دلہن آرام کر رہی ہی۔ دولھا اور دلہن دونوں کا رنگ سُہانا ہی۔ ۱۲

ان بچوں کو ناشتہ کرایا۔ دولھا نے ہر چند کوشش کی کہ دلہن ذرا سا ناشتہ چکھ لیں مگر مُغلانی کی تعلیم تھی کہ خبردار ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے ہرگز بھول کر بھی ایک دانہ نہ کھائیو۔ بدرالنسا جیسی سمجھ دار لڑکی ایسی لغو باتوں کو خوب جانتی تھی مگر رسم و رواج کو کیا کرتی اگر خدانخواستہ ایک ٹکڑا بھی چکھ لیتی تو ابھی بے شرمی کی دھاک پڑجاتی بیویاں باتیں بنانے لگتیں۔

ایک بیوی۔ اے لو غضب خدا! دلہن نے تو کمال ہی کیا کہ خاصی طرح آدھی کچوری کھالی۔

دوسری بیوی۔ اے بوا!۔ فاقے سے ہوں گی ان کے باوا کے گھر ناشتہ نہ جڑتا ہو گا تب ہی تو بھکڑوں کی طرح گریں۔ گُ دن گُ رات۔ توبہ ایسا بھی کیا غضب ہے آج کل کے زمانے کی لڑکیوں کی شرم وحیا بالکل اُڑ گئی ہے کیسا ندیدا پن ہے۔ ایک ہمارا دلہن پنا تھا خدا جھوٹ نہ بلوائے میں نے تو چاروں چالوں تک کھایا ہی نہیں شبّتی کے ابا نے سیکڑوں قسمیں دیں منتیں کیں۔ ہاتھ تک جوڑے۔ قدری کی (شاید صرف سجدہ کرنا باقی رہ گیا تھا) مگر میں نے نہ تو آنکھیں کھولیں نہ ایک کھیل میرے منہ میں اُڑ کر گئی (شاباش بہت اچھا کیا!)

تیسری۔ اچھی بوا۔ پھر تم کیا پھول سونگھ کر جیتی تھیں؟ شرم تو سب کوئی کرتے ہیں مگر دو چار ہی دن نہ ایسا جیسا کہ تم کہہ رہی ہو تو بہ میرا تو دم اُلٹ جائے

دوسری تو میں کیا جھوٹ بولتی ہوں پھول سونگھ کر کوئی جیتا ہو گا۔ جو میں جیتی۔ اماں کے ہاں سے دو وقتہ ماما آیا کرتی تھی وہ برقع میں چھپا کر کچھ نہ کچھ

لے آتی تھی نگاہ بچا کر مجھے دے دیتی ہیں چپکے سے کھا لیتی تھی۔ کسی کو آج تک کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ شرم کے مارے کچھ نہیں کھاتیں

تیسری۔ لوگ تم جیسے بے وقوف کیوں ہونے لگے بوا پیٹ تو سب کے ساتھ لگا ہوا ہے یہ بُری بلا ہے ایک وقت سے دوسرا وقت ہو جائے اور کھانا نہ ملے تو قلعی کھُل جاتی ہے آنکھیں ڈگر ڈگر کرنے لگتی ہیں کھائے کے گال اور نہائے کے بال نہیں چھُپتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہوں گے کہ میکے سے کھانا آتا ہوگا چھُپا کر کھا لیتی ہوں گی تمھارے لحاظ سے کسی نے موںھ پر نہ رکھا ہوگا چاروں چالے تو کیا چار دن بھی آدمی بے آب و دانہ نہیں رہ سکتا۔ ایسی فضول شرم بالکل عقل کے خلاف ہے بھوک پیاس اللہ نے سب کے ساتھ لگا دی ہے نہ بھکڑوں کی طرح دسترخوان پر ٹوٹ پڑے کہ دولھا کے ہاتھ سے نوالے اُچک لے نہ یہ کہ چھوئی موئی بن جائے کہ کچھ کھلائے ہی نہیں ؎

اچھے کو بُرا بُرا کو اچھا سمجھے کتنی یہ بُری سمجھ ہے اچھا سمجھے

یہ سچ ہے کہ جس آنکھ میں شرم نہیں وہ آنکھ ہی کیا۔ عورت کا بڑا زیور شرم وحیا ہے لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ع حد سے بڑھا جو خال وآخر مسا ہوا۔ کھانے پینے آنکھ نہ کھولنے کی تو کوئی شرم نہیں اصلی شرم جن باتوں میں چاہیئے وہ اور ہی ہیں۔

دوسری۔ بھئی ہمیں ایسی ہنسی اچھی نہیں معلوم ہوتی مفت میں تم نے مجھے بے وقوف بنا دیا گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان۔ اب بڑھاپے میں کیا نصیحت کرنی بیٹھی ہو۔ تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ بٹر بٹر دیدے کھول دے اور

ایک روٹی کے چار نوالے کرتے

تیسری۔ میں کب کہتی ہوں کہ پٹر پٹر دیدے کھول دے۔ ہماری طرف سے تم اندھا بھینسا بن جاؤ ٹٹولتی پھرو بھوکی مرو۔

دوسری۔ (بگڑ کر) واہ واہ تم بھی خوب ہو ہنسی ہنسی کی باتوں میں کوسنے لگیں نوج دور پار ٹٹولتی پھرو تم۔ دیدے پٹم ہوں تمھارے بھوکی مرو تم۔ مجھے ایسا مذاق نہیں بھاتا نہ میں کسی سے ایسا مذاق کروں۔ خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ اوئی تم نے کیسا بھر منہ کر مجھے کوسا۔ زیادہ تو میں اور کیا کہوں الہٰی تمھارے دیدے گھٹنوں کے آگے آئے تم ٹٹولتی پھرو اور میں دیکھوں۔ اچھا خیر یہ باتیں تو تمہارے نزدیک شرم کی نہیں ہیں پھر وہ شرم کی کونسی انوکھی باتیں ہیں ذرا میں تو سنوں

تیسری۔ تم تو ناحق خفا ہونے لگیں ہم جولیوں میں ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں مگر کوئی بُرا نہیں مانا کرتا نہ مجھے یہ خبر تھی کہ تمھارا غصّہ ناک پر دھرا ہوا ہے تم شوق سے مجھے اور دس باتیں کہہ لو۔ بھلا تمھارے سوال کا جواب میں کیا دوں وہ کوئی ایک بات ہی جو میں تم کو تبلاؤں خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہی۔ سینکڑوں باتیں ہیں جو آئے دن پیش آتی رہتی ہیں میں کہاں تک گنواؤں۔ نہ اس وقت موقع ہی۔ ان شاء اللہ پھر کسی وقت فرصت سے ملیں گے تو دل کھول کر باتیں ہوں گی۔ اب تو آپ اپنا غصّہ تھوک ڈالیئے۔

بائیسواں باب۔ دُلہن میکے میں

دلِ بے تاب وہ آتے ہیں خدا جر کرے صبر کر صبر ذرا ہمرے مچلنے والے

دلہن آٹھ بجے میکے روانہ ہوئیں۔ ماں دیر سے دروازے پر کھڑی انتظار

کر رہی تھیں کہ اب لڑکی آتی ہی ہوگی۔ بیٹی کے پالکی سے اُترتے ہی وہ ابھی سلام بھی نہ کرنے پائی تھی کہ ماں بیٹی کو لپٹ گئیں۔ پیار کیا۔ بلائیں لیں اُن کی یہ بے قراری کچھ بے جا نہ تھی۔ چھ ہزار دو سو پانچ دن جو شخص ایک لمحے کو جدا نہ ہوا ہو وہ ایک دم سے بچھڑ جائے۔ ماں کا دل کیا کہتا ہوگا جس گھر میں مہینوں پہلے سے چہل پہل تھی رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں جس گھر میں کل صدہا مہمان بھرے ہوئے تھے دُلہن کے وداع ہوتے ہی سب ہوا ہو گئے۔ ہو کا عالم ہو گیا سارے گھر پر بے رونقی چھا گئی۔ مکان کی رونق مکیں سے ہوتی ہے تیسرے پہر تک سب مہمان رخصت ہو گئے دو ایک کو زبردستی دلہن کی ماں نے کہہ سن کر ٹھیرا لیا تھا وہ بھی اُن کی خاطر سے رہ گئے تھے کہ یہ بے چاری اکیلی ہیں۔ رات کاٹے کھانے کو دوڑتی تھی۔ اتنا بڑا گھر سُنسان اور ڈھنڈار پڑا تھا۔ دلہن کی ماں بے چاری رات بھر کروٹوں پر کروٹیں لیتی رہیں مگر ساری رات پلک نہ جھپکی۔ تارے گن گن کر صبح کی ؎

جس کا دل دلبر میں ہووے کب اُسے آتی ہے نیند
کروٹیں لیتے ہی لیتے بس اُچٹ جاتی ہے نیند

اللہ اکبر ماں کی مامتا وہی جانتا ہے جس کی خود اولاد ہوتی ہے کیا یہ وہی لڑکی نہ تھی جس کو نو مہینے ماں نے پیٹ میں رکھا تھا۔ کیا یہ وہی لڑکی نہ تھی جسے پورے دو برس دودھ پلایا۔ کیا یہ وہی لڑکی نہ تھی جسے راتوں کو لیے لیے ماں پھرتی تھی۔ غرض یہ کہ ماں ہی کی یہ دولت پل پلا کر ہوئی آج سترہ برس کی جوان ہوئیں۔ ماں نے اپنا آرام و چین سب کچھ ان پر قربان کر دیا۔ اپنے

سے اچھا کھلایا۔ اپنے سے اچھا پہنایا۔ ان کے جہاں پھانس لگی وہاں ماں کے کلیجے میں برچھی چبھ گئی۔ ان کو خوش دیکھا ماں نہال ہو گئی۔ ان کے دل پر میل آیا ماں بے قرار ہو گئی۔ پھر ایسی ماں کو ایک دم کس طرح صبر آجائے۔ بیٹی سے ایسا ملیں کہ گویا برسوں کی بچھڑی ہوئی تھیں دونوں کی ہچکی بندھ گئی۔

ایک بیوی۔ الٰہی خیر خیر مانگو یہ کیا بدشگونی ہے تم کیسی عقل مند ہو آپ بھی ہلکان ہوتی ہو اور بچی کو بھی ہلکان کرتی ہو عقل کے ناخن لو۔ اللہ نے یہ دن کیا۔ گھر میں داماد آیا۔ اِن شاءاللہ اب چند ہی دن میں نانی بن جاؤگی دو قدم پر تو سمدھیانہ ہے دور ہی کیا ہے کچھ پردیس نہیں کہ بھئی لڑکی سے ملنا مشکل ہے وہ بات ہی کون سی ہے جس پر تم اپنا جی بھاری کر رہی ہو۔ اس گھر میں اُس گھر میں فرق ہی کیا ہے صبح سے شام تک بیسیوں آدمی آتے جاتے رہتے ہیں لڑکی کا دل تھوڑا تھوڑا نہ کرو۔ تم کو اُسے دلاسا دینا چاہیئے نہ کہ تم بڑی ہو کر اُس کے سامنے روؤ اور اُلٹا اُس کا دل کڑھاؤ۔

یہ تو ایک بے اختیارانہ حرکت تھی جو کسی کے روکے رُک نہیں سکتی تھی بھڑاس نکل جانے کے بعد شہزادہ بیگم بیٹی یعنی دلہن کو جوڑے اور گہنے سے گوندنی کی طرح لدا ہوا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئیں۔ بیٹی کو پھر گلے لگایا اور خوب پیار کیا صدقے واری گئیں بیٹا تو نے کچھ کھایا نہ ہوگا۔ تب ہی موتھ ایسا اُترا ہوا ہے جلدی جلدی ناشتہ کرایا۔ دلہن اپنی چھوٹی بہن اور بچھڑی ہوئی سہیلیوں سے ملیں باتوں باتوں میں دن ہوا ہو گیا۔

تیئیسواں باب۔ ولیمہ

اِدھر دلہن میکے روانہ ہوئیں اُدھر دولھا والوں کے ہاں ولیمے کا اہتمام شروع ہوا تورے بندی کی وجہ سے پہلے ہی سب جگہ حصے بخرے تقسیم ہو چکے تھے۔ تاہم ولیمے میں بھی سارا شہر ٹوٹ پڑا تھا۔ کھانے سب نفیس اور پر تکلف تھے انتظام بھی قابل تعریف تھا۔ کھانے کے بعد مہمانوں کی حُقّے پان سے بھی تواضع کی گئی۔ کھانا اس قدر وافر تھا کہ مسجد کے طالب العلموں، یتیم خانے کے بچّوں کو کھلانے کے بعد بھی کئی دیگیں بریانی اور تنجن کی بچ رہیں جو فقیروں کو بانٹ دی گئیں۔

چوبیسواں باب۔ چوتھی

تیسرے پہر سے دلہن کے بناؤ سنگھار کا اہتمام شروع ہوا۔ چوتھی کا بھاری جوڑا پہنایا گیا۔ دولھا کے ہاں چوتھی کے سامان کی طیاری ہو رہی تھی۔ کھانے کی سات طرح کی ترکاریاں۔ طرح طرح کی پھل پھلاری۔ پانوں کی گلوریاں اور لقمے پھولوں کی گیندیں اور چھڑیاں ہار۔ گجرے۔ گل دستے۔ سب چیزیں سلیقے سے خوانوں میں سجائی گئیں۔ دلہن کے ہاں کئی دیگیں کھیر کی پکیں۔ شیرمال اور باقرخانیوں کے خوان طیّار ہوئے۔ تیسرے پہر کو دولھا کے گھر سے پھر سمدھنیں چوتھی کھیلنے روانہ ہوئیں۔ مغرب سے ذرا پہلے دلہن کے

گھر خوب چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ دلہن کی طرف کے مہمان بھی کچھ کم نہ تھے۔ سارا گھر ماشاء اللہ مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ترکاریوں کے گیارہ خوان پھولوں اور چھڑیوں اور گیندوں کی کشتیاں زرق برق خوان پوشوں میں جگمگاتی ہوئی سمدھنوں کے ساتھ ہی ساتھ پہنچیں۔ بعد مغرب چوتھی کی رسم شروع ہوئی۔ دولھا گھر میں بلایا گیا ساس سامنے ہوئیں اکیس روپے اور دو اشرفیاں سلامی دی پھر سب نے علی قدر مراتب سلامی دی۔ جو سب ملا کر پانچ سو روپیہ کی مقدار بہ رقم ہوئی۔ ست کولے کی کھیر کے سات نوالے دولھا نے دلہن کو کھلائے اور اسی طرح دلہن کے ہاتھ سے دولھا کو سات نوالے کھیر کے خوب ڈھکا ڈھکا کر کھلائے گئے خوب نوالے اُچکے گئے بڑی ہنسی بڑی دل لگی کی باتیں ہوتی رہیں۔ ای ہی دولھا بھوکا ہے۔ ندیدہ ہے۔ ای میاں شاید کبھی تم نے کھیر دیکھی نہیں جو اس طرح ٹوٹ کر گرے پڑتے ہو۔ اس کے بعد دولھا نے دلہن کے آہستہ آہستہ پھولوں کی سات چھڑیاں چھوائیں ڈومنی نے دلہن کے ہاتھ سے پھولوں کی چھڑیاں پکڑ کر سات سات دولھا کے لگوائیں ایک دوسرے کی طرف پھولوں کی گیندیں پھینکتے رہے۔ دولھا باہر جانے لگا تو معلوم ہوا کہ جوتی کسی نے چھپا دی وہ بے چارہ دیر تک کھڑا رہا آخر کار معلوم ہوا کہ چھوٹی سالی صاحب کی یہ کارستانی تھی۔ ایک اشرفی اُن کی نظر کی تب کہیں جوتی ملی۔ اس کے بعد سمدھنوں کی چوتھی کا وار آیا جوان جوان شوقین مزاج شوخ طرار لڑکیوں نے خوب دھما چوکڑی مچائی۔ جو ہاتھ لگا مار دیا۔ آڑو۔ امرود۔ کیلا۔ ناشپاتی۔ سنترا۔ چکوترا۔ سیب۔ گنڈیریاں۔ آم۔ پھولوں کی چھڑیوں سے تو سمدھنوں نے دلہن والیوں کی اور دلہن والیوں نے سمدھنوں کی خوب گت بنائی۔ شپا شپ سنٹی بازی ہوتی رہی۔ ہنسی مذاق میں کسی نے

اس مارکٹائی کا بُرا نہ مانا۔ کسی نے چھپ کر صحنچی میں سے ایک امرود تاک کر دولھا کی بڑی بہن کے ایسا مارا کہ ناک پر کھٹ سے لگا وہ بلبلا اُٹھیں وہ بے چاری نہ کھیل کود میں شریک تھی۔ نہ اُن کی عمر اس قابل تھی۔ الگ پلنگ پر بیٹھی ہوئی پان کھا رہی تھیں۔ لڑکیوں کی شرارت اُودبداکر ان کو ہی چھیڑا۔ امرود کا لگنا تھا کہ نکسیر پھوٹ گئی۔ خون کی ٹُلّی چلنے لگی۔ ہنسی میں پھنسی ہو گئی۔ وہ بے چاری الااللہ نہیں بولیں کہ کسی نے دشمناگی سے تھوڑا ہی مارا تھا یہ بھی شدنی امر تھا جس نے مارا تھا وہ بھی اپنی جگہ دُم ہو گئی۔ مگر آج تک یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ ذات شریف کون تھیں۔ دولھا کی مُمانی جو بڑی شوخ وطرار اور لچھے دار گفتگو کرنے والی تھیں بہت چٹاخ پٹاخ چیر وچار بگھار و پانچ تھیں سب اُن کی تلاش میں تھے کہ کہیں وہ مل جائیں تو اُن کی خوب گت بنائی جائے مگر وہ بڑی ہوشیار اُڑتی چڑیا کے پر گننے والی تاڑ گئی تھیں۔ نظر بچا کر اِدھر اُدھر ٹل گئیں لیکن ڈھونڈھنے والوں نے بھی اُن کا پتہ لگا ہی لیا۔ معلوم ہوا کہ چھوٹی حویلی میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ سُننا ہی تھا کہ سب بیویاں اُدھر چل پڑیں۔ ایک بولیں واہ۔ لو خوب تم یہاں گھسی بیٹھی ہو اور ہم تم کو چاروں طرف ڈھونڈ رہے ہیں۔ کنوؤں میں بانس ڈلوا دیئے کہیں تمہارا پتہ نہیں۔ یہ خبر ہی نہ تھی کہ بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈورا اچھا اب تم جاتی کہاں ہو۔ وہ ابھی جواب بھی نہ دینے پائی تھیں کہ اُن پر چاروں طرف سے بوچھار شروع ہو گئی۔ اور وہ فرمایشی گدبد ہوئی کہ اللہ دے اور بندہ لے تو چل میں آیا۔ پھولوں کی چھڑیاں اور ترکاریوں سے اُن کا خوب سنراؤ کیا گیا۔ آدمی تھیں خوش مزاج اور ہنس مکھ اخیر تک ہنسی میں ٹالتی ہیں جب حد سے زیادہ بھرمار ہوئی سب

ایک طرف یہ بے چاری تن تنہا اکیلی کھسیانی اور روہنکھی ہو گئیں تب کہیں خدا خدا کر کے اُن کا پیچھا چھوٹا۔ کوئی آدھی رات گئے چوتھی کھیل کر واپس آئے۔ کھیر کی دیگیں اور شیرمال دلہن کے ساتھ کر دیئے تھے۔ وہی سبھوں نے کھائے۔ سردار مرزا صاحب نے دلہن کا گھونگٹ اُٹھایا اور "اقبال دلہن" کا خطاب دیا۔ دلہن والوں کے ہاں دلہن کی ماں کو اُن کے میکے کی طرف سے چکٹ[۱] اُتروائی کا جوڑا ملا جس کے ساتھ سوا سو روپیہ نقد بھی تھے آج ہی کے دن دونوں سمدھنیں بھی آپس میں ملیں۔

پچیسواں باب۔ چالے

چوتھی کے بعد چار چالے ہوئے۔ دلہن کی ماں۔ خالہ پھپھی۔ بہن۔ سب نے باری باری دھوم دھوم سے کہیں جمعہ اور کہیں پیر کو چالے کیئے حسب دستور جہاں چالا ہوا دلہن مہمان گئی۔ شام کو دولھا اور دولھا کے قریبی رشتہ دار گئے دھوم دھام کی پُرتکلف دعوتیں ہوئیں نفیس نفیس کھانے کھلائے گئے۔ خالہ اور پھپھی کے چالوں میں دلہن کو چھوٹی موٹی رقم زیور کی ملی اور دولھا کو پان کے ساتھ خاصدان میں رکھ کر کچھ روپیے بھی دیئے گئے لیکن ماں اور بڑی بہن کے چالوں میں البتہ دولھا دلہن کو جوڑے اور نقدی اور زیور سب کچھ خاطر خواہ ملا۔

---

[۱] چوں کہ دلہن کی ماں کے کپڑے شادی بیاہ میں کاروبار کی وجہ سے میلے چکٹ ہو جاتے ہیں اُن کو جو جوڑا میکے کی طرف سے ملتا ہے وہ چکٹ اُتروائی کا جوڑا کہلاتا ہے۔ سمدھنوں کے ملنے کو سمدھ ملاوا کہتے ہیں۔ ۱۲

چاروں جگہ سے رخصت کے وقت ترکاری اور مٹھائی دُلہن کے ساتھ کی گئی پہلے چالے کے دوسرے دن دُلہن کی طرف سے چوبے[۱] نہ بھیجے گئے جو سانچق اور بارات کی شربت پلائی کے معاوضہ میں بھیجے جاتے ہیں۔ چوبوں میں زردے کے طباق اُن پر کترا ہوا میوہ پڑا ہوا اور بادلے کا طرہ لگا ہوا تھا۔

چھبیسواں باب۔ سسرال کی پہلی منزل

دولھا دُلہن میں کس قسم کا سلوک تھا ابھی ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ابھی کے دن اور کے رات گزری تھیں۔ ابھی تو دلہن کا گھونگٹ بھی اچھی طرح نہیں اُٹھا تھا مگر سسرال والوں سے جو برتاؤ تھا وہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے کا معاملہ ہے بڑی نندوں سے تو ابھی کچھ سابقہ نہیں پڑا تھا کیوں کہ وہ اپنے اپنے گھروں کی تھیں مہمان داخل آجایا کرتی تھیں۔ مگر چھوٹی نند۔ پیاری بیگم تو جس دن سے خدا رکھے بھاوج آئیں اُن کے گلے کا ہار اور اُنھیں کی گرویدہ تھیں۔ دلہن نے بڑی دانش مندی کی کہ چھوٹی نند سے رابطہ بڑھالیا وہ بچہ تھی جھکتے کے ساتھ ہر کوئی بھی جھکتا ہے۔ بھاوج کی محبت اور ملنساری دیکھ کر وہ بھی ریجھ گئی۔ ہر شخص کے مزاج۔ خوبو۔ طرز۔ عادات واطوار غرض کہ رفتہ رفتہ سارے گھر کی ٹوہ اُس سے لے لی۔ اور اس عمدہ طریقے سے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اس طرح

[۱] رکابیوں میں مٹھائی اور میوہ چوٹی دار بھر کر اوپر چاندی سونے کے ورق لگا کر بھیجوانے ہیں اُسے چوبہ کہتے ہیں ۱۲۔

انھوں نے اپنی اجنبیت کی تلافی کی اور ایک گونہ گھر کے حالات سے واقفیت حاصل کرلی جو ایسے نو وارد کے لیئے بہت بہ کار آمد تھی۔ اس زمانے کی شرم کی نہ پوچھیئے۔ شروع شروع تو ایسی شرم کہ الہٰی پناہ۔ نہ کسی سے بات کریں نہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھیں دن بھر سر جھکائے آنکھیں بند دوہری ہوئی بیٹھی ہیں کم عمر لڑکیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ کوئی چٹکی لے رہی ہے کوئی نوچ رہی ہے۔ کوئی گدگدا رہی ہے مگر یہ گم سُم ہیں نہ مُنہ سے بولیں نہ سر سے کھیلیں۔ ہماری رائے میں ایسی لغو شرم سے کچھ فائدہ نہیں شروع شروع میں تو دلہنوں کی شرم کا ڈنکا بجتا ہے مگر چند ہی دنوں میں اپنی سوا بالشت کی زبان سے سسرال والوں کو انگلیوں پر نچاتی ہیں خصم بے چارہ تو کس شمار قطار میں ہے سسرے کی داڑھی اور ساس کی کا چونڈا تک اُن کی دست درازی سے محفوظ نہیں رہتا میاں آں شور انشوری یا بہ ایں بے نمکی مگر ہماری دُلہن ایسی بے وقوفی کی شرم کی روادار نہ تھیں دو ایک دن کی تو ہم کہہ نہیں سکتے۔ مگر جس دن سے پیاری بیگم سے ہوا ؤ کھل گیا اور بات چیت ہونے لگی آہستہ آہستہ سب کام اُس کے ذریعہ سے ہونے لگے گھر کے کام کاج میں خود ہاتھ بٹانے لگیں۔ ساس سے کہلا بھیجا کہ خالی بیٹھے بیٹھے میرا جی گھبراتا ہے گھر کا کچھ سینا پرونا ہو تو مجھے دے دیا کیجیئے ترکاری بنانے لگیں سالن کا آب و نمک چکھنے لگیں۔ غرض چالے ختم ہوتے تک وہ گھر میں اچھی طرح خیل ہو گئیں اور بہو بیٹیوں کی طرح گھر کا سارا دھندا کرنے لگیں چھٹپنے ہی سے ان کی ہڈی مری ہوئی تھی۔ کام کاج کی عادت تھی اپنے گھر کا سارا کاروبار اُٹھانا بٹھانا۔ پکانا۔ ریندھنا۔ خرچ برچ سب ان ہی کے ہاتھ تھا۔ ایسا آدمی

ایک دم سے کیسے بے کار بیٹھ سکتا ہے ساتھ ہی اُنھوں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ پیاری بیگم نے کہاں تک لکھا پڑھا ہے کھانے پکانے سینے پرونے میں اُن کی دست گاہ کہاں تک ہے معلوم ہوا کہ ناظرانِ (ناظرہ) کلام مجید وہ بھی کچّا اور چند مذہبی رسالے پڑھنے کی یہی کُل کائنات تھی۔ لکھنا تو نام کو بھی نہ جانتی تھی۔ کیوں کہ ان کے خاندان میں عورتوں کو لکھنا سکھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ یہ تو یہ بڑی بہنیں بھی لکھنے میں کوری تھیں۔ باتوں باتوں میں ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ بیگم صاحب کا مقولہ ہے کہ لڑکیوں کو پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے کیا کہیں نوکری چاکری کریں گی۔ بہو بیٹیوں کو اگر خدا رسول کا نام لینے کے لائق پڑھنا آ گیا تو بس کافی ہے اس سے زیادہ جو لکھ پڑھ لیتی ہیں وہ پناہ بہ خدا مردوں کے کان کاٹنے لگتی ہیں اور اُن کا دیدہ ہوائی ہو جاتا ہے۔ پیاری بیگم کا سینا پرونا بھی واجبی ہی واجبی تھا ٹانکہ تک سجل نہ بیٹھتا تھا اُڑا ٹیڑھا گونٹھ لیتی تھیں بیل بوٹے بنانا۔ کاڑھنا۔ یا اُون کا کچھ کام کرنا اُن کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔ کھانا پکانا بھی ہنڈکلھیا تک محدود تھا۔ دُلہن نے حسبِ مناسب اس بارے میں اپنے میاں کا عندیہ لیا وہ تو خود تعلیم یافتہ تھا اور تعلیم نسواں کا حامی۔ اُس نے بیوی سے کہا کہ تم جانتی ہو کہ ابّا جان کا سایہ ہمارے سروں پر سے بچپنے ہی میں اُٹھ گیا میں اپنی تعلیم کے بکھیڑوں میں مارا مارا پھرا والدہ صاحبہ اپنے غم و الم اور گھر بار کے دھندے میں رہیں۔ پیاری کو اُنی شُد بُد بھی جو ہو گئی اُس کے ذاتی شوق کی وجہ سے ہے ورنہ اُس بے چاری کو باقاعدہ طور پر کسی نے پڑھایا نہ لکھایا اب تم کو فرصت ہے شوق سے لکھاؤ پڑھاؤ منع کس نے کیا ہے۔

دلہن۔ میں نے آپ سے اس وجہ سے پوچھا کہ کہیں اماں جان کی خلاف مرضی نہ ہو۔

دولھا۔ اماں جان کی خلاف مرضی کیوں ہونے لگا۔ اب تو تم اُن سے بات چیت کرلیتی ہو تمہیں اُن کے کان میں یہ بات ڈال دینا میں بھی کہہ دوں گا وہی مثل ہی نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تو یہ بات سُن کر بہت خوش ہوں گی وہ ایسی ناسمجھ نگوڑی ہیں جو منع کریں۔

دلہن زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہا کرتی تھیں جو الگ تھلگ تھا۔ پیاری بیگم اکثر اوقات بھاوج کے پاس رہا کرتی تھیں۔ دلہن نے اُن کی رغبت اور شوق دیکھ کر لکھنا پہلے ہی سے شروع کرا دیا تھا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ سینے پرونے میں بھی اُس کا ہاتھ صاف کرا دیا تھا۔ انواع و اقسام کا کاڑھنا موزے اور گلو بند بننا سب کچھ سکھلا دیا۔ لکھنے میں بھی لڑکی نے خاصی ترقی کی۔ لڑکی سمجھ دار اور بلا کی ذہین تھی ایک دفعہ کا بتلانا اُسے پتھر کی لکیر تھا۔ برسوں کا کام مہینوں میں کر لیتی تھی۔ ایک دن بیگم صاحب نے بھی دیکھ لیا کہ وہ چھپا چھپ ملتانی مٹی سے تختی دھو رہی ہی دیکھ کر اَن جان ہوگئیں اُنھوں نے جان لیا کہ بھاوج کی دیکھا دیکھی تخم تاثیر صحبت کا اثر اس کو بھی لکھنے کا شوق ہوا ہی اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا بہت چرچا ہی سب ہی لڑکیاں لکھنے لگی ہیں اچھی بات ہی جو یہ بھی سیکھ لے ہاتھ میں پڑا ہوا ہنر کسی نہ کسی دن کام ہی آتا ہی۔ ہماری گزر گئی ہم نے نہ سیکھا تو ساری عمر دوسروں کی محتاجی رہی بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو دوسروں کے کان تک پہنچنے کے قابل نہیں ہوتیں غرض برس کے اندر ہی اندر پیاری بیگم نے

حیرت خیز ترقی کی۔ اُردو کی مروجہ کتابیں سب اُس نے پڑھ لیں خط بھی بانگفرا ہو گیا سینے پرونے اور کاڑھنے میں تو وہ اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اُس کے ہاتھ کا بخیہ بالکل مشین کا بخیہ معلوم ہوتا تھا نہایت باریک سڈول۔ سجل۔ پھول۔ پتی۔ بیل۔ بوٹے۔ سب طرح کا کاڑھنا آتا تھا کھانے پکانے میں بھی بہت مشاق تھی اُس کے ہاتھ کا سالن بریانی اور زردہ سب آب و نمک سے درست اور خوش ذائقہ ہوتا تھا۔ پراٹھے اور برئی روٹی تو لاجواب پکاتی تھی۔ خدا معلوم اتنے بڑے پراٹھے توے پر سے کیوں کر اُلٹے جاتے ہوں گے اور کیا مجال جو ذرا جلی ہوئی چتی پڑ جائے بھاوج کی تعلیم نے پیاری بیگم کو نہایت خوش سلیقہ اور بے انتہا لائق بنا دیا۔ اللہ نے اُسے حُسن صورت اور حُسن سیرت دونوں سے مالا مال کیا تھا۔ بیگم صاحب اور اقبال مرزا دونوں اس بات سے بے حد خوش تھے کہ دُلہن نند کو اس قدر عزیز رکھتی ہیں ورنہ یہ رشتے بڑے بَیر کے ہوتے ہیں۔ بہو نے ساس اور میاں دونوں کے دلوں میں اپنی اس غیر معمولی کارگزاری سے ایک خاص جگہ پیدا کر لی تھی۔ ساس نندوں سے بہوؤں کی لڑائیاں آئے دن ہوا کرتی ہیں اور جوتیوں میں دال بٹتی ہی مثل مشہور ہی ساس دل کی پھانس ہمیشہ کھٹکا کرے گی۔ نند بجلی پسند سدا چمکا کرے گی مگر ہم نے کبھی نہیں سنا کہ دلہن سُسرال والوں سے لڑی ہوں لڑنا تو درکنار یہ تو کسی سے ترش رو ہو کر بھی بات نہیں کرتی تھیں۔ گو بعض وقت ایسے اتفاقات پیش آئے کہ دلہن کی خلاف مرضی کوئی بات ہوئی مگر پھر بھی تحمل اور برداشت سے کام لیا۔ کیا مجال کہ پیشانی پر ذرا بل تو آجائے عقل مندی سے اُس کی اصلاح کی یہ کہ آئیں تو جائیں کہاں پنجے جھاڑ کر اُسی وقت پیچھے پڑ جائیں کہ ہاں ہاں یوں کیوں

ہوا۔ اور وہ وں کیوں ہوا۔ ضد ہے غصہ ہے رونا ہے۔ پٹپنا ہے۔ منہ پھلا کر اٹھوائی کھٹوائی لے کر پڑ جانا یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ ان پاکھنڈوں سے سوائے اس کے کہ بدمزگی اور زیادہ بڑھے ہوتا ہوا تا کچھ بھی نہیں۔ لیکن جو سمجھ دار اور مآل اندیش ہیں وہ اپنے دل پر جبر کرتی ہیں۔ غصے کو بھی پی جاتی ہیں۔ موقعہ اور مناسب وقت دیکھ کر اصلاح کرتی ہیں وہی سُرخ رو بھی رہتی ہیں۔ ساس بہو کے تعلقات اکثر ناگوار ہو جاتے ہیں بعض ساسیں بہوؤں پر اس قدر دباؤ ڈالتی ہیں کہ وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور ناچار مقابلے پر کھڑی ہو جاتی ہیں بیٹیوں کی اور بات ہے۔ بہو کتنی بھی عزیز کیوں نہ ہو بیٹی کے برابر نہیں ہو سکتی بیٹی بیٹی ہی ہے اور بہو بہو ہی۔ بیٹے کی مامتا بہو کے لیئے کہاں سے آئے گی۔ علیٰ ہذا۔ ساس ساس ہی ہے اور ماں ماں ہی۔ جو ساسیں بہوؤں سے وہ توقع رکھتی ہیں جو اپنی بیٹیوں سے رکھنی چاہیئے وہ غلطی پر ہیں اور بہوئیں ساس سے وہ برتاؤ چاہتی ہیں جو اُن کی سگی ماں اُن سے کرتی رہی ہے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جو شریف نیک بخت اور سمجھ دار ساسیں ہیں وہ بہوؤں سے بیٹیوں کی طرح پیش آتی ہیں اور علیٰ ہذا بہوئیں بھی ایسی مہربان شفیق اور دل سوز ساسوں کو ماں ہی کی جگہ سمجھتی ہیں اور سمجھنا بھی چاہیئے مگر پھر بھی یہ بڑا نازک رشتہ ہے۔ لڑکا جو آج تک ماں کا گرویدہ رہا شادی کے بعد ادھر اگر بیوی کی طرف راغب ہو جاتا ہے بعض کم عقل مائیں اس پر اُلجھ پڑتی ہیں بہوئیں اپنے میاں کو ساس کی طرف زیادہ جھکا ہوا دیکھ کر جل جاتی ہیں اور جھٹ تیوری پر بل ڈال لیتی ہیں۔ اس طرح دونوں میں ایک طرح کی رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ درحقیقت دونوں نے اپنی اپنی حالت کے اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے

ہر ماں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جب اُس نے اپنے لڑکے کو بیاہ دیا تو ضرور ہی کہ وہ تعلق جو لڑکے کا ماں کے ساتھ شادی کے پہلے تھا لامحالہ ضعیف ہو جائے اسی طرح ہر بہو کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ میاں جس نے ساری عمر ماں بہنوں میں گزاری ہی اور جن کی بدولت وہ آج شادی کے قابل ہوا اُن سے ایکدم تعلق منقطع کر کے ہمہ تن بیوی کی طرف جھک پڑے۔ ناممکن ہی ہو گو گھر میں بیوی بن کر آئی ہی تاہم اُس کو ہر وقت ساس کی عظمت اور ادب کرنا چاہیئے اور خیال کرنا چاہیئے کہ ماں ہی کی بہ دولت یہ دن نصیب ہوا ہی۔ ماں ہی نے اس کپڑے کو جوان کیا ہی کیا کچھ محنت اور مصیبت اُس نے نہ اُٹھائی ہوگی پس لڑکا کسی طرح ماں کی محبت کو مٹا نہیں سکتا۔ نہ ماں بیٹے کو دودھ میں کی مکھی کی طرح دل سے نکال کر پھینک سکتی ہی پس سلامت روی اور میانہ روی کی چال یہ ہی کہ ماں کی جگہ ماں کو اور بیوی کی جگہ بیوی کو سمجھا جائے جو سائیں بہوؤں کی ہر بات کی پرچال کیا کرتی ہیں اُن کو اس قدر کہہ دینا بھی کافی ہی کہ مت کر ساس برائیاں کہ تیرے آگے بھی جائیاں۔ جو بہوئیں ساس کو بڑھیا سمجھ کر بے وقعتی کرتی ہیں اُن کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بڑی ہٹ دھرمی کرتی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ میاں کی ماں ہی اُن کی تعظیم بڑھاپے کے اعتبار سے بھی بہ لحاظ خوردیت لازم ہی۔ باادب بانصیب۔ بے ادب بےنصیب۔ ساس کا رتبہ اپنی ماں سے کسی طرح کم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر اس طرح دونوں اپنی اپنی حد پر قایم رہیں تو کبھی ساس بہو میں لڑائی جھگڑا نہ ہو اور ہم تو کہتے ہیں کہ اگر بہو ذرا بھی سمجھ دار ہو تو ساس کا دل مٹھی میں لے لینا کچھ بات نہیں اطاعت اور فرماں برداری وہ شے ہی کہ دشمن کو دوست بنا لیتی ہی۔ اقبال دلہن نے تو ساس

کی ایسی تابع داری کی کہ الٰہی دُنیا جہان کی بہوؤں پر ان کا پرچھانواں پڑے۔ مگر
بیگم صاحب جیسی ساس ملنا بھی مشکل ہے۔ بیٹیوں کو تو کبھی جھڑک بھی دیتی تھیں۔
دھی ری ہیں تو کو کہوں بہوری تو کان دھر۔ مگر بہو کو کبھی الا اللہ نہیں کہا۔ پھر کیوں
بیٹی
نہ بہو ایسی ساس کے پاؤں دھو دھو کر پیئے اور کیوں نہ ساس ایسی بہو پر جان
چھڑکے۔ بیگم صاحب نے گھر کا سارا کاروبار بہو پر چھوڑ دیا اور بہو کی مددگاری میں پیاری بیگم
تھیں۔ بیگم صاحب کو گھر کے دھندے سے جو چھٹکارا ملا تو اُن کا وقت زیادہ تر روزے
نماز اور وظائف میں صرف ہونے لگا۔ عجب نیک ذات بیوی تھیں۔ خفیہ خیرات
غریبوں کی امداد ان کا کام تھا۔ کئی لڑکیوں کو کنیا دان[۱] دے کر شادی کرا دی
تھی۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ روپیہ کہاں سے آیا اور شادی
کس طرح ہوئی۔ جاڑوں میں لحاف گرمیوں میں جوڑے غریبوں کو ہر سال
بانٹا کرتی تھیں۔ کئی بیواؤں کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ کئی طالب العلموں کی روٹی
گھر سے جاتی رہتی تھی۔ غرض یہ کہ بڑی داد دہش کرتی تھیں خود بالکل منکسر المزاج اور
فقیر منش تھیں نہ اچھا کھاتی تھیں نہ اچھا پہنتی تھیں دنیا میں رہتے ہی انھوں نے اپنی
عاقبت کا رستہ درست کر لیا تھا تھیں تو اتنی بڑی امیر مگر مزاج میں حد درجے کی
انکساری اور خدا ترسی تھی۔ غریب سے غریب آدمی کی طرف فراخ دلی سے متوجہ
ہوتی تھیں۔ ماماؤں نوکر چاکر تک کو کبھی آدھی بات نہیں کہی۔ مزاج میں رحم اور
درگزر ایسا کہ نوکر شوخ چشم ہو جاتے تھے۔ غصہ تو کبھی آتا ہی نہ تھا۔ خوفِ خدا
ایسا کہ ہمیشہ مولوی عبد الرب صاحب کا وعظ گھر میں کہلایا کرتی تھیں۔ رقیق القلب
ایسی تھیں کہ کسی کو ننگا بھوکا دیکھ نہ سکتی تھیں اللہ نے ان کی دولت میں کچھ ایسی

۱ ... خیرات دیا جاتا ہے وہ کنیا دان کہلاتا ہے ۱۲

برکت دی تھی کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آتا تھا کہ کہاں سے روپیہ اُمڈا چلا آتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ سارا محلہ ان کا درم ناخریدہ غلام تھا۔

ستائیسواں باب۔ پیاری بیگم کی شادی کی طیاری

لڑکے کی شادی کر کے بیگم صاحب نچنت ہو گئی تھیں۔ بہو کو دیکھ کر اُن کا رونگٹا رونگٹا خوش ہوتا تھا ہر وقت دل سے دعا نکلتی تھی۔ آئے گئے کے سامنے وہ بہو کی تعریف کے پل باندھ دیتی تھیں۔ اب اُن کو صرف لڑکی کی فکر باقی تھی وہ ماشاءاللہ جوان ہو گئی تھی۔ اللہ رکھے خیر سے سولھواں برس تھا۔ اقبال میرزا کی شادی کے جھمیلے میں اتنے دن بھی لگے ورنہ بیاہ بارات ہو کر زمانہ ہوتا۔ انھیں کی دونوں بہنیں چودھویں برس بیاہی جا چکی تھیں یہ تو ان سے دو برس بڑی تھی لیکن اُٹھان کچھ نہ تھا۔ دُبلی پتلی ایسی کہ مشکل سے تیرہ چودہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔ بیگم صاحب کا بڑھاپا۔ وہ چاہتی تھیں کہ جس قدر جلد ہو سکے اس لڑکی کے فرض سے فراغت پا جاؤں۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے جوانوں کا ٹھکانا نہیں اور یہ تو پکے پان تھیں۔ جہیز تو بہت کچھ تیار تھا۔ بہو نے آ کر رہا سہا اور مکمل کر دیا۔ کاٹ کباڑ بالائی سامان کی طیاری میں کیا دیر لگتی تھی۔ صرف بات ٹھہرنے کی دیر تھی۔ باتیں تو بہت جگہ سے آئیں مگر کوئی معقول نہ تھی کسی کی پہلی بیوی موجود تھی اولاد کے واسطے دوسری کرنے تھے بھلا بیگم صاحب کو کیا باؤلے کتے نے کاٹا تھا کہ وہ سوکن پر دے کر آئے دن کی کل کل میں پھنسا کر بیٹی کو دانتوں چیتھڑا کرنی حضرات کریں۔

کوئی دوہاجو تھا۔ کسی کی پہلی بیوی کے بچّے تھے کوئی امیر تھا مگر بدوضع۔ کوئی نیک بخت تھا مگر مفلس آخرکار علی گڑھ میں کوئی وکیل ہیں اُن کی بات آئی۔ بیگم صاحب پہلے تو پردیس کا نام سُن کر گھبرائیں۔ مگر بہو نے سمجھایا۔ امّاں جان آپ کس خیال میں ہیں؟ پردیس وردیس کو آپ کیا دیکھتی ہیں صرف لڑکا اچھا دیکھ لینا چاہیئے۔ اب جہاں دیکھئے ریل ہی ریل ہے۔ علی گڑھ کون سی دور ہے۔ تین چار گھنٹے کا رستہ ہے۔ بیگم صاحب کی سمجھ میں بات آگئی۔ لڑکے کے حالات دریافت کرانے کے بعد اُن کو اطمینان ہوا کہ فارغ التحصیل ہر طرح سے اچھا اور بھلا مانس ہے۔ ہڈی بوٹی کا بھی اچھا ہے بیگم صاحب نے زبان دے دی۔ بات ٹھہر گئی۔ بیگم صاحب نے خود ہی کہا کہ منگنی وگنی کا جھگڑا کیوں کرو دور کا معاملہ ہے یہاں سب کچھ طیار ہی ہے بس ایک ہی دفعہ نکاح اور وداع جو کچھ ہونا ہے لگے ہاتھوں ساتھوں ساتھ ہو جائے۔ دولھا والوں کا اس میں سراسر فائدہ تھا۔ جھٹ اس بات کو منظور کر لیا صرف بڑے دن کی تعطیل[1] کا انتظار رہا تاکہ سب عزیز و قریب بہ آسانی جمع ہو سکیں اور موسم بھی اچھا ہوگا اُس وقت اس کار خیر سے فراغت حاصل کی جائے۔ اس کو بھی ابھی تین مہینے کا عرصہ تھا اس اثنا میں رہی سہی طیاری بھی ہو جائے گی۔

---

[1] جس کی پہلی بیوی مرگئی ہو[2] دسمبر کے مہینے کے آخر ہفتہ میں کرسمس (کشمشی دن) کی تعطیل کو بڑے دن کی تعطیل کہتے ہیں جو ایک ہفتے کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد نیا سال شروع ہوتا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس روز سے دن بڑا ہونا شروع ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہونے لگتی ہے۔ ۱۴

اٹھائیسواں باب۔ پیاری بیگم کی بیماری اور جواں مرگی

اتنے سے سن میں جی سے گزرنے کے دن نہ تھے
اے مرنے والی یہ ترے مرنے کے دن نہ تھے

تدبیر[1] کند بندہ و تقدیر زند خندہ۔ ادھر بیاہ کی طیاریاں تھیں ہر شخص شاد شاد تھا اُدھر تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ لڑکی پہلے ہی سے دھان پان تھی جمعرات کو تیسرے پہر ناوقت نہائی بال گیلے تھے سرد ہوا لگی نزلہ اور زکام ہو گیا زکام کے ساتھ بخار بھی تھا مگر بخار اس بلا کا چڑھا جیسے بھاڑ پڑا اُٹھن رہا ہے الٰہی توبہ۔ رات تو جوں توں کر کے کرب و بےچینی میں کٹی مگر صبح کو بھی بخار نے جنبش نہ کی۔ فوراً ڈاکٹر ہنس گوپال کو بلایا جو دہلی کا نامی ڈاکٹر تھا۔ ٹمپریچر[2] لیا تو صبح کے وقت بھی ایک سو پانچ درجے کا بخار تھا ڈاکٹر نے عرق دیا کہ دو دو گھنٹے بعد پلاؤ پسینہ آکر شام تک بخار اُتر جائے گا۔ رات بھر میں لڑکی ادھیا گئی۔ موٹا گھٹتے بلاتے دُبلائے کا کام تمام ہو جائے۔ بوڑھی ماں کے اوسان جاتے رہے۔ دلہن بےچاری تیمار داری میں تھیں اُنھوں نے نند کے پلنگ کی پٹی نہ چھوڑی رات بھر بیٹھی رہیں پلک سے پلک نہ جھپکائی سارا دن پہاڑ سا کٹا شام ہوئی مگر بخار ذرا بھی دھیما نہ پڑا۔ گھبراہٹ پیاس اور ڈاک اس بلا کی کہ دم بے دم

۱؎ ادھر تو انسان تدبیر کرتا ہے اور اُدھر تقدیر اُس پر ٹھٹھے لگاتی ہے۔ ۲؎ تھرمامیٹر (مقیاس الحرارت) سے جس طرح موسمی گرمی معلوم ہوتی ہے اُسی طرح ایک پتلی سی کانچ کی نلی مریض کے منہ یا بغل میں رکھنے سے جتنا بخار ہو معلوم ہو جاتا ہے۔ ۱۲-ع

تو پانی تک نہ پچتا تھا۔ ادھر دوا پلائی حلق سے اُتری نہیں کہ نکل گئی۔ منہ میں کھیل تک اڑکر نہیں گئی آنکھیں ڈگر ڈگر کرنے لگیں لڑکی کا ذرا سا مُنہ نکل آیا جب دیکھا کہ حالت ردّی ہوتی جاتی ہے۔ تب لوگوں نے کہا کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو بلاؤ کہ شہر میں اُن سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں ڈاکٹری دواؤں نے اور پھونک دیا حکیم جی کوئی ٹھنڈائی دیں گے ذرا دل کو تسکین ہو گی۔ اتفاقاً اقبال مرزا چھٹیوں میں دہلی آئے ہوئے تھے اُن سے حکیم صاحب سے پُرانی ملاقات تھی۔ بھائی بے چارہ گھبرایا ہوا گیا۔ حکیم جی ہوا کھانے چلے گئے تھے یہ وہاں ٹھہرے رہے مغرب واپس تشریف لائے وہ اندر بھی نہ جانے پائے تھے کہ ان کے ساتھ ہو لیئے۔ حکیم جی نے دیر تک نبض دیکھی کہا کہ خیر صلّاح معمولی بخار ہے کچھ فکر کی بات نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کل تک افاقہ ہو جائے گا نسخہ لکھ دیا جو فوراً جمال الدین عطار کی دُکان سے بندھوایا گیا اور کچھ گولیاں حکیم صاحب نے بھی اپنے پاس سے دیں۔ رات ہی کو حکیم صاحب کا نسخہ پلایا گیا اور گولیاں بھی دیں۔ دوا حلق سے اُتری اور شکر خدا کا کہ تھم بھی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے آنکھیں کھول دیں رات ڈھلے ذرا بخار ہلکا ہوا مگر پسینہ نہیں آیا۔ لڑکی ذرا ہوشیار ہوئی۔ سردی کے تھے دن اور دلّی کی سردی قیامت کی سردی پچھلی رات سے کچھ کھانسی کی ٹھسک شروع ہوئی پھر دوپہر کے بعد جاڑے سے ایسا بخار چڑھا کہ سارے گھر کے لحاف اور رضائیاں ڈال دیں چار چار آدمی دبائے بیٹھے ہوئے تھے مگر کپکپی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی اور کھانسی ایسی کہ دم نہ لینے دے بچی نے گردن ڈال دی اور نڈھال ہو کر بے سُرت پڑ گئی۔ سب گھبرا گئے گورے ڈاکٹر کو بلایا اُس نے آ کر آلہ[۱] لگا کر دیکھا بولا کہ ڈبل نیومونیا ہو گیا ہے حالت بہت

[۱] نفیری کی شکل کا ایک آلہ ہوتا ہے جسے سٹِتھس کوپ کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے تنفس وغیرہ کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ ۱۲

خراب ہی نسخہ لکھ سولہ روپیئے اپنی فیس لے چلتا پھرتا نظر آیا۔ بھلا ڈاکٹر کب لگی لپٹی رکھنے والے ہیں اُس نے کچھ اس طرز سے کہا کہ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی۔ دوا تو بنوا کر منگالی تھی مگر لوگوں کی صلاح نہ ہوئی کہ اُس کا نسخہ پلایا جائے ناچار پھر صبح کو حکیم جی ہی کو بلوایا۔ اُن کے ساتھ حکیم بدرالدین خاں صاحب بھی آئے دیکھا تو مریضہ کی حالت واقعی ردّی تھی ذات الجنب اور اس کے ساتھ سرسام تھا۔ لڑکی کو ہذیان شروع ہو گیا آنکھیں پھٹ گئیں کسی کو پہچانتی نہ تھی بالکل مایوسی ہو گئی۔ دونوں حکیموں نے دیر تک صلاح مشورہ کیا مگر دونوں چُپ چُپ تھے تسلّی دے کر چلے گئے کہ گھبراؤ نہیں اللہ فضل کرے گا۔ میں گھر سے جا کر دوا بھیج دوں گا۔ یہ اُن کا ٹالنے کا جواب تھا اوپر والے سمجھ گئے۔ حکیم جی باہر جاتے جاتے چپکے سے اقبال مرزا سے کہہ گئے کہ اب علاج بے سود ہے۔ بے چاری گھڑی ساعت کی مہمان ہے نبضیں چھوٹ گئیں۔ برد اطراف شروع ہو گیا۔ تمھاری تسلّی کے واسطے دوا بھجوا دیتا ہوں مگر میری رائے میں تو کچھ فائدہ نہیں اور یوں جب تک سانس ہے آس ہے اُس کی قدرت کا کیا پوچھنا وہ چاہے تو مردے کو زندہ کر دے۔ اقبال مرزا کی کمر ٹوٹ گئی یہ سُن کر وہیں بیٹھ گیا ؎

فراقِ عمر میں بے تاب ہو لیں
تمنائیں گلے مل مل کے رو لیں

عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ جمعرات کو ناوقت لڑکی نہائی تھی کھلے بالوں انگنائی میں نکل آئی ہو نہ ہو کچھ جھپیٹے میں آ گئی علاج تو بہت کر کے دیکھ چکے گھڑی بہ گھڑی حالت بدتر ہی ہے تم ذرا اخوند جی کو تو بلواؤ یہیں پاس کے پاس فراش خانے کی کھڑکی میں رہتے ہیں۔ پانی دم کر کے دیں گے ایک آدھ تعویذ فلیتہ کچھ دھونی

دیں گے خدا نے بھی چاہا تو لڑکی ابھی آنکھیں کھول دے گی اللہ کے کلام میں بڑی تاثیر ہے۔ جب حکیم نے صاف جواب دے دیا تو لوگوں نے کہا کہ مرتا کیا نہ کرتا خیر لاؤ یہ بھی کر کے دیکھ لو اس میں حرج ہی کیا ہے کوئی ارمان دل کا نہ رہ جائے کہ پھر پچھتاوا آئے کہ ہم نے یہ نہ کیا اور وہ نہ کیا۔ آدمی اپنی سی سب کچھ کر لے پھر آگے حکم خدا رَضِیْنَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی[۱]۔ انوار کو بعد مغرب اخوندجی تشریف لائے آدمی متقی اور زیادہ طماع نہ تھے دلی میں ان کی جھوجھا بہت مشہور تھی اور اسی پر ان کا گزارہ تھا۔ لڑکی کو دیکھا وہ بے چاری گھڑی ساعت کی مہمان تھی۔ سانس اکھڑ گیا تھا دیدے پتھرا گئے تھے سسکیاں لے رہی تھی حاضرات کا عمل کیا اور کہا کہ لڑکی کو سایہ ہو گیا ہے ایک سفید مرغ اور سوا روپیہ زکوٰۃ کا پانچ گز کورا کپڑا میرے پاس ابھی بھجوا دو مرغ کے خون سے تعویذ لکھ کر بھیجتا ہوں وہ تو گلے میں ڈال دینا فلیتے کی دھونی دینا اور چار طشتریاں لکھ کر بھیجتا ہوں وہ دھو کر پلانا اخوندجی بچہ نہ تھے وہ سمجھ گئے کہ دوا اور دعا دونوں کا وقت ہو چکا ہے بھانپ گئے۔ بھوت کی لنگوٹی بھلی جو ملے سو لے لو۔ تھوڑی دیر میں وہ تعویذ اور فلیتہ سب کچھ آ گیا تعویذ گلے میں ڈال دیا دھونی بھی دی طشتری بھی پلائی مگر حکم قضا و قدر کے سامنے کیا چارہ ہے۔ لڑکی ایسی گھڑی کی پڑی کہ پھر نہ اُٹھی پانچویں دن صبح نور کے تڑکے کالبد خاکی سے روح پرواز کر گئی۔ اَلَّذِیْنَ[۲] اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا۔

[۱] اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو اُس پر ہم بھی راضی ہیں [۲] یہ لوگ جب اُن پر مصیبت آپڑتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اہم کو جس حال میں چاہے رکھے اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ۱۲

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کیسی جوان موت! کیسی حسرت بھری موت! افسوس لڑکی کیسی چٹ پٹ ہوگئی! ؎

گر پیرِ نود ساله بمیرد عجیبے نیست[1] این ماتم سخت ست که گویند جوان مرد

ہمارے قلم میں طاقت نہیں کہ ہم اس سین کو دکھلا سکیں۔ قلم کا دل چاک ہے اشکِ قلم صفحہ کاغذ پر رواں ہیں۔ ہمارا دل خود بے قابو ہے ؎

دل ازیں اندوہ تازہ بے قراری می کند[2] خامہ در وقتِ نوشتن آہ وزاری می کند

پانچ دن کے آگے لڑکی خاصی اچھی بھلی تھی یکایک یہ کیسا غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا بڑی بی کو سکتہ کا عالم تھا فرطِ غم سے اُن کی آنکھ سے آنسو بھی نہیں نکلا ششدر تھیں نہ انھوں نے کوئی بے صبری کی حرکت کی نہ واویلا نہ بیان کیے بس چُپ تھیں ؎

مصیبت حد سے جب گزری تو ظاہر ہو نہیں سکتی
بہت غم میں بہت کم آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں

دلہن بے چاری کے زار و قطار آنسو جاری تھے۔ لڑکی کے منہ پر منھ رکھ کر پیار کر رہی تھیں۔ آخرکار سفرِ آخرت کی طیاری کرنا ضرور تھا تاخیر کا محل نہ تھا۔ کون ہے جو اس سفر سے محفوظ ہے امیر غریب سب کو اسی راہ جانا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔[3]

---

[1] نوّے برس کی عمر کے بُڈھے کا مرنا کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جوان کے مرنے کا البتہ تعجب ہوتا ہے [2] اس تازہ غم سے دل بے قرار ہے۔ قلم بھی لکھنے کے وقت آہ وزاری کرتا ہے [3] جتنی مخلوقات (روئے) زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والی ہے اور (صرف) تمھارے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت والا اور بزرگی ...

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا (رباعی) میت پے عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں موںھ ڈھانک کے سونے کی اِنہیں کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

زنان خانے میں غسل دے دلا۔ بجائے چوتھی کے جوڑے کے کفن پہنایا گیا وہ سامنے دالان میں مردہ رکھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس حسرت زدہ کی نعش ہے؟ یہ نعش اُس ناشاد نامراد کی ہے جس کی عمر کا اب سولھواں سال ہے۔ جس کی شادی کا سارا سامان گھر میں پھیلا پڑا ہے جس کا جہیز بالکل تیار ہے جس کے وداع کا صرف ایک مہینا آج سے باقی ہے۔ مگر کس کو خبر تھی کہ وداعِ دائمی درپیش ہے۔ اے پیاری بیگم! ہماری پیاری دلہن! کس بے خیالی میں پاؤں پھیلائے لمبی سیدھی سو رہی ہو؟ تم کو وہم نہیں آتا ذرا آنکھیں تو کھولو تمھاری دُکھیاری ماں کیسی بے قرار ہے تمھاری بھاوج اور بھائی کا کیا حال ہے؟ مگر ہائے افسوس تم کو کچھ خبر نہیں!

دل سے دُنیا کے ولولے جاتے ہیں (رباعی) اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہ بہشت کتنی ہموار انیس بند آنکھ کئے لوگ چلے جاتے ہیں

کیسی نورانی اور پاکیزہ صورت۔ گوری رنگت پر کالے کالے لمبے بال چھٹے ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ بے چاری غم کی ماری ماں نے آگے بڑھ کر اس ناشاد نامراد دلہن کو گلے لگایا اور آخری پیار کیا۔ کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔ بھاوج لڑکھڑاتی ہوئی اُٹھیں نعش پر آکر گر پڑیں۔ بلائیں لیں پیار کیا۔ بھائی نے بہن کا آخری دیدار دور سے دیکھا دل بے قابو ہو گیا جس وقت مُردہ گھر سے نکلا ایک کہرام تھا سارے محلے میں شور و بُکا کی آواز تھی۔ بعضوں کو، بیماری تک کی خبر نہ ملی کہ دفعتہً مرنے کا دھاکا بیٹھا۔ اپنے تو اپنے غیر بھی اس موت پر آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ ہر شخص

اس سانحہ ہوش رُبا پر کفِ حسرت و افسوس ملتا تھا۔

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

قصّہ مختصر لاہوری دروازے کے باہر جنابِ شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب قبلہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت شاہ باقی باللہ قدس سرّہُ العزیز کی درگاہ شریف میں اس گنجِ شائگاں کو تہِ خاک کیا اور یوں اس چاند سی صورت کو خاک میں ملا دیا مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ[۱]۔

کسی کے موُنھ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے بعد کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے

جس کے لیئے طرح طرح کے بیش قیمت اور پُر تکلّف جوڑے طیّار تھے وہ آج ایک سفید کفن کی چادر میں پیچیدہ ہے جس کے لیئے چاندی کا چھپر کٹ اور مخملی توشک اور مسہّری کے تکیئے طیّار تھے وہ آج بلا تکیئے اور بچھونے کے خاک پر سو رہی ہے اور نہ صرف پڑی ہوئی ہے بلکہ منوں پتھر کی سلیں اور مٹّی کا بوجھ اُس کی نازک چھاتی پر دھرا ہے۔

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے (رباعی) رُخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

اللہ اللہ کیا دنیا ہے اور کیسا غفلت کا پردہ ہے!

چیست دُنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دو دن کی زندگی کے واسطے یہ بکھیڑا۔ اللہ اکبر!

کہتا ہے میرا تیرا یاں تیرا کون ہے دو دن کا ہے بسیرا پھر آتا کون ہے
جب آنکھ کھول کر دیکھا تو زندگی ایک خواب ہے چل چلاؤ کا بازار گرم ہے جو اس

[۱] لوگو اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے [۲]
[۲] خدا سے غافل ہونے ہی کا نام دنیا ہے نہ کہ آراستگی اور چاندی سونا۔ بال بچّے اور بیوی۔ ۱۲

سرا میں آیا ہو اُسے جانا ضرور ہے۔ آج وہ گئے کل ہماری باری ہے۔ ہوشیار اور عاقل وہ ہے جس کے پیش نظر ہمیشہ موت رہے۔ چاہیئے یہ کہ ہر وقت سفر آخرت کے لیئے طیّار رہیں نہ یہ کہ دُنیا میں آکر ایسے پھنس جائیں کہ بھول کر بھی منزل آخرت کو یاد نہ کریں۔ اَللّٰہُمَّ اجْعَلْنَا مُشْتَاقِیْنَ اِلٰی لِقَائِکَ مُتَوَجِّھِیْنَ اِلٰی جَنَابِکَ مُسْتَعِدِّیْنَ لِلْمَوْتِ۔[۱]

غافل اس منزلِ فانی میں نہ زنہار رہو (رہی) یاں ہے کھٹکا ملکُ الموت کا ہشیار رہو
یہ جگہ سونے کی ہرگز نہیں بیدار رہو عمل نیک کرو چلنے پہ طیّار رہو

بیگم صاحب بے چاری کو عالم ضعیفی میں جوان بیٹے کے داغ نے کہیں کا نہ رکھا زندہ درگور تھیں اُس دن سے ہم نے اُنھیں ہنستا تو کیا کبھی مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ کبھی وہ چارپائی پر نہ سوئیں۔ ہمیشہ فرش پر پڑی رہا کرتی تھیں۔ پلنگ پر اُن کو کیا خاک نیند آتی جب کہ اُن کی لختِ جگر جنگل بیابان لق و دق میدان میں یوں عالم بے کسی میں پڑی تھی جہاں اپنا پرایا کوئی پاس نہ تھا جہاں اندھیرے گھُپ کے سوا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نہ تھا۔ ؎

من چوں زیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند[۲]
لختِ جگر بریدہ تہِ خاک کردہ اند

جھیز کو دیکھ دیکھ کر اُن کی چھاتی بھر آتی تھی۔ چالیسویں کے بعد معمولی

---

[۱] اے اللہ تو ہم کو اپنے دیدار کا مشتاق بنا اور اپنی درگاہ کی طرف متوجہ کر اور موت کے لیئے آمادہ رکھ [۲] میرا تو سینہ چاک کر ڈالا ہے پھر میں کس طرح جیوں میرے جگر کے ٹکڑے کو کاٹ کر خاک کے تلے دفن کر دیا ہے۔ ۱۲

کپڑے تو اُنھوں نے سب خیرات کر دیئے رہے بھاری بھرکم جوڑے اور زیورات وہ سب اونے پونے فروخت کر کے درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں مسجد کی مرمت کروادی اور ایک کنواں بھی بنوا دیا اور جو کچھ بچا وہ انجمن حمایت الاسلام لاہور اور مدرسۂ دیوبند میں دے دیا۔ سبحان اللہ جہیز کیا اچھے ٹھکانے لگا۔ ہماری پیاری بنو بیگم نے دُنیا میں بھی چین کیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ بہ طفیل رسُول کریم جنت میں بھی چین نصیب ہو گا۔ دُنیا سے وہ نامراد اور محروم گئی جنت میں سارا جہیز ستّر گنا ہو کر پوہنچا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اے پاک پروردگار جس کی مہربانی اپنے بندوں پر ماں باپ سے ہزارہا گنا زیادہ ہے تو اس لڑکی کو بہ طفیل رسول کریم اور صدقہ اپنی خدائی کا بخش دے اور الٰہی اُس کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ آمین۔!

اُنتیسواں باب۔ بیگم صاحب کی بیماری اور موت

اے اجل گر تنِ بے جاں نہ خاکش سپری[۱]
نہ توانی کہ نکو نامیش از یاد بری

بہن کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اقبال مرزا بہ ترقی کشمیر میں ملازم ہو گئے تھے جب تک وہ گوڑگانوے میں رہے دلی گھر آنگن تھا اب اتنی دور جانا

[۱] اے موت یہ مانا کہ تو نے تنِ بے جاں کو تہِ خاک کر دیا لیکن یہ تو بتا کہ تو مرنے والے کی نیک نامی کو بھی یاد سے جو دلوں پر نقش ہے بھلا اور مٹا سکتی ہے۔ ۱۲

پڑا نوکری کا معاملہ تھا کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔ بیوی کو ماں کے پاس چھوڑ ناچار چلے گئے۔ بیگم صاحب کی صرف دو تمنائیں تھیں ایک تو اس لڑکی کی شادی کی تھی وہ تو یوں خاک میں مل گئی دوسری پوتے کا ارمان تھا۔ لوگوں کے ہاں بیاہ کے بعد نویں مہینے بال بچہ ہو جاتا ہے خدا کی شان یہاں تیسرا برس لگ گیا یہ بڑی بی کی تقدیر! افسوس کہ یہ دونوں حسرتیں اُن کی باقی رہیں لڑکی کی موت کا ایسا صدمہ اُن کو پہنچا کہ وہ اُسی دن سے مُرندہ ہو کر رہ گئیں روز بروز گھلتی چلی جاتی تھیں۔ ایک تو عمر کا تقاضا دوسرے اس غم کا دہا کا آخر کب تک آئے دن بیمار رہنے لگیں "تاب و طاقت نے جواب دے دیا چل چلاؤ کا سامان نظر آنے لگا سال نہیں گزرا تھا کہ وہ بھی اپنی بیٹی سے جا ملیں۔ اب ان کے مرض الموت کے حالات کیا لکھیں پچاس کے پیٹے میں تھیں عمر طبعی کو پونہچ چکی تھیں جب ہم سولہ برس کی جان جوان کو تہِ خاک کر آئے تو اب ان کو کیا روئیں۔ اگر رونا ہے تو صرف اس بات کا کہ ان کے مرنے سے بہت سے یتیم اور بیوائیں بن موت مر گئے اُن کا سہارا اُٹھ گیا۔ بیگم صاحب کی ذات بابرکات سے جو فیض دائمی جاری تھا وہ بند ہو گیا جس کو بہت سے لوگ یاد کر کر کے اب تک روتے ہیں ؎

تمھیں کہنا ہے مردہ کون تم زندہ کی زندہ ہو
تمھاری نیکیاں زندہ تمھاری خوبیاں باقی

بیگم صاحب کو جیسی کچھ محبت اپنے اکلوتے بیٹے سے تھی وہ ظاہر ہے۔ کون سی ماں ہو گی جسے اپنی اولاد کی محبت نہ ہو گی۔ مگر بیگم صاحب کو اپنی اولاد سے عشق تھا اور بیٹے پر تو دیوانی تھیں کئی لڑکے ان کے اُتر گئے تھے ایک اسی کو

اللہ نے پروان چڑھایا تھا یہی اُن کی زندگی کا سہارا تھا اور اسی کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں اسی کے بھروسے اُنھوں نے اپنا سارا رنڈاپا کاٹا۔ بیٹے کو بھی ماں سے عشق تھا۔

بیگم صاحب نے اپنی اولاد کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا گھُرکی جھڑکی مارپیٹ تو کجا کبھی ٹیڑھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا۔ اولاد بھی ایسی سعادت مند تھی کہ ماں کی اطاعت فرماں برداری اور ادب کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا بیگم صاحب یوں تو کئی مہینے سے بیمار تھیں مگر اب روز بروز اُن کی حالت بگڑتی جاتی تھی اپنی بیماری وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتی تھیں اندر ہی اندر گھُلی چلی جاتی تھیں۔ ہڈی سے چمڑا لگ گیا تھا سوکھ کر امچور کی پھانک ہو گئی تھیں دوا درمن کچھ کرتی نہ تھیں جب بہت اشتداد مرض کا ہوا ہڈیوں میں بخار جم گیا پرانی کھانسی ہو گئی تب ناچار پڑ گئیں۔ یہ خبر سُن کر دونوں لڑکیاں آگئیں ایک تو رہتک میں قریب تھیں۔ دوسری دلّی ہی میں رہتی تھیں ماں کی آخری خدمت گزاری میں دونوں مشغول تھیں مگر افسوس صد افسوس کہ اقبال مرزا اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہا اور ماں کا آخری دیدار نہ دیکھ سکا۔ چوں کہ بیگم صاحب کی بیماری کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری تھا کسی کو خیال نہ تھا کہ وہ اس بیماری سے جاں بر نہ ہو گی کیوں کہ اصلی حالت وہ اپنی کسی پر ظاہر نہیں کرتی تھیں اندر ہی اندر گھُن لگ گیا تھا کئی دفعہ ارادہ کیا کہ کشمیر خبر بھیجی جائے مگر وہ ہمیشہ مانع ہوئیں کہ خواہ مخواہ دور بیٹھے میرا بچہ پریشان ہو گا دیکھو خبردار ہرگز نہ لکھنا۔ مگر دلہن نے جب دیکھا کہ آثار اچھے نہیں کل کو کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ مجھے بات دینی آئے میاں کو لکھ دیا کہ اماں جان کی طبیعت روز بروز بگڑتی چلی جاتی ہے خدا خیر کرے

مجھے اندیشہ ہے جس طرح بھی ہو تم چھٹی لے کر آ جاؤ۔ اقبال مرزا کے خط سے بیگم صاحب تاڑ گئیں کہ ہو نہ ہو بہو بیگم نے لکھا ورنہ اور کون لکھنے والا تھا ہو سے اُنھوں نے کہا کہ بھلا تم نے اپنے میاں کو کیوں لکھ دیا ہوگا جو لڑکے کو پردیس میں حیران پریشان کیا ہیں تو اچھی خاصی ہوں مجھے کیا ہوا اگر مجھے مرنا ہی ہوتا تو کیا میں بُرھیا ہٹی کٹی چلتی جاگتی بیٹھی رہتی اور وہ جان جوان لہلہاتی ناشاد نامرادیوں چلی جاتی بیٹے کو لکھوا بھیجا کہ دُلہن نے ناحق گھبرا کر تم کو لکھ دیا میری حالت تو ویسی ہی ہے جیسی کہ تم دیکھ گئے تھے کوئی نئی بات نہیں جو اندیشے کا مقام ہو تم گھبراؤ نہیں اللہ نے چاہا تو میری طبیعت سنبھل جائے گی اس طرح تو کئی دفعہ بگڑ چکی ہے۔ ماں کا خط پاکر اقبال مرزا کو کچھ اطمینان ہو گیا۔

تھوڑے ہی دن میں بیوی اور بہنوں کے خط پیا پے پہنچے کہ حالت بالکل گر گوں ہے جلد چلے آؤ۔ پانچویں دن تو خط پہنچے اور وہ تھے دورے پر اب رخصت ملے کب اور خدا جانے کب تک جانا ہو۔ رخصت کی درخواست فوراً کردی منظوری کا انتظار تھا کہ تار آ گیا کہ صفحۂ دنیا سے اقبال مرزا کی سچی چاہنے والی اُٹھ گئیں ۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

اب ہم اقبال مرزا کا کیا حال لکھیں عالم مسافرت تنہائی اور اُس پر صدمۂ عظیم آنے والا جانے والا بے کسی میں کون تھا

ہاں فقط اک دم غریب آثار ہا جاتا رہا

اقبال مرزا آدمی تھے سمجھ دار بہت ضبط واستقلال سے کام لیا جزع وفزع

ـــے کیا فائدہ تھا جو حکمِ الٰہی تھا وہ پُورا ہو چکا ؎

نہ مونسے نہ رفیقے[۱] نہ ہمدمے دارم
حدیثِ خود بہ کہ گویم عجب غمے دارم

وہ جانتا تھا کہ دُنیا میں سدا کسی کے ماں باپ نہ جئے ہیں نہ جئیں گے دُنیا کا یہی کارخانہ ہی جوان بہن مر گئی تو ہم نے کیا کر لیا چار دن روئے پیٹے خاصے بھلے چنگے ہو گئے مرنے والی اپنی جان سے گئی ہم کو کچھ بھی نہ ہوا ؎

بلبل[۲] نیم کہ نعرہ زنم درد سر دہم
قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم

پروانہ نیستم کہ بہ یک دم عدم شوم
شمع میاں بہ سوزم ودم بر نیاورم

دنیا پر عجیب غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہی میّت کو لے جاتے وقت جو حالت ہوتی ہی وہ واپسی کے وقت باقی نہیں رہتی یوماً فیوماً انسان دنیا میں ویسا ہی منہمک ہو جاتا ہی دنیاوی رنج و خوشی دونوں فانی اور عارضی ہیں ؎

غمِ دُنیا[۳] مخور کہ بیہودست
ہیچ کس در جہاں نیاسودست

غمِ دیں خور کہ غم غمِ دین ست
ہمہ غم ہا فرو ترا زایں ست

---

[۱] رفیق یا مونس یا ہمدم کوئی بھی میرے پاس نہیں ہیں اپنے رنج و غم کی داستان بھلا کس سے کہوں کچھ عجب طرح کا غم ہی۔ [۲] میں بلبل تو ہوں نہیں کہ شور و غل کر کے درد سر پیدا کروں نہ قمری ہوں کہ اپنی گردن میں طوق ڈال لوں اور نہ پروانہ ہوں کہ ایک دم شمع پر جل کر ختم ہو جاؤں۔ میری مثال شمع کی سی ہی کہ ساری رات محفل میں جلتی رہتی ہی اور دم نہیں مارتی [۳] امور دنیا کا غم کھانا فضول ہی کیوں کہ یہاں کا غم ہی بیہودہ اور لغو ہی بھلا دنیا میں کوئی بھی امن چین سے رہا ہی۔ البتہ دین (یعنی عاقبت) کا غم غم ہی۔ اس کا رنج کیا جائے تو درست ہی کہ اس کے سامنے سارے غم ہیچ ہیں ۱۲۔

اب دلی جانے سے کیا فائدہ؟ رہا خاک کا ڈھیر وہ جا کر دیکھ ہی لیں گے جلدی کیا ہے۔ ماں کا دیدار آخری تقدیر میں نہ تھا وہ میسر نہ ہوا ؎

کب کوئی بلا نگاہ پانی سے رُکی — اک لحظہ نہ موت زندگانی سے رُکی

پیری ہی کا نام گو ضعیفی ہے رشید — پر ایسی قوی ہے نہ جوانی سے رُکی

وہاں کا حال سنیئے بیگم صاحب دم آخری۔ دونوں بیٹیوں کو اپنے پاس دیکھ کر خوش ہوئیں۔ نواسے نواسیوں کو پہچانا پیار کیا کیوں کہ مرتے دم تک اُن کے ہوش حواس برابر تھے مگر بیٹے کا کلخہ تھا دم چھاتی میں اٹکا ہوا تھا کہ اب بھی آ جائے کہ خبر آخری دیدار ہی دیکھ لوں مگر دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے حکم قضا و قدر ٹلتا نہیں لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔[۱] جب دیکھا کہ اِن کا دم سینے میں اٹکا ہوا ہے ہچکی لگ گئی ہے آنکھیں بے رونق ہو گئیں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے ؎

پتلیاں گردش دوراں کی خبر دیتی ہیں — ہچکیاں روح کو پیغام سفر دیتی ہیں

لوگوں نے اس خیال سے کہ کسی طرح ان کی مشکل آسان ہو کہہ دیا کہ لو یہ تمہارے لڑکے کا خط ابھی آیا ہے شام تک وہ بھی آ جائیں گے یہ سنتے ہی چہرہ بشاش ہو گیا مسکرائیں۔ خط ہاتھ میں لیا اور بوسہ دیا اشارہ کیا کہ خط کو تکیئے کے تلے رکھ دو ؎

دل بیتاب وہ آتے ہیں خدا خیر کرے — صبر کر صبر ذرا میرے مچلنے والے

شام تک اور حالت بگڑ گئی زبان بند ہو گئی غفلت طاری تھی بیمار سے کہہ دیا

---

[۱] ایک ذرہ بھی بدون حکم خدا کے حرکت نہیں کر سکتا۔ ۱۲

کہ لڑکا آگیا تھکا ماندہ لیٹ گیا ہے آنکھ لگ گئی ہو کہو تو جگا لائیں۔ بیگم صاحب نے اشارے سے منع کیا کہ سونے دو۔ اللہ اللہ کیا ماں کی مامتا ہے دم واپسیں ہے اور بیٹے کی یہ محبت کہ وہ خواب استراحت سے بیدار نہ کیا جائے۔ ماں کی سچی محبت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے ؎

دم آخر تیرے زانو پہ جو اپنا سر ہو خوش نصیبی ہیں ہمارا نہ کوئی ہم سر ہو

نصف شب کو خرخرہ شروع ہوگیا ایک چمچہ شربت کا حلق میں ٹپکایا وہ بھی نہ اُترنا تھا نہ اُترا اِدھر اُدھر باچھوں سے نکل گیا۔ سرہانے کھڑے ہو کر بڑی لڑکی لیسین شریف پڑھ رہی تھی۔ دو بجے کے عمل میں ایک ہچکی لی ساتھ ہی ایک پھریری آئی کہ روح تن سے جُدا ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری (رباعی) لطف و کرم و عطا ہے عادت تیری
قطرہ قطرہ ہیں گو کہ عصیاں میرے دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

چوں کہ اس خاندان کی ہڑوار حضرت خواجہ باللہ کی درگاہ شریف میں تھی وہیں بیٹی کی بغل میں ان کو سپرد خاک کیا۔ بچھڑی ہوئی ماں بیٹیاں ایسی ملیں کہ تا قیامت جدا نہ ہوں گی۔

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے (رباعی) دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

اقبال مرزا کے آنے کی اب کسے تڑپن تھی نہ خود اُنھیں جلدی تھی تیسرے مہینے وہ ایک لمبی رخصت لے کر آئے سٹیشن سے اُترتے ہی سیدھے ماں کی

[1] ہم تو اللہ ہی کے ہیں (جس حال میں چاہے رکھے) اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ۱۲

قبر پر گئے۔ قبر سے بہ زبان حال یہ آواز آئی ؎

گو جنازے پہ نہیں قبر پہ آئے وہ مری　　شکوہ کیا کیجئے غنیمت ہے کہ آئے تو سہی

مٹی کے ڈھیر کو دیکھ کر کیا خاک تسلی ہو سکتی تھی طبیعت بے قابو ہو گئی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہو گئے ؎

ہمارے دیدۂ گریاں سے ابرِ تر کو کیا نسبت
وہ اک جھالے ہیں تھم جاتا ہے یہ برسوں برستے ہیں

جس ماں کو گھر میں اچھا بھلا چھوڑ گئے تھے آج اُن کو جنگل میں تہ خاک دیکھا ؎

عدم تک کس طرح پونہچوں گا یارب نا بلد ہوں میں
سُنا ہے منزلیں بھاری ہیں وحشت ناک رستے ہیں

نہ خط آتا ہے کوئی نہ خبر معلوم ہوتی ہے
گئے دنیا سے جو یارب وہ کس بستی میں بستے ہیں

عدم کی راہ طے ہووے گی کیوں کر سخت مضطر ہوں
نہ رہبر ہے کوئی اپنا نہ دیکھے بھالے رستے ہیں

کُھلے گا جب سیہ نامہ مرا پھیلے گی تاریکی
حساب اک بند کا کیسا یہاں دستے کے دستے ہیں

تجھے وحشت ہوئی کیوں دیکھ کر گورِ غریباں کو
عدم والے دلا ایسے ہی ویرانوں میں بستے ہیں

ماں کے پہلو بہ پہلو بہن کو لیٹا ہوا پایا۔ اُس کا بھی غم از سرِ نو

تازہ ہوگیا ؎

کس کس کی یاد دل سے بھلاؤں میں دلفگار

اک دل ہی میرا جس پہ پڑے داغ بے شمار

بہن کی جواں مرگی کا صدمہ ابھی تک بھولا نہ تھا۔ ماں کو اسی غم نے کھالیا اب غم سہنے کے لیئے صرف ایک بھائی رہ گیا ؎

سدا تپش پہ تپش ہے دل تپاں کے لیئے

مدام غم پہ ہے غم جانِ ناتواں کے لیئے

گھر میں آئے تو از سرِ نو کہرام بپا ہوا سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا مکان کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ جب ماں کی بے قراری اور اُن کی دم بدم یاد کا حال سُنا کہ دروازے کو ٹکٹکی لگی ہوئی تھی چھاتی میں دم تھا مگر کان تمھاری ہی آہٹ پر لگے ہوئے تھے ؎

نزع میں بھی تری صورت کو نہ دیکھا افسوس

مرتے مرتے بھی نہ ارمان نظر کا نکلا

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار

جانب در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہے

اقبال مرزا کے کلیجے میں تیر سا لگ گیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا۔[1]

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم پس ازاں کہ من نہ مانم بہ چہ کار خواہی آمد

[1] تمہارے انتظار میں میری جان تو ہونٹوں پر آئی ہوئی ہے (یعنی اب نکلنے والی ہے) اب کاش تم اس وقت بھی آجاؤ کہ میری جان میں جان پڑھ جائے اور اگر میرے مرنے بعد تم آئے بھی تو کس کام کے آئے یہ تو میں جانتا ہوں کہ عشق کی کشش بڑی زبردست ہوتی ہے بھلا وہ تم کو اس طرح کیوں کر چھوڑ دے گی تم میرے جنازے پر اگر نہ آئے تو خیر مگر میرے مزار پر تو ضرور ہی آؤ گے ۱۲۰

کشتۂ کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیساں بہ جنازہ گر بنیائی بہ مزار خواہی آمد

ماں کو رو پیٹ کر اب فکر اس بات کی ہوئی کہ گھر کا کیا انتظام ہوگا۔ دونوں بہنیں اپنے اپنے گھروں کی تھیں اب اس ڈھنڈار گھر میں کون رہے۔

بیگم صاحب کے دم قدم کی برکت تھی کہ سارا گھر بھرا پُرا تھا۔ آئے دن مہمان بھرے رہتے تھے ہمیشہ رونق اور چہل پہل رہتی تھی اب وہی گھر تھا کہ نگاہ بھر کے دیکھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ سچ ہے مکان کی رونق مکیں سے ہی ہوتی ہے جب وہی نہ رہیں تو پھر گھر کیا خاک رہا۔ جھاڑو کا بندھن تھا کہ بیگم صاحب کے مرتے ہی کُھل گیا سب تیلیاں بکھر گئیں سارا کارخانہ تتّر بتّر ہو گیا۔ اگر بیوی کو ساتھ لے جائیں تو گھر میں کون رہے۔ بیوی کو چھوڑ جائیں تو وہ بے چاری بہ یک بینی و دو گوش کس طرح بسر کریں۔

آخر کار یہ صلاح ٹھیری کہ بیوی کو ساتھ لے جائیں اور گھر میں ایک آدمی رکھ دیں جو جھاڑو بُہارو دیا کرے اللہ اللہ خیر صلّاح۔ ناچار چار روپے مہینے کا ایک بُڈھا ملازم مکان میں رکھ دیا اور میاں بیوی دونوں کشمیر سدھارے

تیسواں باب میاں بیوی کے تعلقات پر

ایک مختصر ریویو

خدا رکھے محبت کو کیئے آباد دونوں گھر
میں اُن کے دل میں رہتا ہوں وہ میرے دل میں رہتے ہیں

ریاست کشمیر میں اقبال مرزا کی خدمات گورمنٹ انگریزی سے مستعار لی گئی تھیں سشن جج کا عہدہ ملا اور تنخواہ بھی ہزار روپئے مقرر ہوئی۔ اقبال میرزا کی شادی کو اب دسواں سال تھا جس کو ایک جُگ یا قرن کہنا چاہیئے جوڑا گھس پس پرانا ہو گیا۔ ہم مسلمانوں کی شادی تو ایک جوا ہے لگا تو بہتر نہیں تو ٹکا مگر خدا کا شکر ہے کہ حسنِ اتفاق سے یہ جوڑا ان مول تھا میاں بیوی دونوں لائق سمجھ دار اور تعلیم یافتہ تھے اپنے اپنے فرائض سے خوب واقف دونوں ایک دوسرے کے عاشق زار۔ سارے شہر میں اِن کی سازگاری کی دھوم تھی۔ ہم نے کبھی کانوں کان اِن کے لڑائی جھگڑے کی بھنگ تک نہیں سنی۔ جب دیکھا میاں کا بیوی کی تعریف کرتے منھ خشک ہوتا تھا بیوی میاں کی شکر گذار اور ثنا خواں مسلمانوں میں ایسے کم گھرانے ہوں گے جہاں میاں بیوی کا ایسا اتفاق ہو۔ دونوں ایک جان دو قالب تھے میاں بیوی کا جب دل نہ ملا اور دوئی ہوئی تو پھر لطف خانہ داری ہی کیا رہا۔ جیتے جی دوزخ ہے۔ دونوں ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے میاں بیوی کو بہت چاہتے تھے ہر طرح اُن کی خوش سلیقگی۔ انتظام خانہ داری اطاعت گزاری سے خوش تھے۔ بیوی میاں کا دم بھرتی تھیں اُن کے حسن سلوک۔ نیک بختی۔ نازبرداری کی معترف۔ بیوی کی یہ حالت تھی کہ میاں کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم سمجھتی تھیں اُن کے کھانے پینے کپڑے۔ لتے اور آرام و آرایش کی ہمیشہ خبر رکھتی تھیں۔ بات منھ سے نکلنے کی دیر تھی کہ بلا عذر حکم کی تعمیل کرتی تھیں۔ میاں کے ساتھ ادب قاعدہ ملحوظ رکھتی تھیں چھچورپن خفیف الحرکاتی سے کوسوں دور تھیں کبھی دوبدو الٹ کر جواب نہیں دیا نہ میاں کی بات کو کاٹا۔ بہ مقتضائے بشریت کوئی بات اگر خلاف

مرضی ہو بھی گئی تو اُس وقت دست وگریباں نہ ہوئیں بات کو آئی گئی کر دیا ہنس کر ٹال دیا۔ موقعہ و وقت دیکھ کر اُس کا ذکر چھیڑا تاکہ کسی طرح ناگوار نہ گزرے۔ پھر بتلایئے کہ ایسی بیوی چراغ لے کر بھی اگر ڈھونڈیئے تو کس کو ملتی ہے۔ ایسی بیوی کا میاں اگر مطیع نہ ہو اور اُس کے پاؤں دھو دھو کر نہ پیئے تو کیا اُسے باؤلے کُتے نے کاٹا ہے کہ خواہ مخواہ کٹھ حجتی کر کے لڑنے لگے۔ جو بیویاں میاں کو مطیع بنانا چاہتی ہیں پہلے اُن کو خود مطیع و فرماں بردار ہونا چاہیئے۔ تب کہیں دوسرے کا دل مٹھی میں آئے گا۔ محنت کے بعد راحت اور تکلیف کے بعد آسایش کھلی بات ہے۔ فَإِنَّ[۱] مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ ع صبر تلخ[۲] ست ولیکن بر شیریں دارد۔ سیوا کروگے میوہ پاؤگے۔ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ میاں کچہری سے جھلائے ہوئے آئے گھر میں گھستے ہی بیوی کا خندہ رو مکھڑا دیکھتے ہی اُن کا غصّہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ساری کلفت دور ہو گئی۔ دوسری جگہ ہوتی تو بیوی خود ناک چوٹی گرفتار اُن کی پیشانی پر سو بل پڑ جاتے۔ چلو بس لڑائی کے لئے یہی ایک بہانا ہو جاتا۔ بعض وقت یار دوستوں میں یا کسی دعوت تماشے میں دیر ہو گئی رات زیادہ ہو گئی دیکھا تو بیوی کھانا لئے بیٹھی اونگھ رہی ہیں۔ کتنی بھی رات ہو جائے کیا مجال جو میاں بغیر یہ اللہ کی بندی ٹکڑا توڑے۔ میاں کے آتے ہی سالن گرم کیا ہاتھ دھلائے دسترخوان بچھایا کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا۔ مگر کبھی

---

[۱] سو بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے [۲] صبر کرنا بے شک کڑوا (مشکل) ہے لیکن صبر کا پھل تو میٹھا (اچھا) ہے اس میں ایک دوسری خوبی بھی ہے صبر (اس کا ... ایلوے کو کہتے ہیں جو سخت کڑوی چیز ہے لیکن اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۱۲

تیوری پر بل نہ ڈالا کہ ایسے ناوقت کیوں آئے دوسری کوئی ہوتی تو میاں کو خوب مزا چکھاتی - ہیں کیا تمھاری لونڈی باندی ہوں جو آدھی رات تک تمھارا انتظار کرتی بیٹھوں - میری جوتی کو کیا غرض - وہ رکھا ہے تمھارا کھانا چاہے کھاؤ چاہے نہ کھاؤ - مجھ سے یہ آئے دن کی مصیبت نہیں اُٹھائی جاتی کہ کھلی گھر میں بڑی ٹھرا کروں اور تم سیلانی جیوڑے خدائی خوار پھرا کرو - الٰہی ستّ جائیں ایسے جوانا مرگ دوست غارت ہو جائیں اُنھیں ڈھائی گھڑی کی موت آئے اُن کی لاش[1] چھپا تی جائے - اب بھلا بتلائیے ایسی بیوی کے میاں کا کیا حال ہوگا - ایک کہہ کر دس کون سُنے - بیوی نے جلے پھپولے پھوڑے اور سانپ کے سے بل کھائے مگر نتیجہ کیا ہوا؟ میاں کی طبیعت میں اور ضد پیدا ہو گئی - آج تو وہ آدھی رات کو آیا تھا کل پچھلے پہرے آئے گا اور پرسوں شاید رات کو غرّہ ہی کر دے تو بھی بیوی صاحب کے ہاتھ میں سوائے کُڑکڑانے اور پٹپٹانے کے کیا ہے ع - قہر درویش بہ جانِ درویش - جو بیویاں سمجھدار اور مآل اندیش ہوتی ہیں وہی مردوں کو قابو میں رکھ سکتی ہیں - میاں خود پشیمان ہو جاتے ہیں کہ ہم سے کیسی نازیبا حرکت ہوئی مگر واہ ری عورت کیسی نیک بخت ہے کہ بات کا دُہرانا کیا معنی مُنہ تک نہ بنایا - جو چیز میاں نے لا کر دی بہت خوشی سے لی - ماں کا پان بھی بہت ہی فوراً اُس کی تعریف کی خوشی ظاہر کی شکریہ ادا کیا پھبنے کی چیز ہوئی تو پہن لی میاں کا دل خوش ہوا - خواہ مخواہ اُس کا دل چاہے گا کہ کچھ نہ کچھ لاتے ہی رہا کرو - برخلاف اس کے جو عورتیں میاں کی لائی ہوئی چیزوں کو ذلت اور حقارت سے دیکھ کر

[1] صحیح لفظ لعش ہے مگر عورتوں کی زبان پر لاش چڑھا ہوا ہے - ۱۲

اپنے پندار میں سبز چشمی کا اظہار کرتی ہیں اُن کے میاں اُس کوچہ کا راستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی۔ بیویوں کو چاہیئے کہ ماماؤں اصیلوں نوکروں چاکروں خوشامدیوں کے کہنے سُننے پر کبھی نہ جائیں یہ لوگ میاں بیوی کو لڑاکر تماشہ دیکھتے ہیں وہ اسی میں اپنے ہاتھ رنگتے ہیں بھُس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی کسی نے کچھ کہہ دیا بس "تاؤ دیکھا نہ بھاؤ" بیوی کا مزاج بے قابو ہوگیا۔ یہ امر دو حال سے خالی نہیں یا وہ بات صحیح ہو گی یا غلط اَلْخَبَرُ یَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَالْکِذْبَ[1] اگر صحیح ہے تو بھی گرماگرمی میں کسی معاملے کو چھیڑنا اچھا نہیں۔ دیر آید درست آید۔[2] تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ اگر غلط ہے تو مفت میں ندامت ہوئی اور میاں سے بُرائی مول لی سو الگ۔ میاں بیوی میں کسی بات کا پردہ نہ ہونا چاہیئے۔ ذرا سی بھی شکایت ہو یا کوئی بات خلاف مرضی ہو تو رسان سے اُس کا ذکر کر دینا چاہیئے نہ بسبیل شکایت بلکہ بہ طریق حکایت۔ مثل مشہور ہے زبان شیریں ملک گیری دلوں میں بات کو دبائے رکھنا اور میل کا بیل بنانا نامنافقی کے علاوہ بہت بُرا نتیجہ نکالتا ہے۔ جو میاں بیوی اپنے اپنے حد اعتدال پر قائم ہیں ہم نہیں سمجھتے کہ اُن میں کیوں ناموافقت ہو؟ میاں کا فرض ہے کہ بیوی سے اچھا سلوک کرے اُس کی ضروریات کھانے کپڑے وغیرہ کا خیال رکھے کسی بات کی تکلیف نہ دے محبت اور شفقت اور نرمی سے پیش آئے بیوی کا فرض ہے کہ میاں کو اپنا سرتاج سمجھے اور ہر طرح اُس کی اطاعت اور خدمت گزاری اور رضامندی کو اپنا اہم فریضہ جانے۔ طرفین سے اگر ایسا ہو

---

[1] خبر میں جھوٹ اور سچ دونوں کا احتمال ہے [2] جو بات رسان میں سوچ سمجھ کے کی جاتی ہے وہ ٹھیک ہوتی ہے۔ جلدی کام شیطان کا دھیرے کام رحمٰن کا۔ ۱۲

تو پھر دیکھیں کہ کیوں کر لڑائی ہوتی ہے۔ جو مرد عورتوں کو ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں وہ خود بڑے نالایق ہیں کوئی تعلیم یافتہ مرد عورت کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھ نہیں سکتا جو عورتیں شوہر کو ہوا بن کر دبانا چاہتی ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ؎

تواں[1] بہ لطف و مدارات صید کردن دل　　بہ دام و دانہ بہ گیرند مرغ دانا را

ایسی عورتیں انجام کار سر پر ہاتھ دھر کے روتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عورتیں بہت نازک مزاج اور زود رنج ہوتی ہیں ناشکری اور احسان فراموشی کا مادہ اُن میں حد سے زیادہ ہے ساری عمر ان پر جان چھڑکو اگر ایک ذرا سی بھی بات اتفاقاً خلاف مرضی ہو جائے تو پھر سب کیا دھرا اکارت ع ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا ؎

آں[2] را کہ بجائے تست ہر دم کرمے　　عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

جس بات کی شکایت ہو پہلے اُس کو بیان کرو اگر تم کو تشفی بخش جواب نہ ملے تو خفا ہونا یا روٹھ جانا بجا ہے مگر یہاں تو آوے کا آوہ ہی اوندھا ہے۔ پانی کے آگے پار باندھی جاتی ہے پہلے منھ پھولتا ہے اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ جاتی ہیں میاں خالی الذہن بے خبر اُسے تلاش اس بات کی ہوتی ہے کہ یا الٰہی یہ معاملہ کیا ہے۔ ہر چند پوچھتا ہے منّت کرتا ہے مگر بیوی ہیں کہ کسی طرح سامان میں نہیں آتیں کبھی سر کے درد کا بہانہ ہے کبھی جی اچھا نہ ہونے کا عذر ہے مگر حقیقت میں سب ٹالنے کی باتیں ہیں آخر کار بات کھلی تو پھر بیوی نے ایسا زہر اُگلا کہ پناہ بہ خدا۔ میاں بے چارے کا ناطقہ بند کر دیا۔ بھلا فرمایئے

[1] نرمی اور مہربانی کے برتاؤ سے دل کا شکار کیا جاتا ہے یعنی دل پر قابو حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ جال اور دانے کی طمع میں سیانے پرندے کو بھی پھانس لیتے ہیں [2] جو شخص کہ تم سے مہربانی کیا کرتا ہے اگر اُس سے عمر بھر میں کوئی تکلیف بھی پہونچ جائے تو قابل معافی ہے۔ ۱۲

کہ یہ بھی کوئی طریقہ ہی؟ ایسی اوندھی مجھ پر پتھر پڑیں۔ میاں بیوی کے بہت گہرے تعلقات ہوتے ہیں ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر چراغ پا ہو جانا چہ معنی دارد۔ دو برتن جب ایک جگہ رہتے ہیں تو وہ بھی آپس میں کھٹک جاتے ہیں یہ تو انسان ہیں خلافِ مزاج کسی بات کا ہو جانا مقتضائے بشریت ہی مگر یہ بے سر پیر کی لڑائی کیسی؟ سیدھے سبھاؤ جو شکایت ہو کہہ کر دل ہلکا کر ڈالو پھر شوق سے مزاج کو بگاڑو جس بات کو اب نہیں کہا جاتا وہ چھپنے کی تو ہی نہیں اور اگر چھپانا ہی مقصود ہی تو پھر یہ پاکھنڈ کیوں آخر دیر سویر کھُلے گی پر کھُلے گی ؎

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

لیکن بدمزگی کے بعد کیوں کہو پہلے کہہ سُن کر دل ٹھنڈا کر لو۔ یہ بیان بہ طور جملۂ معترضہ کے آگیا اصل مطلب سے ہم بہت دور بھٹک گئے دس برس ان میاں بیوی کے ایسے گذرے کہ الٰہی سب کے ایسے ہی گزریں! ؎

دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے

خوشی کے ساتھ غم گل کے ساتھ خار۔ بہار کے ساتھ خزاں کا کھٹکا لگا ہوا ہی۔ ع

درپس[1] ہر خندہ آخر گریہ ایست

دُنیا کا یہی قاعدہ ہی کوئی شخص غم و فکر سے خالی نہیں۔ ہم دوسروں کی نسبت ایسا خیال کر لیتے ہیں کہ فلاں شخص امیر ہی اُسے کس بات کی پروا ہی۔ یہ بادشاہِ وقت ہیں اُنہیں ہر طرح کا امن چین ہی تکلیف اور غم ان کے پاس نہ پھٹکتا ہوگا۔ مگر ہر شخص اپنے اپنے مخصوص ہیں گرفتار ہی کسی کو روزگار کا فکر ہی تو کوئی دائم المرض ہی۔ کوئی نوجوان

[1] ہنسی کے بعد پھنسی۔ ۱۲

بیوہ خاوند کے غم میں گھلی جا رہی ہے کسی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کہ اُن کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا اور بعض بچے ایسے بھی ہیں کہ ماں باپ دونوں نہیں۔ رکھتے کوئی خاوند تو رکھتی ہے مگر آوارہ اور بد مزاج۔ غرض ہر شخص دُنیا کے گورکھ دھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ اقبال مرزا اور اُن کی بیگم کو ہی دیکھ لیجئے۔ بہ ظاہر کس بات کی کمی ہے روپیہ کی جگہ روپیہ اور پیسے کی جگہ پیسہ نوکری چاکری عزت آبرو اللہ کی دی ہمہ نعمت موجود۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے گرویدہ اور عاشق زار ایک کو پھانس لگے تو دوسرے کے کلیجے میں برچھی گڑ جائے جہاں ایک کا پسینہ گرے وہاں دوسرا خون بہانے کو طیار۔ محبت دن دونی رات چوگنی۔ لیکن یہ تمام عیش و آرام ایک لاولدی کے غم کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ شروع شروع تو اس بات کا کچھ خیال بھی نہیں آیا چڑھتی جوانی تھی جلدی کیا تھی ابھی عمر ہی کیا ہے اللہ بہت دے گا ابھی گُردن کی رات۔ مگر جوں جوں عمر بڑھتی گئی لاولدی کا احساس زیادہ ہوتا گیا۔ پہلے شک تھا کہ ہو یا نہ ہو اب نا اُمیدی کی حد تک نوبت پہونچی۔ لوگوں نے اولاد کے غم میں سلطنتیں چھوڑ دی ہیں اس سے بڑھ کر کیا غم ہو سکتا ہے خصوصاً ایسی جگہ کہ جہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی اور اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ دُلہن چُھپکے چُھپکے میم حکیم کا علاج مُلّا سیانوں کے گنڈے تعویذ سب کر چکی تھیں۔ جو جس نے بتایا منت مرادیں سب ہی تو مان لی تھیں۔ دو مرتبہ پاؤں کی فصد بھی ہوئیں پیٹ کو بارے بھی لگائے گئے لیکن حکم قصاد قدر کہیں ٹلتا ہے۔ اقبال مرزا کے دل پر لاولدی کا داغ تھا۔ کون ہوگا جسے اولاد کی تمنا نہ ہوگی۔ وہ گھر کیا جس میں بچہ نہ ہو۔ دنیا کی پیدائش شادی بیاہ غرض کل کائنات کی رونق

توالد وتناسل سے ہی اور یہ نہیں تو سب کارخانہ ہیچ ہی اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ اقبال مرزا جانتے تھے کہ یہ مشیتِ ایزدی ہی اس میں کسی کو کیا دخل جس کو وہ چاہے صاحبِ اولاد کرے اور جسے چاہے لاولد۔ نہ اس میں میری بیوی کا قصور ہی نہ میرے بس کی بات ہی رَضِیْنَا بِرِضَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا۔ آخر کار اس نازک اور رنج دہ مسئلہ کو انھوں نے بیوی سے چھیڑا وہ بے چاری تو بھری بیٹھی ہی تھیں گو یا پکا پھوڑا تھا جو ٹھیس لگتے ہی پھوٹ پڑا انھوں نے اپنی داستانِ غم شروع سے آخر تک کہہ سنائی مردوں سے زیادہ عورتوں کو اپنی بے اولادی کا رنج اور قلق ہوتا ہی اللہ کا دیا سب کچھ تھا مگر بن بچے کے سارا گھر سونا تھا۔

اقبال مرزا کو جب معلوم ہوا کہ بیوی تو پہلے ہی دُنیا بھر کی خاک چھان چکی ہیں پھر تو رہی سہی امید بھی جاتی رہی ایک ٹھنڈا سانس بھر کر چپ ہو گئے ؎

دل ہی نہ رہا امید کیسی جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

دہلی میں جو چاندنی چوک زنانہ مشن کی لیڈی ڈاکٹر ہیں اُن کو بُلایا اُنھوں نے دیکھ بھال کر کہا کہ علاج تو ہم کرتے ہیں اور ممکن ہی کہ کامیابی بھی ہو لیکن بظاہر

لہ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے بناؤ اور سنگھار ہیں ؎۲ ہم تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی ہیں
؎۳ وہ جس کو چاہتا ہی (نری) بیٹیاں عنایت کرتا ہی اور جس کو چاہتا ہی (نرے) بیٹے عنایت کرتا ہی یا بیٹے اور بیٹیاں (ملا کر) اُن کو دونوں قسم کی اولاد دیتا ہی اور جس کو چاہتا ہی ایسا (بے نام ونشان) کر دیتا ہی کہ اُس کے اولاد ہی نہیں ہوتی ۔۱۲

اسباب بہت دشواری معلوم ہوتی ہے کیوں کہ کچھ اس قسم کا نقص ہے جو مشکل سے اصلاح پذیر ہو گا۔ علاج شروع ہوا پرہیز کے علاوہ اپریشن کی تکلیف ایسی تھی کہ جان پر بن گئی مگر دلہن نے اُف نہ کی۔ ایک راحت کی اُمید پر ساری تکلیفیں گوارا کیں مگر کچھ ہوا ہوایا نہیں۔ لوگوں نے صلاح دی کہ امرتسر میں کوئی حکیم رہتے ہیں دو شرطیہ علاج کرتے ہیں بلکہ بیٹے کی بھی شرط کرتے ہیں مختصر یہ کہ خدائی دعوٰی کرتے ہیں اُن کا بھی علاج کر کے دیکھ لو۔ اقبال مرزا نے سنتے ہی کہا کہ اشتہاری حکیموں کا کیا بھروسہ ایسے ہی جامع الکمال ہوتے تو آج اُن کے گھر چاندی سونے کی دیواریں کھڑی ہوتیں۔ لڑکا تو لڑکا۔ اگر ہمارے ہاں ایک لڑکی ہی ہو جائے تو سو بیٹوں سے بڑھ کر ہے۔ بہت سے علاج معالجے تو ہو چکے ہیں مرتا کیا نہ کرتا۔ لگی بڑی ہوتی ہے دلہن نے کہا خیر یہ بھی کر کے دیکھ لیں تقدیر آزمائی ہی سہی۔ شاید اللہ نے ان ہی کو دستِ شفا دیا ہو۔ دُور کے ڈھول سُہاؤنے اخباروں کے چکنے چپڑے اشتہاروں میں عورت ذات تھیں آگئیں۔ دنیا بہ اُمید قائم۔ اقبال مرزا نے بیوی کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا جہاں سینکڑوں ہزاروں روپیوں پر پانی پھر گیا تھا اُنھوں نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ بڑے دن کی تعطیل میں دہلی آتے آتے امرتسر میں اُتر پڑے۔ اول تو حکیم صاحب کا مکان ہی مشکل سے ملا۔ دیکھا تو حکیم صاحب بہ یک بینی و دو گوش بیٹھے ہوئے ہیں مطب میں سلیقے کا فرش تک بھی نہیں۔ اونچی دُکان پھیکا پکوان۔ اخباروں میں تو بڑی طمطراق تھی مگر یہاں ڈھاک کے تین ہی پات تھے۔ بداعتقادی تو پہلے ہی ہو گئی مگر اب تو آہی گئے تھے کرتے تو کیا کرتے۔ حکیم صاحب نے اپنی

تعریف کا پل باندھ دیا کہ اتنے شخصوں کے ہاں میرے علاج سے فرزند نرینہ ہوا اور فلاں فلاں اشخاص سے میں نے نالش کر کے رقم اقرار نامہ وصول کرلی - اقبال مرزا ایک معزز آدمی اِن فرخرفات سے اُن کو کیا تعلق اُنھوں نے کہا حکیم صاحب شرط تو حرام ہی نہیں اقرار نامہ لکھوں نہ آپ سے لکھواؤں ہاں آپ خدا کا نام لے کر علاج شروع کیجیے اگر کام بابی ہوئی تو میں انشاء اللہ[1] ہزار روپیے آپ کی نذر کروں گا یہ تو مجھ سے ہو سکتا ہی مگر حکیم صاحب کا ڈھنگ ہی اور تھا اقرار نامہ لکھوائے بغیر وہ ٹکڑا نہیں توڑتے تھے کہ اس میں اُن کے دونوں ہاتھ بیٹھے تھے کیوں کہ اگر اولاد ہو گئی تو وہ بیچ کھیت روپیہ وصول لیں گے اور اگر نہ ہوئی تو وہ سو اڑنگے لگائیں گے کہ دوا کا استعمال برابر نہیں کیا جنیں ہوا اور چنیاں ہوا بہ فرضِ محال کوئی خم ٹھونک کر اُن کے سامنے آ گیا اور نالش بھی کر دی تو اُن سے لے گا کیا سوائے اس کے درجن دو درجن خالی بوتلیں نیلام کرالے خوان بڑا خوان پوش بڑا کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا حکیم صاحب کو سردست یہ فائدہ تھا کہ دو روپیہ کی معجون کے پچاس روپیے پیشگی وہ لے ہی لیتے تھے اولاد ہو نہ ہو اُن کی بلا سے - اقبال مرزا نے تو اقرار نامہ نہیں لکھا مگر اُن کے ساتھ ایک اور صاحب تھے جوان کو یہاں تک اُبھار کر لائے تھے اُنھوں نے سنتے ہیں کہ

---

[1] اگر اللہ نے بھی چاہا۔ مسلمانوں میں ہمیشہ آیندہ کے اقرار وعدے کے وقت ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا کرتے ہیں کیوں کہ غیب کا حال کسے معلوم ہی کہ وعدہ پورا ہو سکے یا نہ ہو۔ قرآن شریف میں بھی یہی حکم ہوا ہی (لا تقولن لشیٔ انی فاعل ذٰلک غدًا الا ان یشاء اللہ۔ ترجمہ اور کسی چیز کی نسبت (یہ) نہ کہا کرو کہ میں اس (کام) کو کل کر دوں گا مگر (ہاں یوں کہا کرو) خدا چاہے تو (اس کام کو کل کر دوں گا)۔ ۱۲

لکھ دیا حکیم صاحب نے پاؤں کی فصدیں لوائیں کچھ معجون اور دوائیں دے دیں اُن کے استعمال سے ہاں اتنا تو ہوا کہ بخار کئی دن آیا مگر بچہ تو چوہے کا بھی نہ ہوا

اکتیسواں باب۔ دوسرے نکاح کی چھیڑ چھاڑ

گر ضرورت بود روا باشد
بے ضرورت اگر خطا باشد

اقبال مرزا کے دل میں کئی دفعہ دوسری شادی کا خیال آیا کہ اب صرف یہی ایک تدبیر باقی تھی مگر وہ اس تصور سے لرز جاتا تھا چہ جائے کہ وہ اس بلا کو اپنے سر لیتا۔ دُلہن کو جب اپنی لاولدی محقق ہو گئی تو وہ بڑی سمجھ دار بیوی تھیں اُنھوں نے بھی کہا کہ میرے لیئے تم اپنی دُنیا کیوں خراب کرتے ہو شوق سے دوسری شادی کر کے دیکھو شاید اُسی سے اولاد ہو جائے۔ میری تقدیر میں تو اللہ نے یہ خوشی لکھی نہیں۔ کہنے کو تو یہ بات منھ سے کہہ گئیں مگر اُن کے کلیجے پر سانپ سا لوٹ گیا دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ کون سی عورت ہوگی جو اپنے میاں کو ہنسی خوشی اجازت دے گی کہ وہ دوسری بیوی کر لائے خواہ کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو مگر وہ تاڑ گئیں تھیں کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی دیر سویر ایک نہ ایک دن یہ بلا آئے گی پر آئے گی میں خود ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ میرا احسان بھی رہے ورنہ زبردستی سر پر لا بٹھائیں گے تو میں کیا کر لوں گی۔

اقبال مرزا ہمیشہ ایسی باتیں سُنی کی اَن سُنی کر دیتا تھا بلکہ بہت وثوق سے

۱؎ ضرورت کے وقت تو جائز ہے مگر بلا ضرورت کرنا البتہ خطا ہے ۔ ۱۲

کہا کرتا تھا کہ اولاد اگر تقدیر میں ہوتی تو تم ہی سے نہ ہوتی میں دوسری جورو کرکے کہاں جھگڑے میں پھنسوں اور پھر کسے خبر اگر اس سے اولاد نہ ہوئی تو پھر کیا ہوگا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔۔۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

میری وہی مثل ہوگی دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا لیکن جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے دلہن کو اپنے پر سوکن آنے کا یقین ہوتا جاتا تھا وہ برابر سنتی رہتی تھیں کہ میاں کے ملنے جلنے والے ہمیشہ اُن کو دوسرے نکاح کے لیئے اُبھارتے رہتے ہیں۔ کہنے والے جدا تقاضی ہیں۔ کہتے سنتے ہیں تو ایک نہ ایک دن آہی جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس خاندان کا چراغ گل ہوجائے گا کوئی کہتا ہے کہ آگے کو نام کیوں کر چلے گا۔ کوئی بیوی کہتی ہیں کہ بیوی آئی ہیں بڑی بیوی۔ اے کاہے کی بیوی آل نہ اولاد۔ شجر بے ثمر صبح کو ایسی عورت کی صورت دیکھنا روا نہیں پانچ نجوتی شیطان کی لنگوٹی۔ ان کی صورت کو لے کر کوئی کیا چاٹے اس سے تو بدصورت ہوتیں مگر اولاد تو ہوتی لیکن ہم خدا کو گواہ کرکے کہتے ہیں کہ ہم نے اقبال کی زبان سے کبھی کوئی کلمہ دل شکن نہیں سنا اوپر والوں کی بھلی چلائی۔ مدعی سست گواہ چست۔ بلکہ وہ بیچارہ ہمیشہ دوسرے نکاح کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا وہ جانتا تھا کہ کھلی جنگلی جان کو دیدہ و دانستہ عذاب میں پھنسانا ہے۔ کچھ تو آئندہ کے جھگڑے بکھیڑوں کا خیال مانع تھا لیکن زیادہ تر تو اس بات کا خیال تھا کہ ایسی بیوی جس نے ساری عمر زبان نہ ہلائی۔ اطاعت و فرماں برداری اس کا شیوہ رہا۔ نوکر کو ... کسی بات میں عذر نہ تھا۔ ایسی بیوی کے کلیجے پر

ایک دم سوکن کی سِل لاکر دھر دینا شرط حمیت انسانی نہیں ہے۔ اقبال مرزا کبھی کبھی اپنی لاولدی پر آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا کاش کوئی بھائی ہی ہوتا اور اسی کے اولاد ہوتی تو کچھ اشک شوئی ہوجاتی۔ اب تو فی الواقع آگے کو کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ غرض دو سال تک متواتر سوچ بچار کے بعد لوگوں نے یہ صلاح دی کہ کسی غریب لڑکی سے نکاح کر لو جب بال بچہ ہوجائے گا خواہ مخواہ ظاہر ہو جائے گا حجّام رہے حجّام بال کٹتے اُس نے کہا حجمانی آگے ہی آجائیں گے۔

اقبال مرزا کا ایک دوست سے مکالمہ

اقبال۔ اچھا فرض کرو کہ دل سخت کر کے تمھارے کہنے کے موافق میں نے دوسری شادی کر بھی لی لیکن اگر اُس سے بھی بال بچہ نہ ہوا تو پھر بتاؤ کیسی گت بنے گی؟

دوست۔ نہ ہوا تو مرضی خدا کی۔

اقبال۔ تو پھر اُس بے چاری کا حشر؟

دوست۔ حشر یہ کہ چھوڑ چھاڑ الگ کرنا۔

اقبال۔ چہ خوش ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ کسی شریف زادی کو میں اپنے نکاح میں لاؤں اور اُس سے اولاد نہ ہو تو اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دوں کہ وہ دربدر بھیک مانگے یا یہ کہ دوسرا نکاح کرلے تو فرمایئے ناک کس کی کٹے گی اور خدا کو میں کیا جواب دوں گا؟ اور اگر اسی نیت سے نکاح کرنا ہے تو بس اولاد بھی ہوچکی جیسی نیت ویسا پھل اَنَّمَا الْاَعْمَالُ

بِالنِّیَّاتِ۔
دوست۔ اچھا تو پھر کوئی ماما ڈال لو۔ کم خرچ[1] بالانشین۔
اقبال۔ نور علی نور۔ یہ اُس سے بھی عمدہ صلاح ہی۔ اگر اُس سے اولاد ہو گئی تو ذات برادری میں رذیل اور نکّو بنے گی۔ پھر ایسی اولاد سے فائدہ؟ کیا ایسی ہی اولاد سے نام چلے گا؟ ایسا ہی ہی تو پھر کسی کا بچّہ لے کر کیوں نہ پال لوں۔
دوست۔ ارے میاں اپنی اولاد کی اور ہی بات ہوتی ہی۔ قدر[2] بابا آں زماں دانی کہ خود بابا شوی۔ دوسرے کا بچّہ لے کر پالنا تو ایسا ہی ہی جیسے مرغی کے تلے انڈوں کی جگہ پتھر بٹھا دیئے جائیں۔ ہر[3] کس را عقل خود بکمال و فرزند خود بہ جمال
اقبال۔ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ہاتھی پھرے[4] گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اُس کا ناؤں۔ اُوس سے کیا پیاس بجھتی ہی۔ تب ہی تو آج تک میں نے کسی کا بچّہ نہیں لیا ورنہ ہمارے کنبے میں بہت سے بچّے موجود تھے۔
دوست۔ پھر بھائی تم کو کسی طرح چین نہیں۔ کوئی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی اور کیوں آنے لگی۔ تم تو جُروا کے غلام ہو۔ عجب نہیں کہ تم اُنھیں سجدہ بھی کرنے لگو۔

---

[1] تھوڑے خرچ میں بہت کچھ نام [2] اولاد کی قدر انسان کو جب ہی معلوم ہوتی ہی کہ جب وہ خود باپ بن جاتا ہی [3] ہر شخص اپنے کو بڑا عقل مند اور اپنے لڑکے کو بڑا خوب صورت سمجھتا ہی [4] یہ مثل ایسے موقع پر کہی جاتی ہی کہ اصل میں جس کا جو کوئی ہوتا ہی اُسی کا کہلاتا ہی پالنے پوسنے سے اولاد کے برابر نہیں بن جاتا ہاتھی کو دیکھو کہ جا بجا پھرتا ہی پھر بھی جس کا ہاتھی ہوتا ہی اُسی کا کہلاتا ہی۔ ۱۲

اقبال- غلام ہونے کی اس میں کیا بات ہے- جناب اطاعت اور فرماں برداری اور ملنساری وہ چیز ہے کہ جنگل کا درندہ جانور رام ہو جاتا ہے ہیں تو بیچارہ انسان ہوں جس شخص نے ہمارے ساتھ جان لڑا دی ہو- اپنی جان کو جان نہ سمجھا ہو اپنا آرام چین ہم پر قربان کر دیا ہو اپنا گھر دوار[1] ماں باپ سب کو ہمارے واسطے چھوڑا ہو جو دیس بدیس ہمارے ساتھ پھرے- غرض یہ کہ ہماری رنج و راحت کی شریک اور ہماری سچی ہمدرد و غمگسار ہو اُس کے ساتھ ہم یہ سلوک کریں تف ہے ہماری انسانیت پر-

دوست- تمھاری وہی کہاوت ہے-

حکم زوجہ بہتر از حکم خداست ۔۔۔ انچہ زوجہ حکم فرماید رواست[2]

ہم نے تو ایک صلاح کی بات کہی اور جس سے پوچھو وہ یہی کہے گا اور ہم دکھلا دیں گے کہ یہی ہو کر رہے گا اور یہی ہونا بھی چاہیئے مگر تم تو بال کی کھال نکالتے ہو میں نے کئی جگہ دیکھا ہے کہ دوسرے نکاح کے ساتھ ہی اولاد ہو گئی بلکہ بعض جگہ تو پہلی بیوی سے بھی بچّہ ہو گیا- چپڑی اور دو دو-

اقبال- اور بعض جگہ ایک سے بھی نہ ہوا اُلٹی آنتیں گلے پڑیں-

دوست- یہ دوسری بات ہے مگر اپنی طرف سے تو تدبیر کرنی چاہیئے آگے تقدیر-

---

[1] اصل میں گھر دوار ہے مگر اب تو گھر دار بولا جاتا ہے [2] بیوی کا حکم تو خدا کے حکم سے بھی اچھا ہے بیوی جو کچھ بھی کہے وہ جائز ہے- ۱۲

تیئیسواں باب ۔ دوسرا نکاح

لائے اُس بُت کو التجا کر کے　　کفر ٹوٹا خُدا خُدا کر کے

عقد ثانی کے لیئے اقبال مرزا اپنی طرف سے کوئی تحریک کرنی نہیں چاہتا تھا۔ بیوی کشمیر ہی میں تھیں کہ اقبال مرزا ایک شدید ضرورت سے تھوڑی سی چھٹی لے کر دہلی آئے میدان خالی تھا لوگوں نے خوب بڑھاوے چڑھاوے دے کر اُبھارا۔ اونچ نیچ سمجھائی کنبے کی بڑی بوڑھیوں نے بھی اِن کو ڈر بڑا یا۔ او نگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ یہ بھی کچے پیچ گئے۔ پھر کیا دیر تھی ایسے شخص کو لڑکیوں کی کیا کمی۔ عورتوں کی نگاہ میں پہلے ہی سے کئی لڑکیاں تھیں فوراً پیغام سلام شروع ہو گئے۔ اقبال مرزا سے کہا گیا اس نے صاف کہہ دیا کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو نہیں شوق سے نکاح کرتا ہوں نہ مجھے خوب صورتی درکار ہے جہاں تمھارا دل چاہے کر دو۔ الغرض دن کے دن ہی بات ٹھیر گئی۔ دوسرے دن جمعہ تھا دولھا اپنے معمولی لباس میں گیا چار بھلے مانس ساتھ تھے نہ کوئی رسم و رسم ہوئی نہ بھیڑ بھڑ کا نہ دھوم دھام بین العصر والمغرب چُپ چپاتے نکاح ہو گیا۔ دُلہن کو وداع کر لائے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ نکاح کے پانچ چھ دن کے بعد اقبال مرزا کشمیر چلے گئے اور نئی دُلہن میہیا کی بہیں رہیں۔

تینتیسواں باب۔ بھانڈا پھوٹنا

انشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں لیکن اُسے جتا تو دیا جان تو گیا

اقبال مرزا کے طرزِ عمل میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ اُن کی بیوی کو اس کا شان گمان بھی نہ تھا کہ دلّی میں یہ کایا پلٹ ہو گئی ہے ایک برس اسی طرح چھپ چھپاتے گزر گیا۔ اقبال مرزا نے تین مہینے کی رخصت لی اور بیوی سمیت دلّی آئے پندرہ بیس دن یہاں بھی خیریت سے گزرے نئی دلہن میکے میں رہا کرتی تھیں اقبال مرزا ابھی چوری چھپے اندھیرے اُجالے جب موقع ملا کھڑے کھڑے ہو آیا کرتے تھے لیکن لوگوں کو کچھ لڑانے بھڑانے میں مزا آتا ہے۔ ایک بیوی نے آکر سُرسُری چھوڑ دی۔ اقبال مرزا کی بیوی نے سمجھا کہ واہی تباہی بکتی ہیں اس بات کا کچھ خیال نہ کیا جب مختلف ذرائع سے تابڑ توڑ خبریں ملیں اور اُنھوں نے بھی دیکھا کہ میاں خلافِ عادت باہر جایا کرتے ہیں اور دیر تک واپس نہیں آتے اور بات چیت میں بھی وہ اگلی سی شگفتگی اور صفائی نہیں اور رُکے رُکے رہتے ہیں تب اُن کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے جوئندہ یابندہ[1]۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا[2]

تحقیق کرائی معلوم ہوا کہ بات سچی ہے سچ مچ نکاح ہو گیا ہے

رازِ الفت خامشی سے چھپ نہیں سکتا مدام اک نہ اک دن ہمنشیں کو سو ظن ہو جائے گا

---

[1] ڈھونڈھنے والے کو مل ہی جاتا ہے ۱۲ [2] جو بات کسی بھری محفل میں کی جائے وہ بھلا پوشیدہ کب رہ سکتی ہے۔ ۱۲

جس وقت بڑی دُلہن کو اس بات کا یقین کامل ہو گیا (اب ہم اقبال مرزا کی پہلی بیوی کو بڑی دُلہن سے مخاطب کریں گے کیوں کہ رفع التباس کے لیئے سوائے اس کے چارہ نہیں) اُن کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کلیجہ دھک سے ہو گیا ؎

لو سنبھالو مجھے دردِ جگری بڑھتا ہے
روکنا دل طرف نوحہ گری بڑھتا ہے

غش کھا کر کھڑے قد سے گر پڑیں۔ لوگ دوڑے کسی نے پنکھے کی ہوا دی کسی نے منھ پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا دیا چکنی مٹی اور لخلخہ سنگھایا تب کہیں بڑی دیر میں جاکر ہوش آیا ؎

یہ بیٹھے بٹھائے مجھے کیا ہوا
تڑپنے لگا دل اُچھلنے لگا۔

زمیں تک مرے آنسو آنے لگے
فلک تک مرے نالے جانے لگے

جگر میں تپش لب پہ شیون ہے کیوں
مجھے آپ ہی آپ اُلجھن ہے کیوں

مری چشم تر کا یہ کیا حال ہے
کہ دامن سے تا آستیں لال ہے

مرا رنگ فق ہوتا جاتا ہے کیوں
بدن خود بخود سنسناتا ہے کیوں

سبب کیا کہ میں سر کو دُھننے لگی
ہوا کیا کہ میں تنکے چُننے لگی

ہنسی میں مرے آنسو بہنے لگے
مجھے لوگ سودائی کہنے لگے

مرے مُنہ پہ زردی سی کیوں چھا گئی
چمن میں مرے کیوں خزاں آ گئی

پسینے بھی دیکھے نکلتے ہوئے
ہے گھبراہٹ اتنی مجھے کس لئے

کبھی میری کیفیت ایسی نہ تھی
یہ شورش یہ سوزش یہ گرمی نہ تھی

نہ ایسی کبھی بے قراری ہوئی
نہ مجھ پہ غشی ایسی طاری ہوئی

نہ آنکھوں کے پردے گلابی ہوئے
نہ تار آنسوؤں کے شہابی ہوئے
کوئی دم میں دم ہی نکلتا ہے آج
کلیجہ مرا کوئی ملتا ہے آج
اندھیرا مری آنکھوں میں چھا گیا
جبیں پہ تو دیکھو عرق آگیا
تڑپنے مجھے دو نہ بولو ذرا
مرے ہاتھ اور پاؤں کھولو ذرا
نہ للہ مجھ کو سنبھالے کوئی
مرے موٗنھ میں پانی نہ ڈالے کوئی
چلی آتی ہیں ہچکیاں دم بدم
مجھے یاد کرتے ہیں اہلِ عدم
بُنک روح تم سب کو دکھلاؤں میں
کہ بُو ہوکے غنچہ سے اُڑ جاؤں میں

(مثنوی میر حسن)

باوجودے کہ بڑی دُلہن صابر تھیں مگر اس بات کا کچھ ایسا دہاکا بیٹھا کہ اندر ہی اندر کلیجہ بُجھا جاتا تھا۔ اس غیبی گولے سے برابر دو ہفتے فرش رہیں۔ وہ دن اور آج کا دن ہم نے اُن کی وہ چو نچالی۔ چُہل کبھی دیکھی ہی نہیں۔ نہ وہ صورت شکل رہی نہ وہ بات چیت ہمیشہ افسردہ خاطر رہنے لگیں ؎

نہ وہ صورت نہ وہ سیرت تیری
ہائے کیا ہو گئی حالت تیری
اڑ گیا رنگ تیرا لو ہو کر
بہہ گیا خونِ دل آنسو ہو کر
حیف حالت تیری دُکھ پائی ہوئی
ہائے صورت تیری مرجھائی ہوئی
لب پہ آئے ہوئے نالے پیہم
ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ہر دم
چہرہ ڈوبا ہوا حیرانی میں
عرق آیا ہوا پیشانی میں
زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر

چھپ گیا چاند ستارا ہو کر ۔ اُڑ گیا آئینہ پارا ہو کر
ہر دم اک رنگ بدلتا ہے کیوں ۔ شمع کی طرح سے جلتا ہے کیوں

(محسن کاکوروی)

اور دوسری کوئی عورت ہوتی تو میاں سے دست وگریباں ہو جاتی اور نہیں معلوم کیا کیا پاکھنڈ مچاتی مگر اللہ رے صبر اور واہ رے ضبط کہ زبان سے اُف تک نہ نکالی ؎

سر شمع ساں کٹایئے اور دم نہ ماریئے ۔ منزل ہو لاکھ سخت پہ ہمت نہ ہاریئے

اقبال مرزا نے جب یہ سُنا کہ بھانڈا پھوٹ گیا تو بہت سٹ پٹائے مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ لیکن وہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے بیوی بے چاری نیم جان کھٹیا پر پڑ گئیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ ناگہانی طور پر یکایک جو صدمہ آن پڑتا ہے وہ سخت گراں گزرتا ہے ؎

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج وراحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

لیکن رفتہ رفتہ اس کا احساس کم ہوتا جاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو آدمی مر جائے۔ بڑی دُلہن نے عقل سے کام لیا وہ سمجھیں کہ اب ہو کیا سکتا ہے گُڈے گڑیا کا نکاح تو ہے ہی نہیں کہ ؎ کاجر کی پنڈی گل خیرو کا پھول کہو میاں گڈے تمھیں گُڑیا قبول۔ جو میری قسمت کا لکھا تھا وہ ہو چکا۔ پتھر کی لکیر ہے جو کسی کے میٹے مٹ نہیں سکتی۔ گلہ شکوہ بے کار۔ رونا پیٹنا لاحاصل۔ ناحق اپنی جان کو ہلاک کرنا ہے میں تو تقدیر پہ شاکر ہوں۔ ع

جو کچھ خدا دکھائے وہ ناچار دیکھنا۔ ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو — سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

یہ نالہ و آہ واشک باری کب تک (رباعی) یہ سوزشِ دل یہ بے قراری کب تک
اک دن دو دن کہ تا قیامت آخر — معلوم تو ہو جناب باری کب تک

بڑی دُلہن ہر چند دل کو ڈھارس دیتی تھیں مگر سوکن کا خیال اُن کے دل کو مسوسے ڈالتا تھا ؎

تلوار کا نہ زخم نہ برچھی کا گھاؤ ہے — نشتر سے چبھ رہے ہیں یہ دل کا لگاؤ ہے

کہنے سُننے رونے رُلانے سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے مگر بڑی دُلہن دل ہی دل میں کُڑھا کرتی تھیں۔ سوکن کا صدمہ بھی سب عورتوں کو یکساں نہیں ہوتا جن کے میاں شروع ہی سے لاؤ بالی طور پہ زندگی بسر کرتے ہوں اور اُن کی بیویاں ہمیشہ جلتی رہی ہوں اُن کی بھلی چلائی۔ نہ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔ سوکن بھی من جملہ اُن صدہا مصائب کے جن کو وہ ہمیشہ جھیلا کرتی تھیں ایک مصیبت تھی لیکن جن کے شوہر سدا سے نیک بخت ہوں بیوی سے سلوک اچھا۔ بیوی کی ایڑی دیکھ کر کسی اور کا منھ تک نہ دیکھا ہو اُن کے لئے سوکن کا آنا زندہ درگور ہونا ہے۔ اسی وجہ سے بڑی دلہن نے سوکن کا بڑا غم کیا ؎

فرقت میں نری تارِ نفس سیتے ہیں ہم رے
کانٹا سا کھٹکتا ہے نکل جائے تو اچھا

اُنھوں نے ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا نہ کسی کے گھر جاتی تھیں جو گھڑی بھر دل

لہ جو شخص ہمیشہ آزاد رہے یا جس کی ایک ہی حالت رہے ایسے موقعہ پہ بولتے ہیں ۱۲

بہلے سارے دن سر مُونھ لپیٹے پڑی رہتی تھیں۔ ؎

بے تابئ دل کسے سُنائیں یہ دیدۂ تر کسے دکھائیں
گر یوں ہی رہے گی بے قراری بس ہو چکی زندگی ہماری

ملنے کے ساتھ کوئی ملتا ہی۔ جب گھر کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھا تو ملنے جُلنے والیوں نے بھی آنا جانا کم کر دیا۔ ؎

کیا ہنسے کیا کوئی صاحب رو سکے دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

اس غم و الم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی دُلہن سخت بیمار پڑ گئیں اُن کے جینے کے لالے پڑ گئے۔ ؎

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوزِ غم ہائے نہانی اور ہی

میکے والوں نے ان کے علاج معالجے میں پاؤں چھلنی کر ڈالے مگر غم کی بیماری کا علاج کیا۔ کسی طرح اُن کی آنکھ کا آنسو نہ تھمتا تھا۔ ؎

ہے کب تلک چشم تر جائے گی یوں ہیں عمر ساری گزر جائے گی

لوگ ہر چند بہلاتے اور سمجھاتے تھے مگر رہ رہ کر دل میں ہوک اُٹھتی تھی خدا خدا کر کے چار دن ذرا طبیعت سنبھلی پھر وہی حال ہو جاتا تھا۔ ؎

کسی تدبیر سے کچھ درد جو کم ہوتا ہی رخنہ انداز وہیں پھر کوئی غم ہوتا ہی

کئی حکیم اور ڈاکٹر بدلے گئے۔ علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مفرحات[1] اور مقویات[2] کا استعمال رہا مگر کچھ نو یہ مرض لاعلاج تھا اور خود مریضہ روز کی دوا درمن سے متنفر ہو گئی تھیں۔ دوا اور من چھوڑ دی اور اسی طرح بیماری کا سلسلہ برابر چھ

[1] وہ دوائیں جن سے طبیعت کو تفریح ہو [2] وہ دوائیں جن سے تن بدن میں طاقت آئے۔ ۱۲

مہینے تک جاری رہا ؎

مجھے مرگ ہی گوارا نہ بلا و چارہ گر کو کہ کسی پہ ہو نہ ظاہر مرے دل کا راز ہرگز

مثل مشہور ہی موٹا گھٹے بلائے[1] دُبلے کا کام تمام ہو جائے سوائے پوست واستخواں کے وہاں کیا دھرا تھا ؎

نہ رہ جائے کوئی رنج و الم داستاں باقی

ابھی تو ہی دل پُر درد میں تاب و تواں باقی

مگر آخر کب تک؟ وقت بڑا مصلح ہی۔ خوشی یا غم کسی کو بھی قیام نہیں رفتہ رفتہ طبیعت خوگر ہو جاتی ہی۔ خدا نے دل میں صبر دیا کچھ مساوات اور سہار ہو گئی جو مصیبت ڈالتا ہی وہی صبر بھی دیتا ہی ؎

درشتی و نرمی بہ ہم در بہ است چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است[2]

مگر جب تک بڑی دُلہن جیں ہم نے کبھی اُن کے چہرے پر بحالی نہ دیکھی ؎

وہ وقت آیا کہ اب سینے میں ہر دم ہوک اُٹھتی ہی

نفس کہتے ہیں جس کو وہ بہت ہی کم نکلتا ہی

ماں کی مامتا۔ جوان بیٹی کے ساتھ وہ بھی زندہ درگور تھیں۔ اُن کے بس میں نہ تھا کہ غم کو ٹالیں۔ ہر چند بیٹی کو تسلی دلاسہ دیا کرتی تھیں مگر کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتا تھا۔ اُن کی نظروں تلے ساری دنیا اندھیر تھی۔ علاج

ف ۱ موٹا آدمی تو خیر گھٹتے ہی گھٹے گا مگر دُبلے بے چارے کا تو ذرا سی بات میں کام تمام ہو جاتا ہی

ف ۲ سختی اور ملائمت دونوں ملی جلی اچھی ہوتی ہی۔ جس طرح فصد کھولنے والا کہ وہ نشتر سے زخم بھی پونہچاتا ہی اور پھر اچھے ہونے کے لیے مرہم بھی لگاتا ہی۔ ۱۲

معالجے سے تو کچھ معتد بہ فائدہ نہیں ہوا۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو روحانی تلقین کی جائے اور کوئی عمدہ وعظ سنوایا جائے عجب نہیں کہ غم غلط ہو اور دل ٹھیر جائے۔ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔

چونتیسواں باب مولوی شریعت اللہ صاحب کا وعظ اور اُس کا اثر

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیرِ دانا را

بڑی دُلہن کے نانا مولوی شریعت اللہ دلّی کے چوٹی کے واعظ تھے ہفتے میں دو مرتبہ اُن کا وعظ بالالتزام ہوا کرتا تھا۔ پیر کے دن گھر کی مسجد میں وعظ کہتے تھے اور بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں۔ وعظ کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ خلقت اُمڈی پڑتی تھی۔ باہر کے لوگ جو بہ طور سیاحت دہلی میں آتے تھے جہاں جامع مسجد۔ قلعہ۔ ہمایوں اور منصور کے مقابر۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ۔ قطب صاحب کی لاٹ وغیرہ مشہور مقامات دیکھا کرتے تھے وہاں یہ وعظ بھی دلّی کی عجائبات میں داخل تھا جس نے

لہ اور سُن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل کو تسلّی ہوا کرتی ہے۔ لہ جان من میری نصیحت سنو جو جوان سعادت مند ہوتے ہیں وہ تجربہ کار بڈھوں کی نصیحت کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں۔۱۲

مولوی صاحب کا وعظ نہ سُنا اُس نے گویا دلی ہی نہیں دیکھی۔ بہ لحاظ تبحر علمی مولوی صاحب کوئی بہت بڑے محدث یا فقیہ یا ادیب نہ تھے اُن سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر مولوی دلّی میں موجود تھے مگر مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے وعظ کا خاص ملکہ دیا تھا۔ بیان اُن کا نہایت مؤثر اور دلکش ہوتا تھا۔ لب و لہجہ کچھ اس انداز کا تھا کہ جو بات مونھ سے نکلی دل میں اُتر گئی۔ رُونا رُلانا محفل کو تڑپا دینا لٹا دینا محو حیرت کر دینا ان کے وعظ کا ایک معمولی کرشمہ تھا۔ وعظ کہتے کہتے بدشے پوش ہوگئے تھے خوب مشق چڑھ گئی تھی مثل مشہور ہے کہ کرنے کی تدبیا ہے[1]

ہر کسے را بہر کارے ساختند[2] میلش اندر طبع او انداختند

وعظ تو ہم نے بھی بہت سے سُنے اور بڑے بڑے نامی گرامی مولویوں کے سُنے مگر حق یہ ہے کہ ایسا صاف مسلسل عام فہم اور مؤثر وعظ ہم نے تو کبھی سُنا نہیں دلی میں ان کے وعظ سے فیض عام تھا اس زمانے میں انگریزی تعلیم سے جو بے دینی اور دہریت کا تخم پڑ جاتا ہے اور ہر بات کے ماننے کے لیے لوگ بدیہی ثبوت اور دلیل عقلی کے طالب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر دو چار ہی وعظ مولوی صاحب کے سُن لیتے تھے تو لیس ڈگمگائے ہوئے قدم جم جاتے تھے اور بھٹکے ہوئے جادہ مستقیم پر آجاتے تھے۔ مولوی صاحب بہت ضعیف ہو گئے تھے تاب و طاقت میں فرق آ گیا تھا تاہم اُن کو انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسے اور مدرسۂ دیوبند کے جلسہ دستار بندی اور ندوۃ العلما میں ہر برس لوگ

[1] علم اُسی کو آتا ہے جو محنت کرتا ہے [2] ہر شخص کو کسی نہ کسی کام کے لیئے بنا دیا ہے اور اُسی کام کی طرف اوس کا دل رغبت کرنے لگتا ہے۔ ۱۲

منت سماجت کرکے لے جایا کرتے تھے۔ اور مولوی صاحب خاطر مروت اور قومی ہمدردی کے لحاظ سے باوجود پیرانہ سالی کے چلے جایا کرتے تھے۔ ان کے وعظ کے ساتھ ہی چندوں کی ریل پیل ہوجاتی تھی بعض بعض وعظ مولوی صاحب کے چھپ بھی گئے ہیں۔ آپ نے دیکھے بھی ہوں گے مگر ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ اُن کی زبان مبارک سے سُننے میں کچھ اور ہی لطف آتا تھا۔ بڑی دُلہن کے تو وہ سگے نانا تھے۔ کبھی کبھار شادی بیاہ موت مٹی کی تقاریب میں پھیرا کر جایا کرتے تھے۔ جمعہ کے وعظ کے بعد جامع مسجد سے پلٹتے ہوئے مولوی صاحب بڑی دُلہن کی خیر صلاح کو آن نکلے تھے کیوں کہ وہ بہت دن سے سُن رہے تھے کہ لڑکی بیمار ہے اور اُس کی بیماری صرف دل کا آزار ہے مولوی صاحب اندر زنان خانے میں حسب عادت تشریف لے گئے۔ لڑکی کو پوچھا معلوم ہوا کہ وہی حال ہے طبیعت بدستور نڈھال ہے۔ نانا کے آنے کی خبر سُن کر دُلہن سلام کو آئیں دیکھا تو لڑکی سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے رنگ جل کر خاک سیاہ ہوگیا ہے بین جیسے قبر کا مردہ۔ مولوی صاحب نے دلہن کی ماں سے پوچھا۔ ہیں؟۔ یہ لڑکی کا کیا حال ہوگیا! میں تو سمجھا تھا کہ معمولی طور کی کچھ سوءِ مزاج ہے یہاں تو لڑکی گھُل کر تمام ہوگئی۔

دلہن کی ماں۔ ابا جان لڑکی کو دیکھ دیکھ میری جان تو سبھوں ہی میں گھُلی جاتی ہے نہیں معلوم خدا جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے علاج معالجہ تعویذ گنڈا جو مجھ سے ہوسکتا تھا سب ہی کچھ کر چکی اپنی طرف سے تو کوئی دقیقہ میں نے اُٹھا نہیں رکھا مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ کسی طرح لڑکی کی طبیعت نہیں سنبھلتی ع

ا؎ سُنی سنائی بات چشم دید کے برابر نہیں ہوتی ۲؎ اپنی تصنیف کو خود مصنف ہی اچھی طرح بیان کرتا ہے ۱۲

مرض بڑھتا گیا ہوں جوں دوا کی۔ ان کو تو بس سوکن کا جلاپا کھائے جاتا ہے۔ اس حال کو تو پونہچ گئی ہیں آگے نہیں معلوم کیا ہونا ہے۔ اس غم نے ان کو کہیں کا نہ رکھا ہزار دل بہلاؤ مگر ان کو وہی دھن ہے اب آخری تدبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ہی ان کو کچھ نصیحت فرمایئے اور سب تو سمجھا بجھا کر ہار گئے۔ اللہ کے کلامِ پاک میں بڑی تاثیر ہے کیا عجب کہ ان کا غم غلط ہو اور دل ٹھہر جائے مولوی صاحب نے لڑکی کو اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیا اور اس طرح سلسلۂ سخن شروع کیا۔

وعظ[1]۔ بیٹی! مصیبت میں اس قدر رنج کرنا شانِ عبودیت کے خلاف ہے رنج سے نہ مصیبت ٹلتی ہے نہ کم ہوتی ہے بلکہ اُلٹی بڑھتی ہے۔ یہ تو تم جانتی ہوگی کہ جیسی محبت ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے اُس سے ہزارہا گنا زاید اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ہے۔ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا فقیر کسے باشد سب بندے اُس کے محتاج اور اُس کے آگے عاجز اور درماندہ ہیں اپنے اختیار سے کوئی ایک تنکا بھی نہیں ہلا سکتا کسی انسان کا نفع و ضرر اُس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے نہ بدوں حکم خدا کے کوئی دوسرا اُسے کسی قسم کا نقصان یا فائدہ پوہنچا سکتا ہے۔ دُنیا کی ساری محبتیں نمایشی ہیں جن کا دار و مدار تعلقات پر ہے اصلی اور سچی محبت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ساری برکتیں اور دُنیا بھر کی نعمتیں حتیٰ کہ ہماری جان بھی اُسی کی دی ہوئی ہے وہ مالک و مختار ہے۔ دنیا میں جو آیا ہے

[1] یہ وعظ جناب مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی کتاب "محصنات" سے لیا گیا ہے اور تھوڑی سی رد و بدل کے بعد یہاں درج کیا گیا ہے۔ من المصنف ۱۲۔

اُسے خوشی اور راحت رنج و مصیبت دونوں ہی صورتیں پیش آتی ہیں ؎

رنج و راحت جہاں میں توام ہی کہیں شادی اور کہیں غم ہی

جو مصیبت انسان پر پڑتی ہی گو وہ بظاہر کیسی ہی کٹھن ہو اور تم اُس کی لِم کو نہ سمجھ سکو اور اپنی غلط فہمی سے اُسے بلا وجہ ہی سمجھو مگر یاد رکھو کہ اُس میں در پردہ کوئی نہ کوئی فائدہ انسان کا ضرور ہوتا ہی۔ جس طرح کہ ڈاکٹر بیمار کو کڑوی دوا پلاتا ہی کبھی پھوڑے پھنسی کو چیرتا پھاڑتا بھی ہی بلکہ ضرورت ہو تو عضوِ ماؤف کو کاٹ بھی ڈالتا ہی مگر کوئی سمجھ دار آدمی کہہ سکتا ہی کہ یہ فعل اُس نے مریض کو نقصان پوہنچانے یا خدانخواستہ کسی عداوت سے کیا بلکہ جوکچھ کیا تمھارے ہی فائدے کے واسطے کیا۔ اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دُنیا میں پوہنچتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے پوہنچتی ہیں۔ بندے کا اُس میں رتّی برابر بھی دخل نہیں ہی۔ مصیبت ہمیشہ راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہی مصیبت اس وجہ سے زیادہ تر ناگوار اور گراں گزرتی ہی کہ ہم اُس کے اندازہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ صبر و تحمل کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ صبر اور استقلال سے اُسے برداشت نہیں کرتے۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا میاں مرجائے ظاہر میں تو اُس پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سہاگن سے رانڈ ہوگئی اور اُس کے خیال میں دُنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت ہو ہی نہیں سکتی لیکن کیا یہ ممکن نہ تھا کہ شوہر زندہ رہتا اور سوکن لابٹھاتا یا لڑ جھگڑ کر بیوی کو طلاق دے دیتا اور جیتے جی چھوٹ جاتا یا ایسا بیمار پڑتا کہ کمائی کے قابل نہ رہتا محتاج اور اپاہج ہوکر بیوی کے لیئے عذاب جان ہو جاتا اور ایسے بہت سے

اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے یہ آگ سے بہتر بھی جا سکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو علم غیب نہ ہو جس کا ہونا ناممکن ہے تو وہ کسی حالت کو یقینی طور پر بُرا کہہ نہیں سکتا۔ ہم نے مانا کہ جو تکلیف ہم کو پہنچی ہے وہ حقیقت میں تکلیف ہی ہے تو کیا شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو یا رحم دل اور منصف بادشاہ اپنی عزیز رعایا کو تادیب یا تنبیہ یا کسی مصلحت سے اُس کے خلافِ مرضی کوئی کام نہیں کرتا۔ ایسی تکلیفیں تو انسان سے انسان کو آئے دن پہنچتی رہتی ہیں لیکن نہ کوئی فریاد کرتا ہے نہ شکایت اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کے ہزارہا احسان اور بے شمار نعمتیں ہم پر ہیں ایک فرضی ایذا ہم کو پہنچ جائے تو شرطِ عبودیت نہیں ہے کہ اُس پر اظہار ناخوشی کیا جائے وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُسًا۔ اگرچہ بظاہر مصیبت سے ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے لیکن ایک بڑا فائدہ بھی اس کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ مصیبت سے عموماً عجز و انکسار حلم و بُردباری۔ ہمدردی کی صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اکثر سچے دل سے بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے پس ایسی مصیبت فی الحقیقت مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی راحت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مصیبت میں بے صبر ہو کر گلہ اور شکایت ہرگز نہ کرے بلکہ رضا اور تسلیم کا درجہ اختیار کرے اور اپنے دل میں خوب سمجھ لے کہ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے۔ جس میں کچھ نہ کچھ بہتری

سلہ اور جب ہم آدمی پر اپنا فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور (ہم سے) کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے ۱۲

ضرور ہو گی۔ دُنیا جس طرح چندروزہ ہے اُسی طرح اس کی خوشی اور غم بھی عارضی ہیں پس خوشی میں پھول جانا اور خدا کو بھول جانا اور مصیبت میں اُس کی ناشکری کرنا اور رونا پیٹنا بالکل شیوۂ انسانیت سے بعید ہے ؎

زرنج[1] وراحت گیتی مرنجاں دل مشو خرّم
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد۔

کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لئے آہ وا ویلا کرنا اور رونا پیٹنا ہے؟ مصیبت پڑنے سے انسان کی حالت کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ کاہل چست و چالاک۔ آرام طلب جفاکش۔ بھولا سیانا۔ فضول خرچ محتاط و کفایت شعار۔ حلبد باز دھیما۔ بدروش نیک رویہ۔ سنگ دل۔ رقیق القلب ہو جاتا ہے جس آدمی کو کبھی مصیبت کی ٹھوکر نہ لگی ہو وہ کبھی پختہ کار ہو نہیں سکتا۔ قدر[2] عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید۔ تن درستی کی قدر بیماری سے۔ وطن کی پردیس سے۔ تونگری کی مفلسی سے۔ آرام کی دُکھ سے۔ راحت کی مصیبت سے ہوتی ہے جو شخص حقیقی راحت کا طلب گار ہے ضرور ہے کہ وہ مصیبت کا مزہ بھی چکھے۔ انسان کو ہمیشہ اپنی حالت کا مقابلہ اپنے دوسرے ہم جنسوں سے کرنا چاہیئے مثلاً اگر کوئی عورت بیوہ ہے تو اس کو اپنے سے بدتر ہزاروں بیوہ عورتیں ملیں گی۔ یہ تو شاید کچھ دن گھر کر کے بیوہ ہوئی ہے مگر سیکڑوں اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنھوں نے میاں کی صورت تک نہیں دیکھی اور اُن کو اولاد بھی نہیں

---

[1] دنیا کے رنج و آرام پر نہ رنج کرنا چاہیئے نہ خوشی یہ تو دُنیا کا دستور ہی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے اور کبھی ویسا

[2] امن چین کی کیفیت تو وہی خوب جانتا ہے جو مصیبت میں آن پھنستا ہے۔ ۱۲

کہ جس سے دل بہلا سکیں اور شاید اُن کو روٹی کا سہارا بھی نہ ہو اور شاید وہ خود دُکھیا اور بیمار ہوں۔ ہم کو اگر ایک معمولی سی شکایت ہے تو ہم جیسے سیکڑوں آدمی اندھے اور لنگڑے اور لُولے اور کوڑھی ہیں پس کیا اُن کی حالت دیکھ کر تم کو تسلّی نہیں ہو سکتی اور تم کو اپنی حالت پر خدا کا شکر نہیں کرنا چاہیئے۔ الغرض دُنیا کا یہی حال ہے ایک سے ایک بہتر اور ایک سے ایک بدتر ہے بہتری پر مغرور ہونا اور بدتری پر رنجور ہونا عبث ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی بے شک پڑی لیکن کیا یہ مصیبت تم پر انوکھی ہے کہ دنیا میں آج تک کسی پر نہیں پڑی؟ ہمارے دیکھتے دیکھتے سیکڑوں عورتوں پر سوکنیں آئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تمھاری حالت اب بھی سیکڑوں سے بہتر ہے۔ خاوند سر پر سلامت ہے۔ عزت و آبرو سے اپنے گھر میں بیٹھی ہو۔ مامائیں اصیلیں تمھاری ٹہل خدمت کو موجود ہیں پکّا پکایا کھانا دو وقتہ تمھارے سامنے آجاتا ہے۔ اچھّے سے اچھا پہنتی اوڑھتی ہو کیا تمھاری ہی طرح کی عورتیں دربدر بھیک مانگتی نہیں پھرتیں اور کیا تم نہیں جانتیں کہ اُن کے پاس نہ پیٹ کو روٹی ہے نہ تن پر کپڑا اور نہ بیٹھنے کو گھر۔ خاوند اُن کا مدتیں ہوئیں کہ مر گیا اس پر یہ مصیبت ہے کہ تین چار چھوٹے چھوٹے بچّے بھی ساتھ ہیں جن کے لینڈرے لگے ہوئے ہیں پس یہ کیا خدا کی بندیاں نہیں ہیں؟ دور کیوں جاؤ خود تمھارے محلّے میں جتنی عورتیں کہو میں تم کو بتلا سکتا ہوں جن کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور جو یقیناً تم سے بہت زیادہ مصیبت زدہ ہیں اور جن پر تم کو ضرور ترس آئے گا کسی حکیم کا یہ قول سچ ہے کہ "دنیا میں ہر شخص اپنی حالت میں خوش ہے اور وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے کی حالت کے ساتھ بدلنا پسند

نہ کرے گا۔"

بادی النظر میں یہ بات کچھ انوکھی سی معلوم ہوتی ہے لیکن تم اپنی جگہ غور کرو گی تو تم بھی اس بات کو مان لو گی۔ میں نے خود غور کیا اور اپنے ملاقاتیوں میں سے چند آدمی چھانٹے جن کی حالت بظاہر مجھ سے بہتر تھی لیکن جب دریافت کیا تو ایک لاولد تھے دوسرے دائم المریض تیسرے اپنی بیوی کی بد مزاجی بدزبانی اور پھوہڑپن سے نالاں تھے چوتھے صاحب اولاد تو تھے لیکن بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں بیٹا ایک بھی نہ تھا پانچویں صاحب کے بیٹا تو تھا مگر آوارہ اور بدچلن جس نے باپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور اُن کی ساری دولت خالصے لگا دی تھی رحمٰن جوڑے پلی پلی شیطان ڈھائے گیا۔ غرض کوئی بھی بے داغ نہ تھا۔ تب مجھے اس مقولے کی تصدیق ہوئی۔ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو بہ تدریج اُس کا اثر گھٹتے گھٹتے مساوات ہو جاتی ہے۔ چار و ناچار انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود صبر دے دیتا ہے۔ خیال کرو کہ جب اپنا عزیز و قریب کوئی مرجاتا ہے تو اُس وقت کیا حال ہوتا ہے۔ اُس وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس کے ساتھ مرجائیں گے یا کم سے کم ہماری آیندہ کی ساری خوشیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن آج کی بات کل نہیں رہتی اور نہ کل کی پرسوں تک۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد دُنیا کا کارخانہ اپنی معمولی رفتار سے چلنے لگتا ہے۔ مصیبت امتحان اور آزمایش کی چیز ہے۔ اگر بے صبری میں خداوند تعالیٰ کی شان میں کوئی کلمہ شکایت کا نکل گیا یا خدانخواستہ دل میں خدا کی بے رحمی یا بے انصافی کا ذرا بھی خیال آگیا تو دین و دُنیا دونوں غارت

ہوئے۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ[۱]

پینتیسواں باب۔ میاں بیوی کی مراسلت

آتے ہیں اُس کے خط جو شکایت بھرے ہوئے
اس کو بھی ہم ہزار سمجھتے ہیں مغتنم

مولوی صاحب کے وعظ نے کچھ ایسا دل پر اثر کیا کہ بڑی دلہن کے کلیجے میں جو آگ بھڑک رہی تھی ایک دم ٹھنڈی پڑ گئی۔ اللہ نے اُن کے دل کو صبر و قرار دے دیا۔ آج تک جو خیالاتِ فاسدہ اور وساوسِ شیطانی دل میں موج زن تھے سب نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت عجز و انکسار اور گڑگڑا گڑگڑا کر توبہ کی۔ ڈر بھی لگا کہ کہیں میں اُس کی کفرانِ نعمت اور ناشکری میں پکڑی نہ جاؤں اُسے کیا دیر لگتی ہے کہ میری حالت اس سے بھی بدتر نکھتّر کر دے۔ اب بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے ہزاروں سے بہتر رکھّا ہے کسی کا محتاج نہیں کیا ہے بھی نا کہ میاں نے نکاح کر لیا خیر کر لیا تو کر لیا اب میں کیا اس کے پیچھے اپنی جان گنوا دوں؟ نکاح کے بعد سے اقبال مرزا جو کشمیر چلے گئے تو پھر ڈر کے مارے دلّی آنے کا نام نہ لیا اور آتے تو کس مونھ سے آتے۔ برس سوا برس اُن کو جا کر ہو گیا تھا۔ میاں بیوی کی خط و کتابت بھی بند تھی ؎

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدھر ہیں اور ہیں ہم کدھر
نہ ہی نامہ بر نہ پیام بر نہ پیام ہے نہ سلام ہے

---

[۱] اس لیے دنیا (بھی) کھوئی اور آخرت (بھی) صریح گھاٹا یہی دکھلاتا ہے۔ ۱۲

اب انھوں نے خیال کیا کہ آخر کب تک جلا وطن رہوں گا دلی چل کر دیکھنا چاہیے
کہ کیا رنگ ڈھنگ ہو۔ اقبال مرزا نے اپنے آنے کے پیشتر بیوی کو جو خط لکھا حسن
اتفاق سے اُس کی نقل ہمارے ہاتھ لگ گئی اور وہ یہ ہی:۔

(خط) ہونا تمھیں نہیں ہی بھلا کس طرح اثر
لو آج نامہ لکھتے ہیں خون جگر سے ہم

گنہ گار خطا کار دل فگار اقبال کی طرف سے۔

مجھے اتنی جرأت کہاں کہ تم کو رسم زمانے کے مطابق القاب لکھ سکوں حیران
ہوں کہ کیا لکھوں اور کیوں کر لکھوں۔ لہذا بلا تمہید عرض مدعا یہ ہی کہ اس میں شک
نہیں کہ تمھارا خطا وار ہوں پر نادم و شرمسار۔ جن ناگزیر اسباب سے یہ بات
ہوئی وہ تم پر مخفی نہیں۔ حکم قضا و قدر یوں ہی تھا۔ ؎

نیک و بد زمانہ نہیں اختیار میں ہوتا ہی لاجرم وہی جو سرنوشت ہو

بہر حال ہرچہ شد شد[1]۔ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اے تم خدارا میری حالت پر
رحم کرو اور اپنے غصے کو تھوک ڈالو۔ اَلْکَاظِمِیْنَ[2] الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ
ع درعفو[3] لذتیست کہ در انتقام نیست۔ گھر میں آؤ۔ اپنا گھر سنبھالو ؎

درد دل دور سے ہم اُن کو سنائیں کیوں کر
بھیج دیں ڈاک میں آہوں کی صدائیں کیوں کر

---

[1] جو ہونا تھا سو ہوا گناہ کرکے عذر اور توجیہہ کرنا گناہ کرنے سے بدتر ہی [2] غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں [3] معاف کر دینے میں جو مزا ہی وہ بدلہ لینے میں نہیں ہی۔ ۱۲

جب تک میری تقصیر معاف نہ کرو گی میں دہلی نہ آؤں گا میں رخصت لیکر
پا بہ رکاب ہوں منتظر جواب سے
فضلِ خدا سے پونہچے اُنھیں خط عراشتاب
اور خیر و عافیت سے لکھیں جلد وہ جواب

(جواب) تم سے بے جا ہی مجھے اپنی تباہی کا گلا
اس میں کچھ شائبہ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

صاحبِ من سلامت عین انتظار میں تمھارا خط آیا میں ابھی بیماری سے اس قدر نہیں سنبھلی کہ تم کو تفصیلی خط لکھ سکوں سے
پوچھتے کیا ہو طبیعت ہی تری کب سے علیل
تم سے جس دن سے جدائی ہوئی بیمار پڑے
مختصر جواب یہ ہی کہ میں بھی جانتی ہوں کہ جو کچھ بھلا برا ہوتا ہی اُسی کی طرف سے ہوتا ہی۔ وہی مالک و مختار ہی انسان مجبور و ناچار ہی۔ تمھارا اس میں کیا قصور ہی انسان امور تقدیری سے مجبور ہی مگر کیا کیا جائے کہ دل صبور ہی ساتھ ہی اس کے حکم قضا و قدر میں مجالِ دم زدنی کیا مقدور ہی۔ تقدیر کے لکھے کو کون میٹ سکتا ہی؟ سے
بہ آب[1] زمزم و کوثر سفید نتواں کرد گلیمِ بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

---

[1] جس کی تقدیر کی کملی کالی بنی گئی ہو اُس کو آب زمزم یا کوثر سے بھی دھوئیں تو سفید نہیں ہو سکتی یعنی تقدیر بُری یا بھلی جیسی کچھ ہو بدل نہیں سکتی۔۱۲

آپ ناحق عفو تقصیر کے خواہاں ہیں اور مفت میں مجھے کانٹوں میں گھسیٹتے اور اُلٹا گنہ گار کرتے ہیں۔ آپ کی رضامندی سے میرا دونوں جہان میں بیڑا پار ہے ورنہ مٹی خوار ہے۔ دوہا۔

سائیں انکھیاں مہر کی تو جھک جھک کریں سلام
سائیں انکھیاں پھیریاں تو بیری ملک جہاں

اب آپ ناحق پچھتاتے ہیں ؎

بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں خود کردۂ خویش را چہ درماں

میں جس طرح ہمیشہ سے آپ کی تابع فرمان تھی اب بھی ویسی ہوں اور ان شاء اللہ مرتے دم تک رہوں گی۔ ؎

ہوں آپ کے کتنے ہی ستم اُف نہ کریں گے
چپ بیٹھ کے ہم کھائیں گے غم اُف نہ کریں گے

خدا مجھے آپ کے سامنے دنیا سے اُٹھا لے اب دُنیا اور دنیا کی بکھیڑوں سے دل سیر ہے اگلی سی طبیعت اور اگلی سی اُمنگ کہاں؟ ؎

حال دل اشک دادہ سے پوچھو یہ غلط دو گواہ سے پوچھو

آپ شوق سے تشریف لائیے اور جلد آئیے گھر آپ کا اور میں آپ کی۔ جب آپ کے آنے کی تاریخ مقرر ہو جائے گی خادمہ اُس سے پہلے حاضر ہو جائے گی ؎

آپ کا جُرم ہے کیا آپ کی تقصیر ہے کیا میری تقدیر بُری میری ہی قسمت اُلٹی

اقبال مرزا ڈاک کی آمد و رفت کا حساب لگائے بیٹھے ہوئے تھے کہ ٹھیک وقت پر دلی سے جواب آ گیا۔ ؎

جوابِ نامہ کیا لایا تنِ بے جاں میں جان آئی
گیا یاں سے کبوتر واں سے آیا مرغِ جاں ہوکر

جھٹ پٹ تیاری کر دلی روانہ ہوئے۔

چھتیسواں باب میل ملاپ اور میاں بیوی کی گفتگو

سب جھیل ہی لیتے ہیں جو سر پڑتی ہے اپنے
پھر کیسے کہیں بارِ الم اُٹھ نہیں سکتا

اقبال مرزا کے دلی پہنچنے کے دو دن پہلے ہی سے بڑی دلہن گھر میں آ گئی تھیں۔ برس ڈیڑھ برس سے گھر بے غوری کی حالت میں خالی پڑا تھا سارے گھر کے جالے لِوائے جھڑوایا سفیدی کرائی جا بجا قرینے سے فرش بچھوایا چیزوں کو ٹھکانے سے سنگوایا ہر طرح سے مکان ٹھیک ٹھاک ہو گیا سرِ مغرب اقبال مرزا آ گئے مدتوں کے بچھڑے ہوئے ملے گلے شکوے شروع ہو گئے ؎

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

اقبال مرزا دل میں سمجھا ہوا تھا کہ بڑی لتاڑ ہوگی لیکن بڑی دُلہن ایسی احمق نہ تھیں کہ پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ جاتیں اور بنی بنائی بات بگاڑ دیتیں۔ وہ خوب جانتی تھیں کہ اُن کے میاں نے جو عقدِ ثانی کیا کچھ لطف زندگانی کے لئے نہیں کیا بلکہ محض بہ توقع اولاد یہ بلائے ناگہانی اپنے سر پر لی ہے اس میں لڑائی جھگڑے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اقبال مرزا نے بھی جہاں تک ممکن تھا بیوی کی اشک شوئی کی اور اپنے طرز عمل سے اُن کو یقین دلا دیا کہ وہ اگلی طرح ان کا گرویدہ ہے اور اُس کے دل میں ان کی جگہ ویسی ہی ہے جیسی کہ پہلے تھی۔ ؎

عجب صحبت آپس میں اُس دم ہوئی	کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
سرشکِ محبت بہانے لگے	اس احوال پر حیف کھانے لگے
ٹپر پیا غم کی باتیں جو آدمیاں	ہوئے کہ لگ لگ گئی ہچکیاں
غرض دیر تک مل کے روتے رہے	جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخ زرد پہ اشک گلگوں بہا	بہار و خزاں کو کیا ایک جا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار	سو آنکھوں سے اُن کی دکھائی بہار
پس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو	خدا پھر نہ تم کو رُلائے کبھو
نہیں خوش نما پاس آئے ہوئے	رہیں درد جنے مُونہہ بِنھلائے ہوئے
اُٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال	ہوئے اس مزے میں خواب و خیال

کٹی رات حرف و حکایات میں
سحر ہو گئی بات کی بات میں

(از مثنوی میر حسن)

سینتیسواں باب۔ سوکنوں کا برتاؤ آپس میں

جھکے آپ سے اُس سے جھک جائیے
رُکے آپ سے اُس سے رُک جائیے

چھوٹی دلہن جب سے نکاح ہوا میکے میں پڑی سڑ رہی تھیں میاں کشمیر میں اور وہ دلی میں۔ اس کس مپرسی کی حالت میں پورے دو سال گزر گئے اقبال مرزا سے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ اب بھی اقبال مرزا کو دلی آکر دوسرا جینا تھا ہنوز یہ معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا تھا کہ اس اثنا میں سُنا گیا کہ نخل مراد بار آور ہوا خدا کے فضل و کرم سے امید کی صورت دکھائی دی۔ اب چھوٹی دلہن کا نصیب جاگا اور خود بخود اُن کا ستارا چمکنے لگا۔ ع

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار

بڑی دُلہن نے جب یہ سُنا کہ دُکھ بھریں بی فاختہ اور کوّے میوے کھائیں گو اُن کے دل میں کچھ بھی ہو مگر بہ ظاہر اُن کو ہر طرح میاں کی رضا جوئی منظور تھی اور کسی نہ کسی طرح اُن کا دل ہاتھ میں لینا تھا گو اس میں اپنے دل پر

جبر ہی کیوں نہ ہو۔ اُنھوں نے میاں سے کہا کہ مجھے یہ آنکھ مچولی اچھی نہیں معلوم دیتی جو سنتا ہے تھڑی تھڑی کرتا ہے یہ بہت ہی نامناسب بات ہے کہ تم نے نکاح کرتے تو کر لیا اور اُس نیک بخت کو ادھر میں ڈال دیا آخر اس سے فائدہ ایک گھر کے دو گھر ہو گئے ایک کی جگہ دو اُٹھنے لگے۔ اس سے تو تم میری صلاح مانو تو یہ ہے کہ شوق سے تم اُنھیں گھر میں لا کر رکھو۔

مالِ عرب پیشِ عرب۔ میری طرف سے تم کچھ خیال نہ کرو میں ہرگز نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تم کو کوئی تکلیف ہو اور غور کی جگہہ ہے کہ اس میں اُس بےچاری کا کیا قصور ہے جو گھر سے باہر نکالی جائے کوئی آنکھ لگا کر تو آئی ہی نہیں یہ تو وہی مثل ہوئی کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا۔ جب تم نکاح کر چکے تو اب یہ ہچر مچر کیسی۔ خدا کے فضل سے مکان بہت بڑا ہے میرا اکیلا دم ہے میرے لئے بس ایک کمرہ کافی ہے باقی سارا مکان خالی ہے خواہ نیچے دالانوں میں رہیں خواہ بالاخانے پر سہ درہ صنچیاں۔ نیچ درہ۔ سب ہی خالی پڑے ہیں اور اگر الگ ہی قطعہ درکار ہے تو مجھے کب انکار ہے چھوٹی حویلی طیار ہے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ اقبال مرزا کو اتنا سہارا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ کافی تھا اُنھوں نے جھٹ لا ہی بٹھایا۔

اقبال مرزا بڑے ہی خوش نصیب تھے کہ دونوں بیویاں ایک سے ایک بڑھ کر سمجھ دار اور لائق ملیں۔ دونوں کی متفقہ کوشش یہ تھی کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے کہ بدنامی ہو یا گھر والے کو تکلیف ہو۔ یا آپس میں تھکا فضیحت ہو تو

لہ ہر شخص اپنے مال کی حفاظت خود ہی اچھی طرح کر سکتا ہے۔ ۱۲

پھر بھٹیاریوں اور شریف زادیوں میں کیا فرق ہے۔ جب ایسے سُلجھے ہوئے خیالات ہوں تو پھر کسی کا سر پھرا ہے کہ خواہ مخواہ لڑتا پھرے۔ ایک نرم ایک گرم ہو تو پھر کیا ممکن ہے جو اس کی نوبت آئے مثل مشہور ہے کہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے یہاں دونوں میں سے ایک بھی لڑنے بھڑنے کے قابل نہ تھی۔ کہنے کو تو سوکن تھیں مگر آپس میں وہ محبت تھی کہ سگی بہنیں بھی اِن پر سے قربان کیں۔ دونوں کی ایک دانت کاٹی روٹی تھی۔ اگر ایسے پاکیزہ خیالات ان دونوں بیویوں کے نہ ہوتے تو اقبال مرزا کو دو ہی دن میں چھٹی کا دودھ یاد آجاتا یہ دونوں جورویں ناک چنے چبوا دیتیں۔ میاں ساری چوکڑی بھول جاتے۔ اقبال مرزا خرچ برچ سب بڑی بیوی کے ہاتھ میں دیا کرتے تھے صرف چھوٹی بیوی کی پٹاری کا خرچ شاید پچاس روپیہ مہینہ الگ دیتے تھے رہنا سہنا۔ کھانا۔ پینا دونوں کا ملا جُلا تھا۔ بڑی بیوی نے تو جس دن سے وعظ سُنا گویا کہ تارک الدُّنیا ہو گئی تھیں زیادہ تر اُن کا وقت نماز روزے اور یاد الٰہی میں صرف ہوتا تھا وہ خود ساری تنخواہ چھوٹی دلہن کو دے دیا کرتی تھیں وہ جانیں اُن کا کام پھر اُلٹ کر نہیں پوچھتی تھیں کہ تم نے کیا کیا۔ اس لیئے نہ روز کی جھک جھک تھی پٹ پٹ تھی نہ تُو تُو میں میں نہ جوتیوں میں دال بٹتی تھی ورنہ بھلا سوکنوں میں اور یوں میل ملاپ اِشّ ذونادر شاید کہیں ہو تو ہو لیکن بات کیا تھی کہ بڑی دُلہن نے اپنی عافیت اسی میں سمجھتی تھی اور ٹھیک بات بھی یہی تھی۔ گو اقبال مرزا بہت کچھ للّو پتّو کرتے تھے مگر چوں[1] شحنہ مردک نام سچ پوچھو تو اب اُن بے چاری کا راہی کیا تھا۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست[2]۔ اُنھوں نے خود چھوٹی دلہن کے واسطے

[1] جب کوئی شخص ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے تو اس میں سو طرح کے کیڑے پڑ جاتے ہیں [2] عقل مند وہی ہے جو پہلے ہی سے انجام کار کو سوچ سمجھ لے۔ ۱۲

جگہ چھوڑ دی تھی اور اگر ایسا نہ کرتیں تو آگے چل کر مجبوراً کرنا پڑتا۔ ان بے چاری کے آل نہ اولاد چھوٹی دلہن کا ماشاء اللہ چشم بد دور پیٹ بھاری۔ سچ پوچھو تو دونوں کا کیا مقابلہ۔ ادھر بڑی دلہن نے اپنے کو بالکل گرا دیا اور طرفہ یہ کہ چھوٹی دلہن بھی اور جھک گئیں۔ ؎ نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں[1]۔ ورنہ جس قدر وہ اتراتیں اور گھمنڈ کرتیں سب حق بجانب تھا۔ دودھاری گائے کی تو دولاتیں بھی سہی جاتی ہیں لیکن یہ خصلت کمینوں اور رذیلوں کی ہوتی ہے نہ کہ شریفوں کی کہ جامے سے باہر ہو جائیں غرض اقبال مرزا کے دونوں بیٹھے تھے۔ بڑی یوں مرمٹی تھیں کہ اب سوکن آگئی اس سے بڑھ کر عذاب کسی عورت کے لیئے ہو نہیں سکتا اپنی لاج اپنے ہاتھ میں اپنا بڑا اپنا اگر قائم رکھ سکوں تو یہی بڑی بات ہے چھوٹی یہ سمجھتی تھیں کہ اللہ نے صورت شکل سلیقہ ہنر سب مجھ سے بہتر دیا ایک بے چاری کے اولاد نہ ہونے سے یہ ہدرا ہوا کہ خاوند بھی چھن گیا۔ خیر پورا نہ چھنا سہی تو سا تھے کی ہنڈیا تو ہو گئی مجھے اللہ نے یوں نواز اُس کے صدقے جاؤں کہ اولاد کی اُمید ہوئی۔ مجھے لازم نہیں کہ جلتی آگ پر تیل ڈالوں اور دُکھے ہوئے دل کو اور دُکھاؤں اور سچی بات یہ ہے کہ جب رقابت کا معاملہ ٹھیرا تو ضرور ہوا کہ میاں کو اپنی طرف کرنے کے لیئے جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہیئے اور یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان خود کڑی نہ جھیلے ؎ سیوا کر دمیوہ کھاؤ

دل بدست آور کہ حج اکبر است[2]   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

---

[1] میوہ دار ٹہنی خود بخود جھک جاتی ہے [2] کسی کا دل ہاتھ میں لینا یعنی دل جوئی کرنا بھی حج اکبر ہے۔ ہزاروں کعبہ سے ایک دل بہتر ہے۔ ۱۲

بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس طرح رہوں کہ اُن کے دل کو ٹھیس نہ لگے جو پکا پھوڑا ہی کہ ذرا ٹھیس لگی اور پھوٹا۔ اس لیئے یہ خود پھونک پھونک کر قدم رکھتی تھیں اور کوئی کام بلا ان کی صلاح و مشورے کے نہیں کرتی تھیں ہر طرح سے اُن کو گھر کا بڑا بار رکھا تھا کیا مجال کہ خود کوئی بات کریں۔ کبھی کوئی حصہ بخرا بٹوانا ہوا تو انھیں سے بٹوائیں کبھی کوئی کپڑا بونتوانا ہوا تو اُن سے۔ غرض ہر تقریب اور تیر تہوار میں جو کچھ کرنا دھرنا ہوتا تھا بڑی صاحب ہی کے ہاتھ سے ہوتا تھا۔ چھوٹی دُلہن غرور و تکبر سے کوسوں دُور تھیں ہمیشہ انکسار اور فروتنی اُن کی عادت تھی وہ جانتی تھیں کہ ؎

تکبر[۱] عزازیل را خوار کرد — بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

جب طرفین سے ایسا خیال ہو تو اقبال مرزا کیوں نہ خوش حال ہو۔

اڑتیسواں باب نخلِ مراد کا بارآور ہونا

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن — جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

ان دنوں چھوٹی دُلہن کی طبیعت سست رہا کرتی تھی۔ سارے دن سر چکراتا تھا ہاتھ پاؤں میں اینٹھن اور سنسنیاں اور دھڑکن تھی کوئی چیز پچتی نہ تھی ادھر حلق سے کچھ اُترا کہ ڈالا۔ پانی تک نکل جاتا تھا۔ کم و بیش تین مہینے یہی حال رہا۔ یونانی دواؤں سے تو کچھ فائدہ ہوا نہیں مگر آگزیلیٹ آف سیرم پارچ

[۱] شیطان کو تکبر (غرور) ہی نے برباد کیا اور نہ صرف برباد کیا بلکہ لعنت کا طوق بھی اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ ۱۲

گرمیں بعد غذا کھانے سے طبیعت ٹھہر جاتی ہے اور غذا بھی پچنے لگی۔ پان گوشت چھوڑ دیا کھٹے میٹھے کو دل چاہنے لگا۔

ستوانسا اور نوماسا ساتویں مہینے کے شروع ہوتے ہی میکے سے سدھوڑ آئی جس میں سات طرح کی ترکاریاں۔ امرود۔ نارنگیاں کیلے وغیرہ اور پکوان تھا۔ دُلہن کو نہلا دُھلا بنا سنوار کر ایک بھاری سُرخ چُھچھاتا ہوا جوڑا اور تمام زیور پہنایا گویا ازسرِ نو دُلہن بنایا۔ نندوں نے گود بھری۔ دولھا کی بہنوں نے ناریل توڑا یہ بھی ایک شگون ہے اگر گری سفید نکلے تو کہتے ہیں کہ چاند سا بیٹا ہوگا اگر بیلی ہوئی تو بیٹی۔ نیگ میں وہی جوڑا اور سوا سو روپیہ بہنوں کو ملے ترکاری کنبے میں تقسیم ہو گئی۔ قریب قریب کے کنبے والے مہمان تھے۔ رات بھر ڈومنیوں کا گانا اور طرح طرح کی نقلیں ہوتی رہیں اسی طرح نویں مہینے نوماسا ہوا۔ دُلہن کے میکے سے نوماسے کا جوڑا کنگھی۔ مسّی۔ مہندی عطر۔ پھول۔ چوڑیوں کے جوڑے وغیرہ چیزیں آئیں سسرال میں پانچ من پنجیری بنی۔ حلوائی نے گھری پر کڑھاؤ چڑھا دیئے۔ روا گھی۔ کھانڈ۔ چھوہارے گوند۔ مکھانے۔ کترا ہوا کھوپرا۔ سونٹھ ملا کر پنجیری طیار ہوئی۔ عورتوں نے چرمی گوئیاں شروع کیں۔ سب کی زبان پر یہی تھا کہ سونٹھ تیز ہے لڑکا ہوگا۔ دولھا کی بہنوں کو پھر ستوانسے کی طرح جوڑا اور نیگ ملا۔ دُلہن آدھی پنجیری اپنے ساتھ لے کر پاؤں پھیرنے میکے گئیں۔ دو چار دن رہ کر اصل خیر سے واپس آئیں انھیں خوانوں میں ترکاری اور مٹھائی آئی۔ چوں کہ پورے دن لگ گئے تھے کیو کا منگایا گیا۔ یعنی گوند۔ بادام۔ مصری چھوارے۔ سونف۔ اجوائن۔ کھوپرا۔ گھی۔ کھانڈ۔

گھٹی۔ چھوٹی بڑی ہڑیں منقیٰ۔ باؤبڑنگ۔ باؤکھنبہ۔ عناب۔ زرکچور۔ املتاس۔ متفرق سامان ایک چاقو۔ قینچی۔ اُٹل کلاتھ۔ کلاوے۔ ململ پیٹی کے واسطے شہد۔ بنفشہ۔ خمیرہ گاؤزبان۔ سونف کا عرق۔ شربت عناب اور بہت سی چیزیں منگاکر پہلے سے طیار رکھی گئیں نہیں معلوم رات بے رات کس وقت ضرورت پڑ جائے۔ بچے کے لئے۔ پہاپلے۔ دوہریں۔ پوتڑے۔ نکبنیاں۔ گاچھ فلالین کے نرم کرتے۔ کنٹوپ۔ رضائی دُلائی۔ کساوہ۔ یہ سب چیزیں بھی پہلے ہی سے طیار کر لی گئی تھیں۔ جب سے بے چینی بڑھ گئی تھی نرس اور دائی دونوں زچہ کی پلنگ کی پٹی کے تلے سویا کرتی تھیں اب صرف صبح و شام پر معاملہ تھا۔

اُنتالیسواں باب۔ ولادت باسعادت

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آمد آخر زپسِ پردۂ تقدیر پدید[1]

دُلہن کو کئی دن سے بے چینی تھی۔ پیٹ بالکل جھول گیا مگر اُنھوں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ مغرب سے تو منھ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ گھڑی بہ گھڑی بے چینی اور کرب بڑھتا جاتا تھا۔ دونوں دائیاں موجود تھیں۔ میم نے بہت تاکید کر دی تھی کہ زچہ کے پاس بھیڑ بھاڑ یا شور و غل نہ ہو مگر یہاں میم بے چاری کی کون سنتا تھا خبر سُنتے ہی ڈولیوں پر ڈولیاں اُترنے لگیں۔ دُلہن کے سارے میکے والے اور کون کون غرض یہ کہ سارا گھر مہمانوں سے بھر گیا

[1] شکر خدا کا کہ جس چیز کی آرزو اور تمنا تھی ہماری خوش تقدیری سے ہو گئی۔ ۱۲

جس کو خبر نہ کی جاتی وہی بُرا مانتا۔ اللہ ہم ایسے دشمن تھے کہ ہم کو خبر تک نہ کی اور پھر طرفہ یہ کہ جیسے اب خبر نہ کی جاتی وہ چھٹی چلّے کی تقریب میں نہ آتا۔ اور صاف یہی جواب ملتا کہ جلوہ بی ہوئیں کی ہنوائی عین وقت پر تو ہم کو خبر تک نہ کی اور ہم تھے کس شمار و قطار میں اب چھدّا اُتارنے آئی ہیں۔ ہم اب آکر کیا کریں گے گھر میں شور و غل اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔ یہ لوگ تو رنگ رلیاں منا رہے تھے اور دُلہن بے چاری نے ساری رات تڑپ تڑپ کر کاٹی پہلوٹی کا بچّہ اُس پر وہ خود دہان پان۔ پچھلے پہرے سیم کے پاس آدمی کو دوڑایا۔ ہنوز وہ آنے نہ پائی تھی۔ کہ اللہ نے مشکل آسان کی مثل مشہور ہی کہ جننا اور مرنا برابر ہی بفضل خدا نور کے تڑکے عید کی چودھویں تاریخ جمعہ کے مبارک دن بچّہ پیدا ہوا۔ جھٹ بچّے کے موہنھ پر سرد پانی کے چھینٹے دئے بچّہ ہُواں ہواں رونے لگا۔ دائی نے کہا کہ لڑکی ہوئی ہی دائیوں کا قاعدہ ہی کہ لڑکا بھی ہو تو پہلے پہل لڑکی ہی کہتی ہیں کچھ تو اس خیال سے کہ ہونس نہ ہو اور نیز اس وجہ سے بھی کہ لڑکی کے بعد لڑکا معلوم ہونے پر خوشی دوبالا ہوتی ہی۔ بیویاں ہیں کہ زچّہ کے پلنگ پر گری پڑتی ہیں ہر شخص یہی چاہتا ہی کہ پہلے ہم بچّے کو دیکھ لیں۔ خوشی کا وقت کسی کو روکا بھی نہیں جاسکتا کہ کہیں بُرا نہ مان جائیں کہ ہم کو گھر بلا کر دھکے دیئے پھر تو چوطرف سے مبارک سلامت کی آواز آرہی تھی۔ جس کو دیکھو باچھیں کھلی جاتی تھیں ای لو لڑکا ہوا۔ اللہ مبارک کرے۔ عمر میں برکت ہو صاحبِ نصیب ہو الٰہی بھاگوان ہو آتا پاتا اور سب جئیں بچّے کی نال سونت کر قینچی سے کاٹ دی

اور موتی بھر کے کلاوے سے کس کر باندھ ڈوری بچّے کے گلے میں ڈال دی پھر بچّے کو نیم گرم پانی سے نہلایا۔ ٹھیکرے ہیں (جو فی الواقع ٹب تھا) سب نے حسب مقدور روپیئے سے لے کر پیسہ تک ڈالا جو دائی کا حق ہوتا ہے۔ بچّے کو نہلا دُھلا سر پر کساوا باندھ دیا کرتہ ٹوپی پہنا نہالچہ پر لٹا رضائی اُڑھا دی اور سب سے پہلے بڑی دُلہن کی گود میں دیا۔ اذان دینے کے لیئے بچّے کے نانا کو بُلایا۔ اُنھوں نے بچّے کے داہنے کان میں اذان کہی اور بائیں میں تکبیر اور کلمے کی اُنگلی سے شہد چٹایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر کپڑے کی بتی سے شہد لگایا تیسرے پہر گھٹی دی گئی اس سے بچّے کا پیٹ صاف ہوتا ہے۔ ہم لوگوں میں عموماً تیسرے دن دودھ لگایا جاتا ہے مگر انگریزی قاعدے کے مطابق جس قدر جلد ممکن ہو دودھ دینا چاہیئے۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ دودھ بچّے کے لئے مسہل کا کام دیتا ہے۔ دوسرے زچّہ کے واسطے بھی دودھ جلد پلانا کئی طرح سے مفید ہے۔ میم نے فوراً دودھ لگانے کو کہا تاہم پہلے دودھ دُھلائی کی رسم ہوئی پھر تیسرے پہر کو اُسی دن دودھ لگایا گیا۔ بچّے کی بڑی پھوپی ایک چاندی کی کٹوری میں آٹے کا دودھ بنا کر لائیں جس میں ہری دوب پڑی ہوئی تھی اُسی سے دودھ اور لٹ دھلائی یعنی دو دھوں نہائیں اور پونوں پھلیں پھر بسم اللہ کر کے بچّے کو دودھ لگا دیا۔ ذرا کنپٹیاں سہلائیں وہ موتھ چلانے لگا ڈومنیوں نے اُس وقت یہ گیت گایا۔

بیرن بھیّا میں تیری ماں جائی (بھائی) ہو لرسن کر بدھاوا لے کر آئی
چھاتی دھلائی کٹوری لوں گی (بچّہ) ہو لٹ دھلائی روپیا

پاؤں دھلن کو چیری لوں گی تو پیا چڑھن کو گھوڑا

دھونے کے لئے لونڈی شوہر کے چڑھنے کو گھوڑا

ڈھائی سو روپئے پھوپھیوں کو نیگ ملا۔ یونانی قاعدے کے موافق زچہ کو تیسرے دن غذا دی جاتی ہے مگر میم نے تو اُسی دن گرم گرم دودھ پلوادیا اور دودھ نان پاؤ یخنی دینے کی تاکید کی جو اُس کی ہدایت کے مطابق دی بھی گئی۔ میم نے کہا کہ زچہ کا دماغ بہت کمزور ہو جاتا ہے اُسے پوری طرح آرام دینا چاہیئے تاکہ نیند آجائے۔ بالکل شور وغل نہ ہونا چاہیئے اور کچھ دوا خواب آور بھی دی جس سے زچہ کی فوراً آنکھ لگ گئی اور آرام سے سو گئی۔ پان بتاسے سارے کنبے میں بانٹے گئے۔ اچھوانی بنائی گئی منقی اور عناب کا شیرہ نکال کر کھانڈ ڈال کر گھی میں بگھار دیا۔ زچہ نے تو پی نہیں نہ وہ کچھ خوش ذائقہ ہوتی ہے مگر اوپر والوں نے خوب ٹھپے لگائے مُفت[۱] راچہ بابد گفت۔ دوسرے دن گوند کھانے بنے اور وہ بھی سارے کنبے میں بٹے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ زچہ جھلکی ماندی تھی تمام رات آرام سے سوتی مگر ان لوگوں نے آنکھ تک جھپکنے نہ دی ساری رات ڈومنیاں گاتی رہیں۔ اُن میں سے چند زچہ گیریاں یہاں لکھی جاتی ہیں جن کا پڑھنا ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

زچہ گیریاں

میرے بابل کو کھوسنائیں جھنڈولہ آج ہوا

خبر لڑکا

باپ

بابل ہمارے راجہ سے جا کر بیرن بالے کہیں جھنڈولا آج ہوا

بھائی بچہ کی صورت یعنی کم عمری۔

---

[۱] مفت کا کیا کہنا۔ ۱۲

دیگر۔ اس ہریالے نے جنم لیا میں تو پالنا بناؤں گی رے
اگر چندن کا میں پالنا بناؤں ریشم ڈور جھلاؤں گی رے
خوش بودار لکڑی۔ صندل
اس بادا پیارے نے جنم لیا میں تو پالنا بناؤں گی رے
سونے روپیہ کی بادل کھچڑی لائیو سگھڑ زچہ کو میں تارے دکھاؤں گی رے
سلیقہ مند
اس ہریالے نے جنم لیا۔ الخ[1]

دیگر۔ چچّا رانی کاہے کو روٹھی میں تیرا عطر کھلونا جی
خوش بودار عمدہ
کہو تو چچّا رانی دائی کو بلاؤں کہو تو کونے پلنگ بچھادوں
سونٹھ میں بھول گیا اب لادوں گا جی
ہاتھ میں کونڈی بغل میں سونٹا لایا جی۔ سونٹھ میں بھول گیا۔

دیگر۔ البیلے نے مجھے درد دیا سالونیا نے مجھے درد دیا۔ بانکیاں نے مجھے درد دیا۔
لاڈلے نازک
جائے کہو لڑکے کے باوا سے اونچی نوبت دھرا اُورے۔ البیلے نے مجھے الخ
جائے کہو لڑکے کے نانا سے رنگ بھری کھچڑی لاؤ رے۔ "
جائے کہو لڑکے کے ماموں سے ہنسلی کڑے گھڑا اُو رے۔ "
جائے کہو لڑکے کی خالہ سے کرتے ٹوپی لاؤ رے۔ "
جائے کہو لڑکے کے دادا سے بھانڈ بھنڈ یلے نچاؤ رے۔ "

دیگر۔ مرے میاں ہے کوئی شرم کی بات کمر میرے درد اُٹھے
مرے راجہ ہے کوئی باندی غلام گھوڑے پر زین دھرو
مرے میاں ہے کوئی دیور جیٹھ دائی ماں کو جلدی بلاؤ

[1] الی آخرہ کا مخفف یعنی اس طرح آخر تک۔ ۱۲

اچھی دائی کھولو چند دن کواڑ　　غرض منت. آن کھڑے
مرے میاں ہی کوئی اندھیری سی رات　　اندھیرے کون چلے
مرے میاں رم جھم برسے ہی مینھ　　بھیجے میری چوندریاں
مری دیا چونڈری دونا اُتار (چنڈری)　　اوڑھو میری شال لڑیاں
مرے میاں رم جھم برسے ہی مینھ　　کیچڑ پانی کون چلے
مری دیا ہم گھوڑے اسوار　　کہ تم بیٹھو پالکیاں
مرے میاں جو تیرے جنمے گا پوت　　سونے تیرے ہاتھ منڈھوں
مری دیا جو مجھے ہووے گا پوت (بیٹا)　　سونے تیرے ہاتھ منڈھوں
مرے میاں جو تیرے ہووے گی دھی (بیٹی)　　دائی ماں کو کیا رے ہی دو
مری دیا سو ہی روپے کا نوٹ　　جھنڈولی میں تجھ کو ہی دوں (بچی)
چچا رانی دیکھو تمھارا جی ہیپٹ　　ما بچے میرے سہاگ لگیں
بیوی رانی ہوئی پڑے سلطان　　دائی ماں کو دو رے انعام
جیئے بچہ لاؤ ہمارا جی نیگ　　دائی اب تو گھر کو چلیں
اری دیا تو نے کیا میرا کیا؟　　بیٹا میرے رب نے دیا
اچھی دائی جھک جھک کیوں کے کرو　　کہ سر میرا دھک اُٹھے
اچھی دیا بک بک کیوں کے کرو　　ہو لڑ میرا، چونک پڑے
دیگر۔ آج میری بچا پڑی ہے ہشیار　　آج ہو بیگم بڑی ہشیار (بچہ)

ذرا سا حد بیرہ ننداں مانگیں لے کر دوڑیں چمچہ چمچے سے مار لیں گہ گرڑ ھبا ماری لیں گہ کہ ٹھیکی مار لیں گہ کہ چمٹا مار لیس گہ۔ کہ لکڑی مار لیں گہ

بڑی ہشیار۔ الخ

ذرا سا حریرہ خالائیں مانگیں کہ لے کے دوڑیں چمچہ۔ چمچے سے مارا بس کرے دوسری ماری بس کرے کہ ڈھیبا ماری بس کرے۔ پنسیری مار کر بس۔ بڑی ہشیار الخ

ذرا سا حریرہ جیٹھانی مانگیں کہ لے کے دوڑیں چمچہ۔ چمچے سے مارا بس کرے۔ کڑھیا ماری بس کر کہ بالنں مارا بس کرے۔ کہ بلی ماری بس کر۔ بڑی ہشیار۔ الخ

دیگر۔ مرارا توں رویاری لالا کس بیرن کی لاگی نظر

مرارا توں۔ الخ

پانچ روپے تیری دائی کھلائی کے تجھے پلاؤں کچا شیر میرے بیر للنا بچے سوجا

مرارا توں رویاری بالا

صبح سویرے سے ہیجڑے بھانڈوں کا تانتا لگ گیا۔ ایک آ نا ہی ایک جاتا ہے۔ یہی سلسلہ برابر تین دن تک جاری رہا۔ ہر چند ان کے گانے بجانے کو روکا ٹوکا مگر یہ لوگ ایسے لکیر کے فقیر لیچڑ اور چھچھوڑ ہوتے ہیں کہ لاکھ دھکے دو مگر بیل لے ہی کے ٹلیں گے۔ ہزاروں طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ اجی ہم تو آج ہی کے دن کے بھروسے پر قرض کھائے بیٹھے تھے۔ ہزاروں منتوں مرادوں کے بعد اللہ نے یہ دن دکھایا۔ الٰہی جچہ اور بچہ جئے گود بھری رہے۔ سہاگن جچا کے ہاتھ کی بیل دلواؤ۔ الٰہی شادی کی گھڑیاں مبارک۔

صاحب خانہ۔ مولویوں کا گھر ہی ہمارے ہاں ناچ گانا نہیں ہوتا نہ ہم سنیں نہ دیں۔

بھانڈ۔ الٰہی اللہ کی امان جچہ بچہ کی خیر۔ اجی کچھ تو دلواؤ۔ سخی بھاگوان

ان داتا کے گھر سے بھلا کوئی خالی ہاتھ پھرا ہی۔ کیا ساری مولویت ہم منگتا دبلی ہی کے واسطے آئی ہی۔ وہ کون سی حدیث ہی جس میں بھانڈوں کا دینا منع ہی۔ مولویوں کا گھرانا ہی تو خیر تعویذ ہی دے دو نہیں تو زہر ہی دے دو۔ بھر حال کچھ دلوا دیئے۔ خالی ہاتھ تو ج دُور پار ہم کیوں جانے لگے جو رد امارے گی گھر میں بھی گھسنے نہ دے گی۔ ہم تو اسی دن کی خیر مناتے ہیں۔ الٰہی جچہ بچّہ سلامت رہیں ایک سے ہزار ہوں۔ بیل بڑھے ہم تو منگتا ہیں۔ صاحب نصیب کے گھر آتے ہیں۔ بیل نہ دو فقیر سمجھ کر خیرات ہی دو۔ کیا مولویوں کے ہاں خیرات دینا بھی منع ہی۔

لامحالہ ایسی خوشی کے وقت میں ان پر سختی بھی نہیں کی جا سکتی اور حسب مناسب کچھ دے دلا کر رخصت کرنا پڑتا ہی۔ ان ہی کے لگ بھگ ہیجڑے بھی ہیں۔ اُن کے محلّے بٹے ہوئے ہیں مگر وہ ایک ہی آتا ہی اور اپنا معمول لے کر چلا جاتا ہی برخلاف اس کے بھانڈوں کی متعدد ٹولیاں ہیں ہر ہر کو علیحدہ علیحدہ دینا پڑتا ہی۔

زنان خانے میں چونے والیوں۔ کنجریوں کی دھوم تھی وہ بھی اپنا اپنا معمول لے کے ٹلیں۔ دھوبی۔ سقہ۔ حلال خوری۔ نوکر چاکر سب ہی کو انعام واکرام دیا گیا۔ اقبال عزا گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے نہیں تو بھانڈ ان کے کپڑے تک اُتروا لیتے۔ پھر بھی زنان خانے میں سے کئی دوپٹے بھانڈوں کو ملے

چھٹی اور عقیقہ چھٹے دن زچہ کو چھٹی نہلائی گئی۔ زچہ نہا دھو بچّے کو گود میں لے نتھ پہن چھپر کھٹ میں آن براجیں

تیسرے پہر کو اُن کے میکے سے بڑی دھوم دھام سے چھٹی آئی۔ چاندی کے چڑے بٹے چُسنیاں۔ جھنجھنے۔ بھاری بھاری کرتے ٹوپیاں کشتیوں میں سج کر آئے اور کچھ روپیہ بھی نقد تھے۔ رات بھر گانا بجانا رہا ساتویں دن صبح عقیقہ ہوا بچّہ کا نام ارجمند مرزا رکھا گیا۔ نائی نے اُدھر سر پر اُسترا رکھا ادھر دو بکرے ذبح ہوئے۔ گوشت غریبوں میں بٹ گیا۔ بچّے کے بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کی گئی۔ بالوں کو گندھے ہوئے آٹے میں لپیٹ کر دریا میں ڈلوا دیا۔ حجام کی کٹوری گشت کرنے لگی سب نے حسب حیثیت ڈالا زنان خانے میں گئی وہاں بھی سب عورتوں نے دیا۔ کئی دفعہ کٹوری بھر بھر گئی۔ حجام غریب مالامال اور نہال ہو گیا۔

زچّہ کا تارے دیکھنا

چھٹی کے دن سہ پہر سے زچّہ کو دُلہن بنایا چوتھی کا بھاری جوڑا اور تمام زیور اور نتھ پہنائی۔ نند بھاوجوں نے کھیلیں بتاشے ناریل سات قسم کی ترکاری سے زچّہ کی گود بھری بچّے کو گود میں دیا سہارا دے کر دالان کے باہر لائے ایک بیوی سر پر قرآن شریف پکڑے ہوئے تھیں اور دو بیویاں ننگی تلواریں سر پر لیے ہوئے تھیں زچّہ کو زیر سما کھڑا کر کے سات تارے گنوائے وہ تارے گنتی جاتی تھیں اِدھر کھیلوں بتاشوں کی بچھاور ہو رہی تھی۔ تارے گننے کے بعد پھر زچّہ کو چھپر کھٹ میں لا کر بٹھا دیا۔ ڈومنیوں نے گانا شروع کیا۔

زچّہ بیٹری گو دچھنڈولا سچا ۔۔۔ تارے دیکھیں چلیں البیلی جچّا[1]

[1] اصل لفظ زچّہ ہے مگر عورتیں جچّہ ہی بولتی ہیں۔ ۱۲

اسی کے ساتھ تھال کھلائی کی رسم بھی ہوئی۔ تھال میں باریک چاول کا خشکہ اُس پر گھی شکر اور میوہ پڑا ہوا اور آٹے کے چار چراغ گھی سے جلتے ہوئے بیچ میں ایک طرّہ لگا ہوا تھا۔ اسے چونک کہتے ہیں۔ اس تھال میں سے پہلے زچّہ نے ایک نوالہ کھایا پھر سب سہاگنوں نے کھایا۔ دسویں۔ بیسویں اور مہینے بھر کے نہان کے بعد چالیس دن کا چلّہ ہوا۔ اس دن پوری شادی ہوئی۔ دائی کو سونے کے کڑے اور جوڑا دیا گیا۔ زچّہ بچّے کو لے کر میکے پاؤں پھیرنے گئیں سوا من ستورا اُن کے ساتھ گیا وہاں سے واپسی کے وقت ترکاری اور مٹھائی اور کھلونے بتاشے اُنھیں خوانوں میں آئے۔ خدا رکھے منتوں مرادوں کا بچّہ تھا۔ سب ہی قسم کے ارمان نکالے گئے۔ کوئی رسم ایسی نہ تھی جو نہ ہوئی ہو۔ بچّہ جب اصل خیر سے پانچ مہینے کا ہوا تو دُلہن کے میکے سے گھنگنیاں مرنڈے موتی چور کے لڈو آئے پھر کھیر چٹائی اور سالگرہ ہوئی۔ پورے دو برس میں دودھ بڑھایا گیا سارے گٹھے میں کھجوریں بٹیں بچّے نے پہلے غوں غاں شروع کی ماں باپ کے پاس ہمک کر آنے لگا پہلے گھٹنیوں پھر پاؤں چلنے لگا اب تو وہ بنگالے کی مینا کی طرح چُرغتا پھرتا تھا۔ ماما انّا بچے کو طرح طرح کی لوریاں دیا کرتی تھیں چند اُن میں سے یہاں بھی درج کی جاتی ہیں

لوریاں اور بچّہ کھلانے کے گیت[۱]

چندا ماموں دُور کے بڑے پکائیں بور کے

[۱] ماخوذ از خواب راحت و رسوم دہلی مصنفہ جناب محمدی بیگم صاحبہ اڈیٹر تہذیب النسواں و مولوی سید احمد صاحب دہلوی بہ اضافہ و ترمیم مناسب۔ ۱۲

آپ کھائیں تھالی ہیں ہمیں دیں پیالی ہیں
پیالی گئی ٹوٹ چندا ماموں گئے روٹ
پیالی آئی اَوْر چندا ماموں آئے دوڑ
جُگ جُگ جُگ جُگ جیا کرو دودھ بتاشے پیا کرو

گھٹنوں پر جُھلاتے وقت

(۱) جھجو جھو سنٹے میاں کے ماموں موٹے
جھجو کی ڈالی جھوم پڑی میاں نے چُن چُن گود بھری
پکے پکے میاں کھائیں کچے کچے نوکر کھائیں
اڑاڑاڑ دھڑیم

(۲) جھول رے ہاتھی جھول میرا انکھنا ہاتھی جھول تیری کمر میں باندھوں پھول

(۳) کود بچھیڑے کود۔ تیری نلیوں میں دودھ
کھاچنے کی دال بچھیرا کدنا ہوگا

مُنہ دُھلاتے وقت

(۱) چھی چھی چھی چھی کوا کھائے دودھ ملیدا ننھا کھائے

(۲) دنگ دنگ دنگنا کرو میاں کا منگنا کرو
میاں کے ساورے جاؤ میٹھے میٹھے چوبے کھاؤ

(۳) میاں آویں دُور سے گھوڑے باندھوں کھجور سے

میاں کا آنا کیسے جانوں — گھوڑے کی ٹاپ پہچانوں
میاں آویں گھڑی گھڑی — پھول بکھیروں دھڑی دھڑی

جھولا جھلاتے وقت

(۱) آرام کا ہی پالنا اور سُکھ کی ہی ڈور — اللہ نبی جی مدد کریں تو طالع تیرے زور
(۲) چوموں تیرے نین (آنکھیں) — مرے دل کو آئے چین
چوموں تیرا مکھڑا (مونہہ) — بھولوں سارا دُکھڑا (مصیبت)
چوموں تیرے گال — تو دل ہو مالا مال
چوموں تیرا سینہ — تو دل کا ہی نگینہ

سُلاتے وقت

(۱) آجا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا — مرے بچّے کی آنکھوں میں گھُل مِل جا
آئی ہوں بیوی میں آئی ہوں — دو چار بچّے سلاتی ہوں
دو چار بالے بچّے تو پیچھے سُلا — پہلے میرے بچّے کی آنکھوں میں گھُل مِل جا
(۲) تو سونا سونا جاگ — تیرے ماتھیں لاگیں بھاگ
تو سوجا میرے لال — تیری امّاں ہو نہال (خوش)
تو سوجا میرے چندا — تجھے کیا کرنا ہی دھندا (کام)
تو سوجا میرے پھول — اور سُکھ سے پالنا جھول
تو سوجا میرے جانی — تری بھاگ بھری پیشانی

تو سو جا بہرے چاند   تیرے آگے ہیرا ماند

تو سو جا بہرے بلے   تو سو جا راج دُلارے

تمام دن گھر میں بچّے کی رونق رہتی تھی۔ بچّہ کیا تھا ماشاءاللہ سارے گھر کا کھلونا اور دل کا بہلاوہ تھا۔ ماں تو ماں باپ بھی عاشق زار تھے ایک گھڑی کو نظر سے اوجھل نہ کرتے تھے۔ بچّے نے جہاں دُور سے باپ کو دیکھا اور ابّا ابّا کہہ کے لپٹ گیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چھوٹی دُلہن نے تو بچّے کو پیدا ہوتے ہی بڑی دُلہن کی گود میں ڈال دیا تھا اور یہ بات کچھ رسمی طور پر محض دکھاوے ہی کی نہ تھی بلکہ حقیقت میں ہوا بھی ایسا ہی کہ کہنے کو تو وہ چھوٹی دُلہن کے پیٹ سے ہوا تھا مگر سارا گُوت کھلانا، پلانا، نہلانا، دُھلانا سب بڑی دُلہن ہی کرتی تھیں اسی سبب سے بچّہ انھیں سے ہر دم لپٹا رہتا تھا اپنی ماں کو جانتا بھی نہ تھا دودھ انّا کا پیتا تھا۔ باقی رات دن بڑی امّاں کی گود سے اُترتا ہی نہ تھا۔ بڑی دُلہن بھی اس شغلے میں ایسی لگیں کہ پھر سوکن کی بھی خبر نہ رہی کہ کون ہے اور کدھر پڑی ہے۔ بچّے کو دیکھ نہال نہال تھیں اور دل باغ باغ تھا۔ بھلا کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ سوکن کا بچّہ ہے۔ سچ پوچھو تو سب لوگ یہی جانتے تھے کہ بڑی دُلہن ہی کا ہے۔ ہاں صرف نو مہینے پیٹ میں رکھنے کی تو چھوٹی دُلہن روادار تھیں پھر تو بڑی دلہن نے ایسی پرورش کی کہ اگر اُن کے پیٹ سے بھی ہوتا تو اتنی ہی کرتیں اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ دیکھئے خدا کی قدرت جس گھر میں چوہے کا بچّہ نہ تھا وہاں اب فضل خدا سے کوئی سال خالی نہیں جاتا تھا۔ زمانہ بات کرتے میں گزر جاتا ہے۔ آٹھ برس میں لگاتار چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہوگئیں۔ گھر بچّوں سے بھر گیا۔ کچھ یہ نہیں کہ پہلو نٹھی ہی کا بچّہ بڑی ماں سے

مانوس تھا نہیں سب کے سب اُنھیں کے اِرد گرد رہتے تھے۔ ایک اِدھر سے آیا لپٹ گیا ایک اُدھر سے آیا چمٹ گیا کوئی ہنس رہا ہے کوئی تماشے کر رہا ہے کوئی کھیل رہا ہے کوئی ضد کر رہا ہے کوئی مچل رہا ہے۔ کبھی کسی کو کھلا رہی ہیں۔ کسی کا موتھ دُھلا رہی ہیں کسی کے کپڑے بدلوا رہی ہیں سارا دن ان کا اسی میں گزر جاتا تھا۔ کدھر صبح ہوتی تھی اور کدھر شام اُن کو خبر بھی نہ تھی۔ جو دیکھتا تھا تعجب کرتا تھا کہ یہ انسان ہیں یا فرشتہ۔ ہم نے تو ایسی نیک دل بیوی دیکھی تو کیا سُنی بھی نہیں۔ سوکن کے بچّوں کو اس چاؤ چونچلوں سے پالنا اور دل پر ذرا میل نہ آنے دینا ان ہی کا کام تھا اور اس میں شک نہیں کہ ایسی ہی بیویاں جنتی ہوتی ہیں ؎

ہر کہ خود را دید او محروم شد[۱] ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

چالیسواں باب۔ خاتمۃ الکتاب

شرط سلیقہ ہے ہر اک کام میں عیب بھی کرنے کو ہُنر چاہیئے

اقبال مرزا کو چوں کہ انگریزی تعلیم تھی وہ تعدد ازدواج کے مسئلہ کے بالکل خلاف تھا اور ہمیشہ ایسے لوگوں کو جو جوروں کا طویلہ باندھ لیتے تھے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا یہ کسے خبر تھی کہ ایک نہ ایک دن تقدیر ان کو اسی گھاٹ لا اُتارے گی۔ ان کے کنبے میں خود دو ایک جگہ ایسی صورت موجود تھی

---

[۱] جو اپنے گھمنڈ میں رہے گا وہ کھویا جائے گا اور جو دوسروں کی خدمت کرے گا وہی سب کا سردار ہوگا۔ ہم لوگ ایسے موقعہ پر کہتے ہیں جو سیوا کرے گا میوہ پائے گا۔ ۱۲

اُن گھروں میں روز کی تو تو میں میں سُن کر لوگ کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے تھے روز کی لڑائی ہر وقت کی ٹھکا فضیحتی آب وخور حرام اور زندگی وبال جان بیوی گریاں میاں نالاں (اَللّٰھُمَّ احۡفَظۡنَا مِنۡ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنۡیَا (خدا دنیا کی بلاؤں سے محفوظ رکھے)

بھلا اس طرح کہیں گھر چلتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بیوی جل جل کر گُھل گُھل کر مرگئی اللہ نے اُس کا پردہ ڈھک لیا۔

قفس تن میں نہ گھبرائیو اے طائر روح جو گرفتار ہو ایک روز رہا ہوتا ہے

دوسری جگہ روز کی جھک جھک پٹ پٹ ہر دم کی دانتا کلکل سے بیزار ہو کر میاں دیوانہ وار کپڑے پھاڑ گھر سے نکل گئے اور ایسے گئے کہ نہ کہیں پتہ ہی کہ زمین پھٹ گئی اور وہ سما گئے یا اُنھیں آسمان کھا گیا۔ خدا جانے زندہ بھی ہیں یا مر گئے پھر آج تک موُنھ نہ دکھایا۔

شرح این قصہ دل سوز نہ گفتن تا کی[۱]
سوختم سوختم این راز نہفتن تا کی

یہ واقعات آنکھوں دیکھتے اقبال مرزا جیتی مکھی کیسے نگلتا کیا اُسے باؤلے کُتّے نے کاٹا تھا جو اُس کوچے کا رُخ کرتا۔ یہ تو سچ ہے کہ جو کچھ پیشانی میں لکھا ہوتا ہے وہ لامحالہ پیش آکر ہی رہتا ہے لاکھ جتن کرو مٹ نہیں سکتا۔

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

[۱] اس دل جلانے والے قصّے کا بیان کب تک نہ کیا جائے۔ میرا تو تن بدن پُھنک گیا کب تک اس راز کو چھپایا جائے۔۱۲

اِن کے مقدر میں دوسری بیوی سے اولاد ہونی لکھی تھی اگر دوسرا نکاح نہ ہوتا تو یہ روحیں عالم دنیا میں کیسے آتیں لیکن اُن واقعات کے لحاظ سے جو گزرے ہیں ہم کو تعجب ہی کہ ایسا شخص جس نے ولایت میں اعلےٰ درجے کی تعلیم پائی ہو اور جو تجربہ کار اور نشیب و فراز زمانے سے اچھی طرح واقف ہو اُس نے کس طرح گوارا کیا کہ دوسرا نکاح کیا۔ بے شک لاولدی کا صدمہ اقبال مرزا کو ہونا چاہیئے تھا لیکن ہمارے خیال میں وہ اس کو بھی انگیز کر لیتا کیونکہ اولاد سے آئندہ کو نام چلنا تو نرا ڈھکوسلا ہی۔ جب ہم خود دُنیا میں نہ رہے تو ہمارے بعد ہمارا نام چلا تو ہم کو اُس سے کیا خوشی ہو سکتی ہی اور نہ چلا تو کیا رنج۔ پوچھ سکتا ہی ع پس از سرِ من کن فیکن شد شدہ باشد۔[۱]

نام چلنے کی جو کہو تو پہلے ہی کیسے معلوم ہو سکتا ہی کہ اولاد سعادت مند اور باقبال ہو گی۔ فی زماننا تو سیکڑوں جگہ یہی دیکھا گیا ہی کہ باوا دادا کا نام ڈبو ؤ اولاد پیدا ہوتی ہی جس سے بجائے نام چلنے کے اُلٹی ناک کٹتی ہی اور یہ بھی دیکھا گیا ہی کہ باپ دادا ہاتھی نشین تھے اور اولاد جوتیاں چٹخاتی پھرتی ہی اگر اس طرح نام چلا بھی تو کیا خاک چلا ایسے نام چلنے سے تو اس کا مٹنا ہی بہتر ہی ؎

جن کی عمارتیں بہ فلک سر کشیدہ تھیں نسلوں میں اُن کے رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخملِ رومی کے فرش تھے اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز نوبت یہ ہی کہ چولھے پہ اُن کے توا نہیں
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند پوتے سے پوچھیئے تو حرف آشنا نہیں

[۱] ہمارے مرے پیچھے کچھ بھی ہو ہم کو کیا؟ ۱۲

باوا فقیر تھے کہ اُنھیں پوچھتے تھے لوگ   بیٹا فقیر ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں

پھر غور کیجئے تو یہ بھی فرضی اور من سمجھوتے کی باتیں ہیں۔ دنیا میں سکڑوں ہزاروں آدمی ہم کو جانتے ہیں مگر اُن میں سے شاید سَو دو سَو بھی یہ نہ جانتے ہوں گے کہ ہمارے باوا کون تھے اور کس پائے اور رتبے کے شخص تھے اور ہمارے دادا کا نام تو دس پانچ بھی نہ جانتے ہوں گے۔ وقس علیٰ ہذا[1]۔ پس اس نام سے نام چلنے کی حقیقت تو کھل گئی لیکن ہماری سمجھ میں نکاح ثانی اور اُن تمام فضول اور لایعنی رسوم کی جن میں روپیہ ٹھیکری ہو گیا صرف یہی ایک قوی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اقبال مرزا اپنی ماں کا بہت بڑا ادب کرتا تھا اور ہر امر میں اُن کی مرضی کے خلاف کرنا گناہِ کبیرہ سمجھتا تھا۔ یہ اُس کی اعلیٰ درجے کی سعادت مندی تھی وہ خوب جانتا تھا کہ ماں باپ کا کیا رُتبہ ہے اور وہ کس سلوک کے مستحق ہیں چوں کہ نامشروع بات کے علاوہ ہر امر میں والدین کی اطاعت و فرماں برداری فرض ہے اس لحاظ سے اقبال مرزا نے کسی بات میں کان تک نہیں ہلایا اور کیوں کر سرتابی کر سکتا تھا جب کہ کلام مجید میں صاف طور پر آیا ہے وَقَضیٰ رَبُّکَ[2] اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

---

[1] اور اسی پر قیاس کر لو [2] اور تمھارے پروردگار نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ لوگو اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو اُن کے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ اُن کو جھڑکنا اور اُن سے کچھ کہنا سننا ہو تو ادب کے ساتھ کہنا سننا اور محبت سے خاکساری کا پہلو اُن کے آگے جھکائے رکھنا اور اُن کے حق میں دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح اُنھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں اسی طرح تو بھی اُن پر اپنا رحم کیجیو۔ ۱۲

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ متعدد احادیث میں بھی ماں باپ کا ادب اور تعظیم اور اُن سے نرمی اور محبت اور سلوک سے برتاؤ کے احکام موجود ہیں ماں اور باپ دونوں میں ماں کو تفوق ہے حتیٰ کہ ماں کے قدموں کے تلے جنت ہے سبحان اللہ ماں باپ کا کیا رُتبہ ہے ؎

جنت[1] کہ رضائے مادر آں ست زیر کف پائے مادر آں ست

اس سے بڑھ کر ماں باپ کی عظمت اور بزرگی کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا فرزند جو اپنے ماں باپ کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے خداوند تبارک تعالیٰ اُس کے لئے ہر مرتبہ کے دیکھنے کے عوض اُس کے اعمال نامے میں ایک حج مقبول کا ثواب لکھتا ہے اگرچہ ایک دن میں سو مرتبہ بھی دیکھے۔

اقبال مرزا کی خوش نصیبی پر ہم کو رشک ہے دھن دولت آل واولاد اللہ نے سب ہی کچھ دیا۔ سب سے بڑھ کر ایک چھوڑ دو دو بیویاں ایسی ہیں کہ جن کے پاؤں دھو دھو کر پینا بعید از قدر دانی نہ تھا ؎

زن[2] نیک فرماں بر و پارسا
کند مرد درویش را بادشا

---

[1] جنت میں ہماری رضامندی ہو وہ تو ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ [2] نیک عورت جو شوہر کی تابع دار اور عصمت شعار ہو وہ فقیر مرد کو بادشاہ کر دیتی ہے۔ ۱۲

یہ ان بیویوں ہی کی بدولت تھا کہ دن عید رات شب برات تھی اور یوں آرام و آسایش سے زندگی کٹتی تھی ۔ یہ مقولہ انہیں پر صادق تھا۔

"دو زن دارم ہیچ غم نہ دارم"[1]

ورنہ علی العموم تو معاملہ برعکس ہی نظر آتا ہے ہم نے تو جہاں دیکھا یہی رونا دیکھا کہ دو جوروؤں کا موا جھک جھک بجرا ہوا ہے

گراسی طرح ہو حیات تمام ای بدا آخرا ای بدا انجام

مگر اپنا اپنا لہنا ہے ۔ کسی کے گئے گھی سکے گھڑے اور کسی کے کئے پتھر پڑے ہے

نہ ہر زن زن ست نہ ہر مرد مرد[2] خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

تقدیر اگر سیدھی ہے تو پھر سب کام ٹھیک ٹھاک ہوتے چلے جاتے ہیں ؎

ایک تم ہو کہ سدا عیش کے عالم میں ہے ایک ہم ہیں کہ ہمیشہ الم و غم میں رہے

ورنہ یہی دونوں عورتیں اقبال مرزا کو ناک چنے چبوا دیتیں اور تو بہ قبول نہ ہوتی مسلمانوں میں تعدد ازدواج کے سبب بڑی بے لطفی رہتی ہے اور بہت سے گھرانے تباہ ہو گئے ۔ ہماری صلاح اگر کوئی مانے تو خدارا اس رستے پر بھول کر بھی نہ جائے لیکن ہاں صرف ایک ہی صورت ایسی ہے کہ اس مصیبت کو چار و ناچار اپنے سر لیا جا سکتا ہے ۔ ایک طرف خندق اور دوسری طرف کھائی ۔ جدھر جھکو ادھر ہی تباہی ۔ اِذَا ابْتُلِیَ الْاِنْسَانُ بِبَلِیَّتَیْنِ فَیَخْتَارُ اَھْوَنَھُمَا۔[3]

---

[1] میرے دو جوروئیں ہیں تو بھی مجھے کچھ غم نہیں [2] سب مرد عورت برابر نہیں ہیں خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائیں [3] جب انسان دو بلاؤں میں پھنس جاتا ہے تو اُن دو میں سے جو آسان ہوتی ہے اُسے (ناچار) اختیار کر لیتا ہے۔ ۱۲

پس اس کے جواز کی صورت سوائے لاولدی کے اور کوئی ہو نہیں سکتی لیکن باوجود آل اولاد ہونے کے محض شوق کے واسطے جو ایسا کرتے ہیں اُن کو یاد رہے کہ ہر شخص کو اقبال مرزا جیسی بیویاں نہیں مل سکتیں وہ ایک تقدیر کے دھنی نکل گئے کہ اس طرح نبھ گئی ؎

رنج طفل ست دو جفائے ادیب[1] مرگ بیمار دو دوائے طبیب
از دو حاکم خراب ملک و جہاں از دو عورت خراب مرد غریب

اقبال مرزا پنشن لے کر دلی میں خانہ نشین ہیں۔ اُسی اپنی آبائی کوٹھی میں نہایت شان و شوکت سے رہتے ہیں۔ دلی کی کمیٹی میں وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔ دلی کے دربار تاج پوشی میں خان بہادر کا خطاب بھی مل گیا ہے باپ کا نام ان سے ایسا روشن ہوا کہ بہ از پدر۔ بال بچوں سے گھر بھرا پڑا ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں کہ ان کے دو بیویاں ہیں۔ بڑا لڑکا بفضلِ خدا دلی کے مشہور بیرسٹروں میں ہے۔ اُس سے چھوٹا میرٹھ کا تحصیل دار۔ ایک لڑکا علی گڑھ کالج میں پڑھ رہا ہے سال آئندہ وہ بھی بی۔ اے کا امتحان دے گا سب سے چھوٹا عربک سکول کی مڈل کلاس

[1] بچے کے لئے دو اُستادوں کی تعلیم ظلم ہے۔ دو طبیبوں کا ایک بیمار کا علاج کرنا اُس کے لئے موت ہے جس طرح ایک ملک میں دو حاکم ہوں تو ملک تباہ ہو جاتا ہے یا دو عورتوں سے مرد کی مٹی پلید ہوتی ہے اُسی طرح دو ملاؤں میں مرغی حرام یا دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند ہے یا مولوی نذیر احمد صاحب کا یہ شعر ؎

ہم معتقدِ دعویٰ باطل نہیں ہوتے سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے ۱۲

ہیں، ہے۔ بڑی لڑکی نواب شرف الدولہ کے پوتے سے بیاہی گئی ہے اُس کے کئی بچے ہیں منجھلی کی بات ٹھیر گئی ہے۔ بیاہ بارات کی طیاری ہے۔ ایک ابھی بہت چھوٹی ہے آپ کو شوق ہوگا تو پھر کبھی اُن کے حالات لکھیں گے۔ اب تو اس بات پر ختم کلام ہے کہ الٰہی جیسی اِن میاں بیوی کی گزری اور جوڑی گھس پس پُرانی ہوئی ماؤشماسب کی اسی طرح خیرو خوبی سے گزرے آمین!

ہیں اُن کے جہاں میں پھرے جیسے دن ہمارے تمھارے پھریں ایسے دن
ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم رہیں ہر طرح خوش اور آباد ہم
ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام بحق محمد علیہ السلام

تمت بالخیر

تیسرے ایڈیشن کے متعلق کچھ عرض معروض

پہلے اور دوسرے ایڈیشنوں پر کافی ریمارک کیا جاچکا ہے اب کوئی بات کہنی نہیں سوائے اس کے کہ بارہ برس کے عرصہ میں اس کا یہ سہ بارہ جنم ہے۔ جو اس کی پسندیدگی اور مقبولیت کا کھلا ثبوت ہے۔ مجھ کو توقع نہ تھی کہ یہ کتاب بہنوں کے دلوں میں یا گھر کرجائے گی اور اس کا مطالب یوماً فیوماً زیادہ ہوتا جائے گا۔ لیکن جب ایسا ہی تو ضرور ہوا کہ ہر نئے ایڈیشن میں کچھ اور اس دُلہن کو سنوار دیا جائے۔ اس مرتبہ بھی جابجا عبارت کو چُست کردیا گیا ہے اور رہی سہی کور کسر نکال دی ہے۔ اس مرتبہ اقبال دُلہن نئے بسنتی جوڑے میں سٹیج پر آتی ہیں بہنیں اس آن بان اور سج دھج کو دیکھ کر خوش ہوجائیں گی۔ اُن کی خوشی عین میری خوشی ہے۔ اقبال دُلہن کی آؤ بھگت دیکھ کر ہی میری ہمت بڑھی اسی سلسلے میں **حُسنِ معاشرت** اور **اصلاحِ معیشت** یکے بعد دیگرے لکھی گئیں۔ یہ کتابیں پنجاب۔ ممالک متحدہ بمبئی کی ٹکسٹ بک کمیٹیوں میں مقبول ہوئیں اور اصلاحِ معیشت کے تو ایسے بھاگ کھلے کہ سرکار نے بھی اُس کی رونمائی میں تین سو روپئے دیئے۔ لو صاحب ان کا نمبر سب سے بڑھ گیا اور چار چاند لگ گئے۔ اب چوتھی کتاب کی باری ہے **لختِ جگر** چھپ رہی ہے یہ کتاب سب میں ڈبل ہے دُہرے جہیز سے وداع کی جائے گی یعنی دو حصّوں میں ہے! ایک شفیق باپ نے اپنی پیاری بیٹی کو جو جو مناسب تھا نصیحتیں کی ہیں۔ گھر دار کا ایک مکمل دستور العمل لکھ کر دیا ہے۔ خدا اُسے توفیق دے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کرے اور دوسری لڑکیاں بھی ان پند و نصائح کو آویزۂ گوش بنائیں۔

خود بھی آرام چین سے رہیں کہ ہم بھی اُن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں اور اُن کے حق میں دل سے دُعائیں نکلیں کہ دودوں نہاؤ اور پوتوں پھلو۔ الٰہی جوڑا ایسا ملے کہ میاں بیوی کا بیوی میاں کا کلمہ بھرے اور بیوی کی ایڑی دیکھ کر کسی کا مونھ نہ دیکھے۔ لالوں کی لال۔ خوش حال اور نہال نہال رہو۔ آمین۔

حُرّرہ بشیر

تقاریظ اور ریویو

نوشتۂ عالی جناب شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ خاں صاحب دہلوی

فیلو آف دی الہ آباد یونیورسٹی

آج کل قصوں کی تصنیفات کا بازار بڑا گرم ہی۔ کتب فروشوں کی دکانوں پر اُن کا انبار ہی اور اُن کے پڑھنے والے بے شمار اس لئے ہیں کہ اُن کے پڑھنے میں ذہن اور طبیعت پر کچھ زور ڈالنا نہیں پڑتا۔ اور بغیر غور و مطالعہ کی محنت کے دلچسپ مضامین نظر آتے ہیں۔ جن کو وہ جانتے ہیں کہ ہم دنیا کے معاملات اور مکر و فریب سے آگاہ ہو کر ہوشیار ہو جاتے ہیں نہ پھر ہم پر عورت کا کوئی چیز تر چل سکے نہ کوئی اور ہم کو دم دھانسا دے سکے مگر یہ نادان یہ نہیں جانتے کہ ذہانت پر ایسی سخت آفت آتی ہی کہ اس میں ایسی لطافت کی عادت ہو جاتی ہی کہ اُن مضامین دقیق کے سمجھنے کی قابلیت بھی جاتی رہتی ہی جن میں تعمق نظر کا کام پڑے اور کسی دوست اور مہمان سے معقول باتیں کرنی وہ بھلا دیتے ہیں۔ اِن قصوں میں کچھ پرانی تصنیف کے اور زیادہ تر حال کی تصنیف کے ہیں۔ پرانے قصّوں کا تو موضوع یہ ہی کہ ایسے عجیب و غریب واقعات بیان کیجیئے کہ جو کبھی نہ واقع ہوئے نہ واقع ہوں انسان کے افعال اور کردار وہ ذکر کیجیئے کہ نہ کبھی اُس سے سرزد ہوئے ہوں نہ ہو سکیں اِن میں تو نیچر کے خلاف رزم آرائی اور پیچ سے جنگ پیرائی ہوتی ہی اور تاریخ کی صورت

بگاڑ کے مسخ کی جاتی ہے سمجھ دار پڑھنے والوں پر اگرچہ گناہ کرنے پر وہ جبر نہیں کرتے مگر گناہ کرنے کے سبق پڑھاتے ہیں اور اُن کے نتائج اس لیئے بیان کرتے ہیں کہ گناہ کے کرنے کا خوف نہیں رہتا۔ عشق بازی کی دھت لگاتے ہیں۔ اور اگر عورتوں کے مطالعہ میں آتے ہیں تو اُن کی پاکدامنی پر دھبّہ لگاتے ہیں غرض اُن کے ہر ورق کا موتھہ ایسی غلطیوں سے کالا ہوتا ہے کہ وہ انسان کے حق میں زہر ہوتی ہیں۔ یہ حال تو پُرانے قصوں کا ہے اور نئے قصّوں کا بہ استثنائے چند اس سے بھی بدتر حال ہے۔ پہلے قصّوں میں انشا پردازی کا تو لطف ہے ان میں یہ بھی نہیں۔ خدا شمس العلمار ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد ایل۔ ایل۔ ڈی کا بھلا کرے کہ اُنھوں نے قصّوں کا یہ حال دیکھ کر اُردو کے علم ادب میں قصہ پردازی کی ایک نئی طرح اندازی کی جو اوپر کے سب عیبوں سے پاک صاف تھی۔ ان کے قصص میں زبان کی فصاحت اور بلاغت ہے ظرافت اور لطافت تفریح طبع کے لیئے موجود ہے۔ پند و نصائح عاقلانہ مذہب کی چاشنی کے ساتھ ایسے بیان کئے ہیں کہ دلوں میں خدا کی نیکی کا خیال پیدا کرتے ہیں اور عقل و شعور کو بڑھاتے ہیں اس میں وہ مقبول خاص و عام ہوئے۔ اُن کی دیکھا دیکھی بہت سے قصّہ طراز اُن کے نقش قدم پر چلے مگر کوئی چل نہ سکا۔ مگر **مولوی بشیرالدین احمد** نے جو مولوی صاحب کے خلف الصدق ہیں اپنے باپ کے قصص میں اپنے قصۂ **اقبال دُلہن** کا پیوند لگا دیا۔ اس قصہ میں دیسی و سرکاری ابتدائی و علی گڑھ کالج کی اور ولایت کی تعلیم کا بیان بڑی خوبی سے کیا ہے اور اُن کی خوبیوں اور بُرائیوں کو بڑی لطافت سے آئینہ بنا دکھایا

ہی زن و شو کے تعلقات میں کسی بات کو فرو گذاشت نہیں کیا ان میں عاقلانہ سبق سکھائے ہیں کثرتِ ازدواج کی خرابیوں کو اس خوبی سے بیان کیا ہی کہ اُس سے نفرتِ دلی پیدا ہوتی ہی شادی و غمی کے مراسم کا ذکر اس طرح کیا ہی کہ وہ آئینہ میں سامنے نظر آتی ہیں۔ سوکناپے کے دُکھ درد کو مٹانے کے لیئے ایسا وعظ پُر تاثیر بیان کیا ہی کہ اُس کو سُن کر یہ درد باقی نہیں رہتا۔ میاں بیوی میں جو ازدواج ثانی کے سبب سے ناچاقی پیدا ہو اور پھر آپس میں ملنے کے لیئے خط و کتابت اور اس میں اشعار ایسے انتخاب کر کے لکھے ہیں کہ وہ دُرِ نایاب ہیں۔ لاولدی کے سبب سے دوسرے نکاح کی ضرورت کے لیئے جو وجوہ بیان کی ہیں اُن کو سُن کر کوئی ولایت کا مہذب بھی اُس شخص کو جو وہاں تعلیم پاکر اس حرکت کا مرتکب ہوگا اُس کو یہ نہیں کہے گا ع چوں بیاید ہنوز خر باشد۔

غرض یہ قصہ دونوں عورتوں اور مردوں کے لیئے ایسا پند نامہ ہی جواب تک نہیں لکھا گیا۔ مجھے یقین ہی کہ یہ قصہ مقبول خاص و عام اور مصنف کی شہرت دوام کا باعث ہوگا۔ فقط۔

دہلی - ۹ - اکتوبر ۱۹۰۸ء

ذکاء اللہ

نوٹ میں نہایت شکر گزار ہوں کہ جناب ممدوح نے چھپنے سے پہلے میری ناچیز تصنیف کو بہت غور اور توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور علاوہ اس بیش بہا ریویو کے جابجا عمدہ اصلاحیں بھی فرمائیں جو منت بر منت ہی۔ من المصنف - ۱۲

خط۔ نوشتۂ عالی جناب نواب مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ وقارالدولہ وقار الملک بہادر سکرٹری مدرسۃ العلوم علی گڈھ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء

جناب مخدومی مکرمی مولوی بشیرالدین احمد صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الطاف نامہ کا شکریہ عرض ہے اور اس فرمایش کا بھی کہ میں آپ کی عمدہ کتاب پر ریویو کرنے کی عزت حاصل کروں مگر تو یوں بھی اپنی قلتِ استعداد کی وجہ سے اس منصب کے اختیار کرنے کی قابلیت اپنے میں نہیں پاتا اور خاص کر اس کثرت کار میں جو کالج کے کاروبار کی وجہ سے میرے عائد حال ہے اور بالتخصیص اس زمانہ میں جب کہ بیماری اور ضعف نے اور بھی مجبور کر دیا ہے لہٰذا میں نے آپ کی کتاب اپنے دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم ایڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ کے پاس بھیجی تھی اُنھوں نے جو کچھ اُس کی نسبت مہربانی سے لکھا ہے وہ میں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

علی گڑھ کالج کی نسبت جو عام طور پر آپ نے عمدہ ترین خیالات کا اظہار اس کتاب میں فرمایا ہے اُس کے لحاظ سے میں قوم کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں بچھوٹے بچوں کی عدم نگرانی کے متعلق جناب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کے قبول کرنے میں مجھ کو کوئی عذر نہیں ہے ویسی نگرانی جیسی کہ ماں باپ اپنے گھر پر اپنے چھوٹے بچوں کی کر سکتے ہیں ایک عام بورڈنگ ہوس میں تو ہو نہیں سکتی لیکن بہت سے گھرانے ایسے بھی ہیں جہاں بچے روز بروز خراب صحبت کی وجہ سے ابتر ہوتے جاتے ہیں اس سے مدرسۃ العلوم کی بورڈنگ ہوس کی نگرانی گو وہ کیسی بھی ہے کچھ بہت غنیمت ہے اور آپ کا مطلب انہیں گھروں سے ہے جہاں

بچّوں کی حفاظت اور نگرانی اچھی طرح ہو سکتی ہو لیکن مجھ کو شک ہے کہ عوام میں جناب کے اس فقرہ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ لہٰذا[1] اگر کسی قدر مزید توضیح کر دی جائے تو یہ اندیشہ جاتا رہے گا اور اُمید ہے کہ کسی وقت آپ تکلیف کر کے کالج و بورڈنگ ہوس کو دیکھیئے گا بھی اور کبھی کبھی یہ معائنہ جاری رہنا چاہیئے۔

والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین

ریویو۔ نوشتہ جناب مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی ایڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڑھ

میرے نزدیک یہ ناول اور اُس کی زبان نہایت عمدہ ہے۔ اس میں موجودہ کالج کے موجودہ طریقۂ تعلیم کو دیگر مدارس کی تعلیم پر ترجیح دی گئی ہے مگر ایک صفحہ پر لکھا ہے کہ میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ بہت چھوٹی عمر کے بچّوں کو علی گڑھ بھجوانا درست نہیں ہے وہاں اُن کی پوری نگرانی نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک ان فقروں سے ان لوگوں کے دلوں میں جو اپنے کم سن بچّوں کو علی گڑھ کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجتے ہیں غلط فہمی پیدا ہو گی۔ اگر مصنف صاحب ان الفاظ کو خارج کر دیں تو نہایت مناسب ہے۔ اس ناول میں مصنف نے میاں بیوی کے تعلقات پر نہایت عمدگی سے بحث کی ہے اور تعدد ازدواج کو اشد ضرورت کی حالت میں جائز بتایا اور اُس کی عملی صورت اختیار کی ہے شادی اور غمی کے

[1] مزید توضیح کر دی گئی ہے۔ ۱۲ من المصنف۔

رسموں کی تصویر بہت عمدہ کھینچی ہی جس سے اُن رسموں کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہی ولایت کے تعلیم پانے والے کو میموں کے ساتھ شادی کرنے کے بُرے نتائج سے آگاہ کیا ہی۔ اس میں ایک ایسے انگریزی تعلیم یافتہ کی مثال بہ طور ناول کے ہیرو کے پیش کی ہی جو علی گڑھ کالج کا گریجوئیٹ ہی اور جس نے ولایت میں امتحان سول سروس پاس کیا ہی۔ مگر باوجود انگریزی تعلیم کے اپنے مذہب پر قائم رہا اور فرائض کی بجاآوری میں کوئی کوتاہی اُس سے نہیں ہوئی اور اُس نے اپنے چال چلن سے نہایت عمدہ مذہبی اور اخلاقی نمونہ پیش کیا ہی۔ مصنف نے دعویٰ کیا ہی کہ اس ناول میں ایسے الفاظ نہیں آنے پائے جو شریف عورتوں کے دیکھنے اور سننے کے لایق نہ ہوں میرے نزدیک اُن کا یہ دعویٰ صحیح ہی اور یہ ناول اس لحاظ سے بے تکلف نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کے ہاتھ میں دیا جاسکتا ہی اور یہ اس کی سب سے بڑھ کر خوبی ہی۔ فقط

خاکسار وحید الدین سلیم۔ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء

ریویو۔ نوشتۂ عالی جناب شمس العلما ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب دہلوی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ او۔ ال

جہاں اور بہت سے انگریزی الفاظ روزمرہ اردو میں داخل ہو گئے ہیں اور آئے دن داخل ہوتے جاتے ہیں اُن میں ایک لفظ "ناول" بھی ہی جس کے معنی

لہ میں نے اقبال دُلہن کی دو نقلیں کرا کے ایک شمس العلما مولوی ذکاءاللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھی بھیجی تھی کیوں کہ وہ میرے والد ماجد کے بچپنے کے دوست ہیں اور ہم درس تھے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ میں دیکھیے)

ہیں افسانہ ۔ قصہ ۔ کہانی ۔ ناول نویسی کا طریقہ کچھ اس زمانے کی ایجاد نہیں دنیا کی پرانی سے پرانی زبانوں میں بھی ناول پائے جاتے ہیں اور اس بات کی دلیل ہیں کہ سدا سے یہ طرز مقبول طبائع رہا ہے

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ناول کی بڑی تعریف یہ ہے کہ مفروضات کو واقعات کر دکھائے مولوی بشیر الدین احمد کے اس ناول میں (باوجودے کہ یہ اُن کا نقش اولیں ہے) شروع سے آخر تک یہ بات اعلیٰ وجہ الکمال دیکھی جاتی ہے زبان شرفائے دہلی کی فصیح اُردو ہے قابلِ تقلید مضامین کے اعتبار سے اگر مصنف نے خود یہ نہ جتا دیا ہوتا کہ اس میں کچھ اپنی بیتی بھی ہے تو ہم ساری کتاب کو واقعات نفس الامری ہی سمجھتے ہر کیف جس بات پر قلم اُٹھایا ہے اُس کی صورت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۱ گزشتہ) اور میں اُن کا ویسا ہی احترام کرتا تھا جو اپنے والد کا اور دوسری کاپی خود والد ماجد کے ملاحظہ میں گزرانی میرے والد کو ہجوم کار سے اتنی فرصت نہ تھی کہ میری کتاب کو جاتے ہی دیکھ لیتے مولوی ذکاء اللہ خاں صاحب نے کچھ دیر نہ لگائی اور اپنا ریویو بھیج دیا مگر والد ماجد نے کچھ نہ لکھا میں نے دوسرے ذرایع سے دریافت کیا معلوم ہوا کہ کتاب اُنہوں نے ڈال دی ہے ۔ چند دنوں کے بعد خود میرے والد نے مجھے لکھا کہ تمہاری کتاب کا مسودہ پہونچا لیکن افسوس ہے کہ میں اُسے جلد نہ دیکھ سکا مولوی ذکاء اللہ صاحب سے سوسائٹی میں ملاقات ہوئی وہ تمہاری کتاب کی بہت تعریف کرتے تھے ۔ اُن کی تعریف تمہارے لئے قابلِ قدر اور سرمایۂ ناز ہے میں بھی دیکھوں گا ۔ اس کے بعد میں دہلی گیا اور نہایت ادب سے یاد دہی کی ۔ کہا کتاب میں دیکھ چکا ہوں اور کہیں کہیں کچھ بنا بھی دیا تھا لیکن ریویو نہ لکھا شاید پس و پیش اس کا ہو گا کہ لکھوں تو کیا لکھوں ۔ اگر تعریف کروں تو لوگ کہیں گے کہ خوب ۔ بیٹے کی تعریف باپ نہ کریں گے تو اور کون کرے گا اگر کچھ نہ لکھوں تو لڑکے کا حوصلہ پست ہو جائے گا گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل بہرحال میرے تقاضے پر جناب ممدوح نے جو لکھا وہ یہ ہے ۔ یہ طریق اچھا ہے کہ محبوبوں کا بھید دوسروں کی آڑ میں بطور رمز و اشارے کے بیان کر دیا جائے۱۲

آنکھوں کے سامنے کھڑی کردی ہی۔ بیماری اور موت کو تو اس خوبی سے بیان کیا ہی کہ بے اختیار رونا آجاتا ہی اور خوشی کے مواقع کو پڑھ کر پڑھنے والا کسی حالت میں ہو تھوڑی دیر کے لیئے تو ضرور خوش ہو لیتا ہی۔ ناول کے پورا پڑھے بعد ایک بات ہمارے دل میں کھٹکی تھی کہ اقبال مرزا (جو اس ناول کا ہیرو ہی اور جس کے حالات سے ناول میں بحث کی گئی ہی) علی گڑھ کالج میں اونچی جماعۃ تک انگریزی پڑھنا سرکار کے خرچ سے تکمیلِ تعلیم کے لیئے ولایت جانا۔ وہاں سول سروس کا امتحان پاس کرنا سویلین ہو کر پنجاب واپس آنا ان میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ایسی باتیں ہوئیں ہیں اب ہو رہی ہیں اور آیندہ اور زیادہ ہوں گی اچنبھے کی بات ہی تو یہ ہی کہ با این ہمہ اقبال مرزا شادی بیاہ کی لغو اور بیہودہ اور مسرفانہ خلافِ شرع رسوم کو ناپسند بھی کرتا ہی اور موقع پاتا ہی تو سختی کے ساتھ ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتا ہی اور پھر بھی (بادل ناخواستہ ہی سہی) کرتا ہی اور کرنے دیتا ہی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوا کہ بس یہاں ناول میں پانی مرتا ہی غور سے پڑھا تو سمجھ میں آیا کہ نہیں ہم ہی نے اقبال مرزا کی والدہ عالیہ بیگم کو ٹھیک نہیں سمجھا۔ ناول ہی سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ مولویوں کے خاندان کی ایک عورت تھی اُس کے مزاج میں دین داری کا عنصر غالب تھا اور امیر بھی تھی۔ شوہر کی خدمت کے تعلق سے ایک طرح کی حکومت بھی گھر میں تھی وہ انتظامِ خانہ داری میں اپنے اقتدار کو خوب سمجھے ہوئے تھی اور اُس کو پورے طور پر عمل میں لائی تھی اُس نے اولاد کو ایسا اُٹھایا تھا کہ بیٹیاں تو بیٹیاں اقبال مرزا جیسا اکلوتا بیٹا لائق و فایق اُس کے مرتے دم تک اُس سے مارے ادب کے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ جب یہ سب

باتیں پیش نظر ہوئیں تو ہم نے سمجھا کہ اقبال مرزا نے جو کچھ بھی کیا بجا کیا۔ درست کیا اور شریف زادہ سعادت مند ہونے کی حیثیت سے اُس کو ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا اور اُس کی تعلیم بھی اسی کی متقاضی تھی ۵

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

پس مصنف نے مراسم کو شرح و بسط کے ساتھ صرف اس لیئے لکھا ہی کہ لوگ ان سے محترز رہیں۔ مگر اقبال مرزا اس سے مستثنیٰ تھا اور اس کی خاص وجہ تھی۔ اسی طرح مصنف نے نکاح ثانی کے جواز کی صورت بھی بتا دی ہی اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ۔ الغرض ناول جیسا بھی ہی اچھا اور بہت اچھا ہی فقط

نذیر احمد دہلی۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء

ریویو۔ نوشتہ عالی جناب خان بہادر مولوی محمد عبد الحامد صاحب[۳] مرحوم دہلوی ڈپٹی کلکٹر پنشنر آنریری مجسٹریٹ درجہ اول و سپیشل جج ضلع دہلی

اقبال دُلہن کو مولوی بشیر الدین احمد صاحب دوم تعلقہ دار گورنمنٹ نظام

---

۱ بیٹھ کی عمدہ خاصیت میں کوئی فرق نہیں ہی۔ باغ میں اُس سے پھول اُگتے ہیں اور کھاری زمین میں گھانس ۲ ضرورتوں کے لحاظ سے ممنوعات بھی جائز ہو جاتے ہیں۔

نوٹ جناب والد ماجد صاحب قبلہ نے میری کتاب کو بالاستیعاب ملاحظہ فرما کر جابجا مناسب تصحیح فرمائی تھی حسبہ درستی کر دی گئی من المصنف۔

۳ جناب ممدوح کی تصانیف یہ ہیں۔ مفید النساء جس پر گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا۔ زینت العروس۔ تحفۃ العروس۔ معلم العمل۔ سیرت حمیدیہ۔ ۱۲ من المصنف

نے میرے پاس بہ غرض ریویو بھیجا ہے۔ سر ولیم میور سابق لفٹنٹ گورنر کے عہد میں اُردو لٹریچر کے ترقی دینے کے لئے طرح طرح کی ترغیبیں دی جاتی تھیں۔ اُن کی قدردانی نے مجھے بھی شوق دلایا تھا اور اُن ہی دنوں میں میں نے کئی کتابیں مستورات کے لئے لکھی تھیں۔ جن کو گورنمنٹ نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور مجھے معقول صلہ مرحمت فرمایا اور پبلک نے بھی ان کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے بعد سے میں کچھ ایسا دنیاوی بکھیڑوں میں پھنسا کہ آج تک تصنیف و تالیف کے لئے قلم بھی نہ اُٹھا سکا۔ مجھے مصنف سمجھ کر ناولسٹ نے یہ کتاب میرے پاس بھیجی ہے مگر میری اب وہ حالت نہ رہی نہ وہ دل رہا نہ دماغ۔ بریں ہم اُن کی خاطر عزیز کے لحاظ سے اور نیز اس وجہ سے کہ وہ میرے بھانجے ہیں میں نے اُن کی کتاب کو شروع سے آخر تک بہ غور دیکھا۔ زبان اس کی دلّی کی شستہ اور بامحاورہ اُردو ہے۔ عورتوں کے محاورات اور اُن کی بولی کو خوب نباہا ہے۔ جا بہ جا اشعار برجستہ سے کتاب میں اور بھی جان پڑ گئی ہے۔ جو سین بیان کیا ہے اُس کی تصویر سامنے کھڑی کر دی ہے۔ فرضی قصے کو اصلی کر دکھایا ہے شادی و غمی کے مضامین اس خوبی سے لکھے ہیں کہ باوجودے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک فرضی قصہ ہے تاہم خوشی کے مضامین سے فرحت و انبساط خاطر اور غمی کی داستان سے دل بے قابو ہو جاتا ہے اور ناول کی یہی بڑی عمدگی ہے کہ کبھی وہ رُلادے اور کبھی ہنسادے واقعات اس طرح بیان کیے جائیں کہ بالکل سچا واقعہ معلوم ہوا اور یہ سب باتیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ ناول کا پلاٹ بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ ان کے والد ماجد جناب مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنی تصنیفات کا سلسلہ مستوراتی ناولوں

ریویو۔ نوشتۂ جناب مولوی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ

آج حضرت بشیر کی ایک بشارت بھری کہانی جسے آیندہ نسلوں کے واسطے بشارت اور موجودہ اسلامی معاشرت کے لئے شگون نیک سمجھنا چاہیئے مصنف صاحب کی عنایت سے دم کے دم دیکھنی نصیب ہوئی اگر صاحب موصوف زیادہ مہلت دیتے تو ہم اور بھی دو چار گھڑی آنکھیں سینکنے دل بہلانے اور اپنے تھکے ماندھے دماغ کو اس مسرت آمودہ نرنم آمیز لوری سے تھپک تھپک کر سلاتے۔ بہرحال اس تھوڑی سی جھپکی میں بھی جسے کسی نتیجہ خیز تھیٹر کی ایک جھانکی کہنا بے جا نہیں ۲۸۶[1] پردوں کے اسٹیج پر تھوڑا تھوڑا ہر ایک موقع کا تماشہ دیکھ لیا اور اس سے جو رائے قائم ہوئی اُسے حوالہ قلم کر دیا۔ گو یا ہم نے رسوم دہلی لکھ کر رسومات کی ایک مجمل فہرست پبلک کے روبرو بطور انڈکس[2] پیش کر دی تھی مگر حضرت بشیر نے اُسے اپنے اپنے موقع پر برت کر دکھایا اور اس میں وہ مفید نکات پیدا کر دیئے جن سے مسلمانوں کی معاشرت میں ایک قابل اصلاح مادّہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ رہا۔ بہ ظاہر یہ ایک ناول یا قصہ ہے مگر درحقیقت دُنیا کے نشیب و فراز دکھا دینے کا جام جہاں نما یا آئینہ سکندر تصور کرنا چاہیئے۔ جام جم یا آئینہ سکندر رہتا تھا اسے آنکھوں سے دیکھ لیا جو خاص ان ہی کا حصہ ہے ان جام کا جمشید اس آئینہ کا جلا کار آپ جانتے ہیں کس کان جواہر کا لعل اور کس بحر عمّال کا دُرِ شہوار ہے؟ یعنی عالموں کا عالم اور فاضلوں کا فاضل۔ ادیبوں کا ادیب خاندانی نامی مصنفوں کا مصنف دریائے علوم کا شناور قلزم تجارب کا تیراک مقبول بارگاہ صمد مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلوی خلف الصدق علامۂ زماں۔ فخر ہند۔ ادیب جہاں

[1] کتاب کے صفحات کی طرف اشارہ ہے۔ من المصنف
[2] فہرست ۱۲

سے شروع کیا تھا وہ ناول پبلک اور گورنمنٹ دونوں ہیں اس قدر مقبول ہوئے کہ مختلف زبانوں ہیں اُن کے ترجمے ہو گئے ہزاروں چھپے اور چھپتے چلے جا رہے ہیں۔ جناب مولوی نذیر احمدؐ صاحب نے پندرہ بیس بیس برس سے بہ تقاضائے عمر ناولوں کا لکھنا موقوف کر کے دینیات کو لیا۔ لوگ اُن کے ناولوں کو ترس گئے۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے بہ مصداق ع اگر پدر[۱] نتواند پسر تمام کند ناولوں کا بیڑا اُٹھایا اور پہلے ہی ناول ہیں اپنے پدر بزرگوار کا سا رنگ لا جمایا۔ ویسے ہی خیالات ویسا ہی طرز بیان ہی۔ اس ناول کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ اس نے مولوی نذیر احمد صاحب کے ناولوں کی ناتمامی کو پورا کر دیا جیسا کہ پورا کرنے کا حق تھا مولوی بشیر الدین احمد صاحب چونکہ میرے قریب کے عزیز ہیں اُن کی عمر کا اکثر حصہ میرے سامنے گذرا۔ اس لیئے مجھ کو معلوم ہی کہ اُن کی بہت سی باتیں اپنے والد ماجد سے ملتی جلتی ہیں اور بہ مقتضائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ[۲]۔ اپنے والد بزرگوار کے کمالات علمیہ اور عملیہ کا نمونہ ہیں۔ مگر ایسا تو اور کم سُنا ہو گا کہ اِدھر جناب مولوی نذیر احمدؐ صاحب اپنی کتاب امہات الامہ[۳] میں اسلامی تکثیر ازدواج پر بحث کر رہے تھے اُدھر مولوی بشیر الدین صاحب اپنے ناول اقبال دلہن ہیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں پھر بھی نتیجہ واحد۔ اُمید کہ لایق مصنف تصنیف اور تالیف کا شغل جاری رکھ کر اپنے والد ماجد کی طرح قوم کے لیئے مفید ثابت ہوں گے۔

عبد الحامد غفر لہٗ۔ دہلی۔ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء

---

[۱] اگر کوئی کام باپ سے نہ ہو سکے تو خیر بیٹا پورا کرے۔ ۱۲ [۲] بیٹا اپنے باپ کی خصلت پر ہوتا ہی۔ ۱۲

[۳] جناب مولوی نذیر احمد صاحب کی سب سے آخری تصنیف ہی جو ابھی چھپ کر تیار ہوئی ہی۔ ۱۲ من المصنف

شمس العلماء جناب مولوی حافظ نذیر احمد صاحب۔ ایل۔ ایل۔ ڈی سلمہ اللہ تعالیٰ
جن کی تصانیف کا شہرہ عام ہے جن کا فیض دین و دنیا کے واسطے بہ صورت دوام
ہے آپ نے یہ فسانۂ فرزانہ عجیب انداز سے لکھا ہے۔ اخلاقی درستی اس کا ایک
ادنیٰ کرشمہ ہے۔ تمدن و معاشرت کی اصلاح ایک بائیں ہاتھ کا داؤں ہے۔ سچ پوچھو
تو اس قصے نے انگریزی تعلیم کے اُس آزادانہ سایہ سے جو بھوت پریت کا سایہ بن کر
نئی روشنی کے نوجوانوں کو چمٹ رہا تھا بال بال بچایا ہے نہ بی آیا کا سایہ قایم رکھا اور
نہ کسی نرس کی اتالیقی کا بلند پایہ۔ دیسی اور انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج اور ولایت
کی تعلیم کا اس خوبی سے موازنہ کیا ہے کہ باید و شاید۔ اگرچہ[1] علی گڑھ کی ابتدائی تعلیم پر
ایک محققانہ اور ہمدردانہ نظر ڈال کر کسی قدر نکتہ چینی کو کام فرمایا ہے۔ مگر نکتہ چینی
اُس زمانہ سے متعلق ہے جس میں آپ خود تعلیم پاتے اور ہر ایک بات نظر غائر سے
دیکھتے جاتے تھے اور وہاں کا ابتدائی زمانہ تھا یا مغلوب الغضب طلباء و مخالفانہ
اخبار کی من گھڑت خبروں سے اخذ کیا ہوا روزنامچہ لیکن اب میں اور جب میں
کوسوں کا فرق ہے۔ یہ جناب نواب مولوی مشتاق حسین بہادر انتصار جنگ
وقار الدولہ وقار الملک آنریری سکرٹری مدرسۃ العلوم کا دور دورہ ہے جنھیں بہ نفس
نفیس ایک قسم کی اصلاح و فلاح قوم کی اُدھیڑ بن رہتی ہے اب یہ شکایت حرف
دیرینہ حکایت ہی حکایت ہے۔ اس قصے کے پیرایہ میں میاں بیوی کے تعلقات
کا اچھا سین دکھایا۔ اور اکثر ازدواج کے شوق کو خوب دل سے اُتارا ہے۔ البتہ
ازدواج ثانی میں عند الضرورت اعتراض سے بچنے کی صورت بھی نکال دی ہے۔

[1] واقعی یہی بات تھی۔ کتاب میں ہم نے یہی فٹ نوٹ بھی دیا ہے۔ ۱۲ من المصنف

شادی و غمی کے موقعوں کی وہ تصویر کھینچی ہے کہ آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیا ہے۔ سونتیا ڈاہ کو سگارت کے اخلاص سے بدل دیا ہے۔ بیماری و غمی کے موقع پر کہرام کا نمونہ دکھلا کر سخت دلوں۔ پتھر کے کلیجے والوں کو کبوتر کی طرح لٹا دیا ہے۔ خوشی و شادی کے موقع پر غمگین دلوں افسردہ خاطروں کو ہنسانے ہنساتے پھڑکا دیا ہے ازدواج ثانی پر جو خط و کتابت یا بطور مکالمہ بحث چھڑی ہے وہ نہایت ہی دلچسپ دل آویز۔ اور معنی خیز ہے حسب موقعہ اشعار نے اس بحث کو حُسن دوبالا کر دیا ہے۔ بے ضرورت اولاد ازدواج ثانی کو بہت اچھی طرح سے مستحسن ٹھیرا کر عقلائے یورپ کو دم مارنے کی جگہ نہ چھوڑی جو کچھ لکھا قابل تسلیم لکھا اور جو کچھ بتایا عورتوں اور مردوں کے حق میں نہایت مفید واجب العمل اور واجب التعظیم بتایا ہے۔ الغرض کیا بلحاظ سلاست و فصاحت کیا باعتبار لطافت و بلاغت کیا بصورت پاکیزگی زبان و خیالات۔ کیا بلند پروازی معلومات یہ ایک اعلیٰ درجہ کا ناول کے قالب میں آپ بیتا اور بالکل اچھوتا از حد مفید و پُراز نصائح سود مند ہم خرما و ہم ثواب قصہ ہے۔ عورتوں کے لیئے آویزۂ گوش مردوں کے واسطے تعویذ عقل و ہوش۔ امور خانہ کے حق میں آنکھوں باخبر۔ خاتونانِ ذی شعور کے لیئے پورا پورا رہبر ہے۔ اگرچہ بعض جگہ بہ ضرورت مواقع انگریزی غیر مانوس الفاظ نے جگہ پائی ہے۔ مثلاً ڈنر۔ ایٹ ہوم۔ پارٹی وغیرہ نے شکل دکھلائی ہے۔ مگر ذکر ولایت تعلیم ولایت خصوصاً یعنی آزادی۔ میموں سے شادی کرنے کے ذکر میں اس کے بہ غیر چارہ نہ تھا۔ اگر اس شادی کو اس طرح بی شادی بنا کر دکھایا جاتا اور اس آزادی کو دیو زادی نہ کہا جاتا تو فیشن طلب نئی تانتی کو کس طرح متنفر و در وگرداں بنایا جاتا لہٰذا ہم اس مختصر ریویو کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ

مصنف ممدوح کو اِسی طرح کی قومی اصلاح میں ہمیشہ لگائے رکھے اور جس ناولانہ طرز کو اُن کے والد بزرگوار نے اُٹھا رکھا تھا پورا پورا انجام پر پونہچادے - آمین -

دہلی - ۱۴ر نومبر ۱۹۰۸ء سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ -

اخبار مخبر دکن مدراس کا ریویو مطبوعہ ۲۴ر جون ۱۹۱۰ء

مولوی بشیر الدین احمد صاحب دوم تعلقہ دار لنگسگور کی تازہ تصنیف اقبال دُلہن حال ہی میں ہمارے مطالعہ کے لئے پہونچی ہے اور ہم اس کتاب کو تمام و کمال پڑھ لینے کے بعد اِس نتیجہ پر پونہچے ہیں کہ درحقیقت مولوی صاحب موصوف نے اصلاح معاشرت کی ایک ضروری اُلجھن کو سُلجھانے میں نہایت عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں یہ "اقبال دُلہن" اگرچہ فرضی فسانہ ہے مگر لایق مصنف نے اصلی واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات کو اس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ گویا مسٹر اقبال کی سچی آٹو بیاگرفی معلوم ہوتی ہے مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور عیسائیت نے ہمیشہ یہ الزام دیا ہے کہ اُصول معاشرت کے لحاظ سے کسی طرح تعداد ازدواج جائز نہیں ہوسکتا۔ گو یہ اعتراف فطرت انسانی کے لحاظ سے بالکل بے بنیاد ہے لیکن اقبال دُلہن کے مطالعہ سے ایسے معترضین کو واقعات کے پیرایہ میں اس امر کا قائل ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں ایک سے زیادہ عورتوں کو شادی کرنا صرف مذہبی رسم ہی نہیں ہے بلکہ حالت اور وقت کا مقتضیٰ بھی ہے اسلام نے تعدد ازدواج کے مسئلہ میں - یہ قانون بالکل مناسب عقل وضع کیا ہے کہ یہ تعداد چار سے زیادہ نہ ہو اس میں شک نہیں کہ ہماری معاشرت کا معیار آج کل اس قدر گھٹا ہوا ہے کہ ہم

مشکل سے رسم و رواج کی بُرائیوں کا احساس کرسکتے ہیں۔ مذہبی زندگی ہماری روحانی طاقت ہے اور ہماری معاشرت کا اصلی معیار خود ہمارا مذہب اسلام ہے۔ لیکن اکثر اوقات دیکھا جاتا ہے کہ رسم و رواج کے آگے اصول مذہب کی کوئی قدر نہیں کی جاتی اور جس طرح کہ اقبال دُلہن کے لایق مصنف نے بیان کیا ہے نارضامندی کی شادیاں کابین کی سختیاں اور آئندہ زندگی کے شروط بالکل عام ہیں۔ اس فسانہ میں مولوی صاحب موصوف نے اظہار واقعات کا نہایت عمدہ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اور شادی۔ موت۔ ہجر اور وصال کے ایسے دل آویز سین کھینچے ہیں کہ کوئی شخص سرسری طور سے اس کتاب کو پڑھ لینے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ الفاظ اور محاورات کی بے ساختگی اور مضامین کے جذبات دل پر بڑا گہرا اثر ڈالتے ہیں اور ہم نے اپنے مطالعہ کے دوران میں اکثر جگہ یہ اثر محسوس کیا ہے ہندوستان میں آج کل اسلامی معاشرت کے اصلاح کی گرم بازاری ہے اور ہمارے ناظرین جانتے ہیں کہ سب سے پہلے شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی نے اس مسئلہ کی اہمیت کا خیال دلایا تھا چنانچہ اُن کی متعدد تصانیف اس امر کی شاہد عادل ہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب جو اس کتاب اقبال دُلہن کے مصنف ہیں وہ اسی لایق باپ کے قابل فخر بیٹے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے فاضل دوست نے اپنے بزرگ باپ کے مشن کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اگرچہ مصنفات میں ہمارے شمس العلماء نے اس مسئلہ کی نسبت ایک اور پہلو سے بحث کی ہے مگر ہمارے خیال میں مولوی بشیر الدین صاحب کی "اقبال دلہن" جس اصول پر لکھی ہے درحقیقت اس قابل ہے کہ مصنفات کے پہلو بہ پہلو

اس کو جگہ دی جائے یہ افسانہ دہلی کے ایک معزز خاندان کی سوانح عمری ہے۔ مسٹر اقبال علی گڑھ کالج سے تعلیم یافتہ ہیں اور وہ بی۔اے کی تحصیل کے بعد بیرسٹری کی تعلیم کے لیئے انگلستان جاتے ہیں۔غریب ماں اپنے اکلوتے بیٹے کی مفارقت کو شاق سمجھتی ہے مگر تعلیم کے نام سے اس کا دل گوارہ نہیں کرتا کہ وہ اس سفر کو ملتوی کر دے۔لائق بیٹا اپنی ماں کے لفظ لفظ کی عزت کرتا ہے اور گو وہ عام محاورہ میں روشن خیال ہو چکا ہے۔لیکن فیشن کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی وہ مراجعت انگلستان کے بعد بھی اپنی وضع داری اور مذہبی احکام کی انجام دہی پر مٹا ہوا ہے وہ اب بھی اپنی ماں کی تعظیم کرتا ہے اور منگنی بیاہ کے معاملات میں اپنی ماں کو مجاز سمجھتا ہے۔ اصلاح معاشرت کا دل دادہ اور خیالات کی آزادی کا بھی حامی ہے مگر وہ دُھن کا اندھا نہیں ہے اپنی شادی کی تجویزوں میں وہ خود حصہ لیتا ہے اور اپنے دوستوں کے خیالات کی اصلاح کرتا ہے مگر انگریزی نے اس کو بالکل انگریز نہیں بنا دیا ہے۔لایق مصنف نے ان واقعات کے ضمن میں معاشرت کی جن گتھیوں کو سلجھا کر رکھ دیا ہے اُس کی کیفیت صرف مطالعہ ہی سے معلوم ہو گی۔ افسانہ کے اس حصہ کے بعد تصنیف کا اصل موضوع اپنے دعوے پر واقعات کی روشنی ڈالتا ہے اقبال دُلہن عقیمہ ثابت ہوتی ہے اور فطرتاً اولاد کی تمنا میں مسٹر اقبال کو دوسرے نکاح کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے مگر وہ جانتا ہے کہ یہ فعل ضرور دل شکنی کا باعث ہو گا اور اگر عام واقعات سے نتیجہ نکالا گیا تو اس میں شک نہیں کہ جوتیوں میں دال بٹے گی مگر آخر کار وہ اپنی مشکلات پر غالب آتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کا دوسرا نکاح مبارک ثابت ہوتا ہے اور اُس کی زندگی قابل رشک نظر آتی ہے لایق مصنف نے

دہلی کے رسم و رسومات کا بہت اچھا خاکہ کھینچا ہی اور محاورات کی تفہیم کے لئے شائقین زبان کو اس کتاب سے اُسی قدر فائدہ حاصل ہو سکتا ہی جس قدر وہ ایک مصطلحات سے متمتع ہو سکتا ہی ہم اُمید کرتے ہیں کہ پبلک اس کتاب کی قدر کرے گی۔

حیدرآباد میں جہاں اصلاح معاشرت کی کوششیں اب تک ابتدائی منزل تک محدود ہیں۔ اس افسانہ سے نہایت فائدہ اُٹھائیں گے اور علی العموم نو جوانوں کو اپنی آیندہ زندگی کی مہم سر کرنے کے لیئے اس کتاب سے کار آمد ہدایات حاصل ہو سکیں گی۔ اگر ہمارے نوجوان رفارمروں کو اصلاح معاشرت کا فریضہ انجام دینا ہی تو اُنہیں چاہیئے کہ اِس کتاب سے سبق سیکھیں اور یقین ہی کہ ان کی محنت سے عملی فائدہ مرتب ہو گا۔ فقط

اقبال دُلہن پر ریویو نوشتہ جناب رابعہ سلطان بیگم صاحبہ حیدرآباد دکن مطبوعہ مشیر دکن

(۲۵ و ۲۸ جولائی ۱۹۱۰ء)

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

زمانہ کی رفتار کے ساتھ ہی ساتھ ہر سمجھ دار آدمی کو اُس کے پیچھے پیچھے چلنا پڑتا ہی زمانہ کی دو عادتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ہر شخص کو اپنے پیچھے چلانا چاہتا ہی اور جو شخص اُس کے پیچھے چلتا ہی اُس کو وہ سرسبز اور نونہال کر دیتا ہی دوسری عادت یہ ہی کہ جو اُس کے پیچھے چلنے سے انکار کرتا ہی اور برعکس زمانہ کو اپنی رفتار پر چلانا چاہتا ہی اُس کو وہ جڑ پیڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیتا ہی اور پامال کر دیتا ہی آج کل کے زمانہ میں ہر شخص اپنے قدیم اور پرانے خیالات کے مرکز سے ہٹتا اور ترقی کے دائرہ کو

وسیع کرتا چلا جاتا ہے اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ الف لیلہ - اندر سبھا بوستان خیال کے مصنف تحسین و آفرین کے مستوجب خیال کیئے جائیں پُرانی تمثیلیں اور لغو استعارات اور بے سود مبالغے اب نہایت بُرے سمجھے جاتے ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ایسے مصنفین کی مثال بالکل برساتی کیڑوں کی سی ہے جو ایک وقت خاص پر پیدا ہوئے اور مٹ گئے تھوڑے دنوں تک ان کی شہرت رہی اس کے بعد کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے اور کیا ہو گئے - انگریزی میں شکسپیر سکاٹ اور ملٹن اسی وجہ سے نامور اور مشہور روزگار ہوئے کہ اُن کی رفتار دوسری تھی - اُنھوں نے جو کچھ کہ لکھا وہ وہی تھا جو کچھ کہ دنیا میں ہوتا رہتا ہے اور جس سے ہر شخص متاثر ہوتا رہتا ہے وہ بالکل واقعات کے لکھنے والے اور زمانہ کے وکیل تھے - یہی سبب ہے کہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے اہل زمانہ اُن کو وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے ہیں - یورپ کی تو یہ خاص تہذیب ہے کہ جھوٹی باتوں اور بے سرو پا افسانوں سے ان کو فطرتاً نفرت ہے مگر ایشیا میں یہ مرض مدتوں پھیلا رہا اور یہاں تک ترقی ہوئی کہ جس کی تصنیف میں جس قدر جھوٹ اور مبالغہ پایا جاتا تھا اُسی قدر اُس کی تعریف کی جاتی تھی مگر زمانہ کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی زمانہ وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے اور اُسی کے ساتھ ساتھ اہل زمانہ کی رفتار بھی بدلتی رہتی ہے جو باتیں کہ پہلے مستحسن اور نیک سمجھی جاتی تھیں وہ باتیں اب معیوب اور مذموم سمجھی جاتی ہیں خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں جن اصحاب نے زمانہ کے ساتھ اپنی رفتار بھی بدل دی وہ قابل فخر اصحاب ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب مولوی مہدی علی خاں صاحب مولوی مشتاق حسین صاحب شمس العلماء ڈاکٹر حافظ مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی

مولانا حالی صاحب وغیرہم ہیں۔

اِن معزز حضرات نے جو کچھ کار نمایاں کیئے اور زورِ قلم دکھایا اُن میں دو باتوں کا لحاظ رکھا ایک تو یہ کہ اصلی واقعات ہوں قصّہ فرضی ہی سہی۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں   گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

دوسری بات یہ ہے کہ بکار آمد اور مطلب کی باتیں ہوں اور آدمی کو انسان اور انسان کو انسان کامل بنا سکیں اور متواتر اس کوشش میں رہے کہ خادم قوم بن کر مخدوم قوم کہلائیں اور ایک حد تک اپنے اِس ارادہ میں کامیابی بھی حاصل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم لفظ قوم کے معنی سمجھی اور بیدار ہوئی۔ اس وقت نسخۂ اقبال دُلہن من تصنیف معزز بھائی مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ دار درجۂ اول سرکار عالی نظام میرے پیش نظر ہے۔ جناب ممدوح حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے فرزند ہیں اور مولانا نذیر احمد صاحب کو بہ اعتبار اُن کی تصنیف و تالیف کے بچّہ بچّہ جانتا ہے۔ اُن کی تصانیف نے جو دنیا میں درجہ قبولیت اور امتیاز حاصل کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج تک اُن کے کسی ہم عصر کو حاصل نہیں ہوا۔ مصنف "اقبال دُلہن" اُسی گلزار کے پھول اور اُسی کاشانہ کی منور شمع ہیں۔ مولانا معز الیہ کی یہ کتاب ہے۔ زبان اور محاورات کا کیا کہنا۔ یہ تو اُن کے ورثے میں آئے ہوئے ہیں۔ اس سے قطع نظر کرکے جو دوسرے پہلو کی طرف غور کرکے دیکھا جاتا ہے تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ جو بات ہے دل پسند اور ذہن نشین اور دل میں جگہ کرنے والی ہے۔ بظاہر ایک کتاب ہے مگر حقیقت میں ایک شفیق اُستاد ہے جو زمانے کے نشیب و فراز پر مطلع کرکے غافلوں کو ہوشیار اور ناتجربہ کاروں کو

تجربہ کا بناتی اور عبرت دلاتی ہی۔ مصنف ممدوح نے جس دل چسپ قصّے کے پیرائے میں نکاحِ ثانی کے مضر نتائج اور اہم نقصانات دکھائے ہیں وہ فی الحقیقت آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں بلکہ ایک دستور العمل ہی جس کو ہر وقت پیش نظر رکھنے سے اُن فوری جذبات کی روک تھام معقول طور سے ہوسکتی ہی جن کی بدولت انسان دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہی۔ ایک مرقع ہی جس میں شرفا کے تمدنی حالات بیاہ شادی مرنے جینے کے رسوم آپس کا میل جول میاں بیوی کے تعلقات کی تصویریں کھنچی ہوئی ہیں۔ ہمارے مندرجۂ عنوان شعر کا بھی یہی مطلب ہی کہ علمی ناقص آدمی اگر اچھے کام بھی شروع کرے تو اُس کو خراب کر دیتا ہی اور کامل آدمی بُرے کام کو بھی اعلیٰ درجہ کا بنا دیتا ہی۔ قابلیت عجیب شئی ہی۔ اس کتاب میں اعلیٰ درجہ کی خوبی یہ ہی کہ تا وقتیکہ اس کو ختم نہ کرلیا جائے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور تصنیف کی اس سے بہتر کوئی عمدگی اور خوبی نہیں ہوسکتی نظم ہو یا نثر اس زمانہ میں قابل ستایش وہی تصنیف ہوسکتی ہی جس میں انسان کی روزمرہ کی زندگی کا فوٹو کھنچا ہوا ہو ایسی ہی تصنیف سے قوم کو فائدہ پونہچتا ہی اور یہی باتیں دل پسند اور دل گداز ہوتی ہیں۔ میں خاتمہ پر مولانا حالی کے چند اشعار لکھنا مناسب سمجھتی ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ مصنف کو اُن کی اس محنت کا صلہ ملے اور کتاب مقبول اور مثل اپنے والدِ ماجد کے اپنی تصنیف و تالیف میں درجۂ قبولیت حاصل ہو آمین ثم آمین۔

ای شعر دل پسند نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہی جو نہ ہو دل گداز تو

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری
کچھ بھی ہو اب ادھر تو نہ کھینچو عنانِ تو
حسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو
اپنے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
چُپ چاپ راستی سے کیئے جا دلوں میں گھر
اونچا نہ کر ابھی علمِ امتیاز تو
جو نابلد ہیں اُن کو بتا چودھویں کی راہ
گر چاہتا ہے خضر کی عمرِ دراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دنیا تو لے نکل
بیڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہے سچ کی قدر پہ ناقدریوں کے بعد
اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو
ہو قدر داں کوئی تو اسے مغتنم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اُس پہ ناز تو

ریویو مندرجۂ رسالہ عصمت نمبر۲ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ (۴۴)

اقبال دُلہن شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب اس صدی کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے تعلیم نسواں کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی بیش بہا تصانیف سے قوم اور ملک کو مالا مال کیا۔ جب سے مولانا موصوف نے اپنا وقت صرف مذہب کی خدمت کے واسطے مخصوص کر دیا اگر ملک و قوم کو نہیں تو فرقۂ نسواں کو ایسا نقصان پہونچا جس کی تلافی مشکل سے ممکن تھی لیکن نہایت مسرت کا مقام کہ مولانائے ممدوح کے فرزند ارجمند مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے یہ کتاب لکھ کر یقین دلایا کہ ان کے والد بزرگوار کی مذہبی مصروفیت فرقۂ نسواں کو نقصان نہ دے گی اس کتاب میں قابل مصنف نے روزمرہ کی زندگی کا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے زبان کی شستگی محاوروں کا استعمال قصہ کی دلچسپی خیالات کی پاکیزگی مختصر یہ کہ اگر کتاب پر مولوی بشیر الدین احمد صاحب کا نام نہ ہوتا تو

ہم کہ دیتے کہ شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب کی یہ آخری تصنیف لڑکیوں کے واسطے ہی۔

اقتباس از مدارس ٹائمز مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۱۶ء ترجمہ از انگریزی

گورنمنٹ کے لیئے ایک غیر معمولی طرز ہی کہ وہ عملی کتابوں کا ریویو کرے لیکن حیدر آباد کی گورنمنٹ نے ایک رزولیوشن شایع کیا ہی کہ جس میں (۳۴۳) کا ریویو ہی جو پچھلے سال میں چھپی تھیں - بہت سی کتابوں کا زیادہ خیال نہیں کیا گیا اور ایک اجمالی ریویو کر دیا ہی لیکن اس کا سرکاری مراسلت میں ذیل کا فقرہ مندرج ہی ناول نگاری کو اقبال دلہن نے قابلیت سے نبھایا ہی جو ایک تمدنی قصہ مولوی بشیر الدین احمد مجسٹریٹ ضلع رائچور کا لکھا ہوا ہی جو اردو کے ایک مشہور مصنف ہیں اور جو اپنے شہرۂ آفاق والد شمس العلما ڈاکٹر مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے طرز تصنیف کو برقرار رکھ رہے ہیں۔

از انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڑھ مطبوعہ ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء

مولانا مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم کے اکلوتے فرزند رشید مولوی بشیر احمد صاحب اول تعلقہ دار (کلکٹر) ضلع رائچور و مملکت سرکار عالی نظام (۳۵) سال کی طویل اور نیک نام ملازمت کے بعد ۲۵ جولائی ۱۹۱۶ء حسب خواہش خود رٹائر ہو کر دہلی تشریف لے آئے ہیں۔ مولوی صاحب بہ اعتبار قوائے جسمانی اور دماغی ابھی اور کئی برس ملازمت کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے توسیع ملازمت پر

خانہ نشینی کو ترجیح دی اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اگر معذور اور اپاہج ہو کر کوئی شخص ہوا تو ہوا نہ ہوا برابر عاقبت بین اور مآل اندیش ملازمت کی قید سے ایسی حالت میں سبکدوش ہونا پسند کرتے ہیں کہ وہ بقیہ عمر کسی مفید انام کام میں صرف کر سکیں اپنے تجربہ سے ملک و قوم کو فائدہ پونہچا سکیں۔ مولانائے مرحوم بھی حیدر آباد کی ملازمت سے خود دست کش ہو کر تیس سال پنشن پاتے رہے اور اس عرصہ میں جو جو مفید کام اور عمدہ تصانیف اُنھوں نے کیں اُن کی یادگار صفحۂ دنیا پر ہے اور مدتوں قایم رہے گی ہم کو توقع ہے کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب بھی بعد حصول پنشن قوم اور ملک کو اپنی مفید خدمات اور تصانیف سے معتد بہ فائدہ پونہچائیں گے مولوی صاحب نے اب تک بھی باوجود ایک وسیع ضلع کے تعلقہ دار ہوتے اور اہم ذمہ داریوں کے متعدد قابل قدر تصانیف کی ہیں مستورات کے لیئے اُن کی دونوں کتابیں (اقبال دُلہن اور حُسن معاشرت) مراۃ العروس اور بنات النعش کے جوڑ کی ہیں[1] یا دونوں کتابیں پنجاب اور ممالک متحدہ آگرہ و حسب انتخاب ٹکسٹ بک کمیٹی مدارس نسوانیہ میں داخل کی گئی ہیں۔ اخلاقی اور تمدنی سلسلے میں حرزِ طفلاں۔ نشاطِ عمر عصائے پیری۔ لڑکوں نوجوانوں اور بڈھوں کے لیئے لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ تاریخ میں بھی اُن کی دو کتابیں[2] لاجواب ہیں۔ اُن تاریخی کتابوں میں سے

[1] ان کے بعد اصلاح معیشت لکھی گئی جس پر گورنمنٹ سے تین سو روپیہ انعام ملا اور پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے اسے زنانہ مدارس کے لیئے منتخب فرمایا۔ اب اسی سلسلے میں چوتھی کتاب لخت جگر دو حصّوں میں چھپ رہی ہے [2] لڑکیوں کے لیئے "بچیوں سے دو دو باتیں" بھی اسی سلسلے میں لکھی گئی ہے

[2] واقعات بیجانگر اور واقعات مملکت بیجاپور۔ ۱۲

ایک اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام سے معنون ہی اور گورنمنٹ نظام نے اس کی جلدیں[1] بھی خرید فرمائی ہیں۔جب ملازمت کی ذمہ داریوں میں وہ اتنا وقت نکال سکے تو اب بدرجۂ اولیٰ ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ قوم اور مُلک کے لئے پہلے سے بہت زیادہ مفید اور کار آمد ثابت ہوں گے۔

ریویو جناب بابو پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی مندرجہ رسالہ العصر جنوری ۱۹۱۷ء

مولوی بشیر الدین احمد کا نامِ نامی آج معترفی سے مستغنی ہی کیوں کہ آپ کے علمی کارناموں سے علم دوست طبیعت آج اچھی طرح واقف ہی اور خود العصر میں آپ کی کئی مفید تالیفات و تصنیفات پر تبصرہ لکھا جا چکا ہی اقبال دُلہن۔ آپ کی پہلی تصنیف ہے گویا بنیاد تھی جس پر آپ کی دماغی مساعی جمیلہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اس قدر عرصہ گزرنے اور نتائج مابعد کے پیش نظر رکھتے ہوئے۔ اس وقت یقینی طور پر کہا جا سکتا ہی کہ یہ بنیاد نہایت با اصول و مستحکم تھی۔ اقبال دُلہن جب اور شائع ہوئی اُسی وقت رمز شناس نگاہوں نے تاڑ لیا تھا کہ مولوی بشیر الدین میں اپنے زندۂ جاوید باپ کے قابل جانشین ہونے کی صلاحیت موجود ہی اور اس امر کا مزید ثبوت جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ملتا گیا۔ اقبال دُلہن کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اُس کا اندازہ اس سے کسی قدر ہو سکتا ہی کہ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا کتاب کے آخر میں اکابر و مشاہیر و اخبارات و رسائل کے جو ریویو و تقاریظ شامل ہیں اُن کے دیکھنے سے منکشف ہوتا ہی کہ

[1] سو جلدیں خریدی گئیں۔ تاریخی سلسلے میں دہلی کی مبسوط اور مفصل ضخیم "تاریخ" تین جلدوں میں لکھی گئی ہی جو (۲۵۶۶) صفحے کی ہی اور جس میں (۴۱۸) نقشے اور فوٹو عمارات وغیرہ کے ہیں۔ ۱۲

مولوی بشیر الدین کی تصنیف کے متعلق عام و خاص میں اس قدر بلند رائے قائم
کی گئی۔ اصل قصہ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان و اسلوب بیان نہایت دل پسند
ہے عبارت کی روانی گفتگو کی بے ساختگی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم کی تصویر سامنے
لا کھڑی کر دیتی ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات پر مولوی بشیر الدین نے جو لکھا ہے
بہت خوب لکھا اور اس قابل ہے کہ متاہل لوگ اس کا ایک ایک لفظ آویزہ گوش بنائیں
دوسرا نکاح ضرورتاً کیا گیا تھا لیکن اس کا اثر جو کچھ پہلی بیوی پر ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔
اقبال دُلہن کا وہ سین کسی حد تک دردناک ہے جہاں دکھایا گیا ہے کہ بڑی دُلہن پر
اس خبر کے سننے سے کیا گزری۔ یہ مقام تاثیر و انشا پردازی کے اعتبار سے بھی پڑھنے
کی چیز ہے بہر کیف محاسن سے لبریز ہے امر عقد ثانی کے جواز کے ساتھ اس کی مشکلات
کو جس انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ وہ مولوی بشیر الدین احمد کا کام تھا۔ ہر شخص کے لئے
اس کا مطالعہ دل چسپ ہوگا۔ اور مستورات اس کو پڑھ کر لا متناہی فوائد حاصل کر سکتی
ہیں۔ کوئی گھر جہاں کتابوں کی پونہچ ہو سکتی اقبال دُلہن سے خالی نہ رہنا چاہیئے
اردو لٹریچر میں اس قسم کی کتابوں کی جو اپنے مضامین کے لحاظ سے مستورات کے
ہاتھ تک پونہچنے کے قابل ہوں بہت کمی ہے اور حسن معاشرت دوسری کتاب
ہے جو اقبال دُلہن کے بعد مولوی بشیر الدین احمد کے مساعی جمیلہ کی بدولت یہ
کمی پورا کرنے کے لئے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی ہے۔ لٹریری خوبیوں
کے اعتبار سے یہ اقبال دُلہن کی حقیقی بہن ہے اور معنوی محاسن میں بھی کسی پہلو
سے گری ہوئی نہیں ہے اس افسانہ کو مولوی بشیر الدین احمد نے دو حصوں میں
تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں نواب سلیمان قدر اور اُن کی بیگم اُن کے صاحبزادے

فرخندہ جمال اور فرخندہ جمال کی بد مزاج بیوی کا حال ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ لڑکیوں کے تعلیم یافتہ ہونے کی کہاں تک ضرورت ہے اور بے تربیت لڑکیاں کس حد تک شوہر کے لیئے ایک مصیبت ثابت ہوتی ہیں۔ دوسرے حصّہ میں یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ روشن خیال والدین کی اولاد کیسی روشن طبع ذکی اور تربیت یافتہ ہوتی ہے اور ان صفات کی بدولت وہ اپنے گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ یہ نہایت غایت درجہ دلچسپ اور حقیقی معاشرتی زندگی کا ایک دل کش فوٹو ہے جو اس کے پڑھنے سے پیش نظر ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا یقینا اس کا متمنّی ہوتا ہے کہ اس کے گھر میں بھی یہی انتظام و تہذیب آئے۔ فرخندہ جمال کی پہلی بیوی لاڈلی بیگم کی تصویر ایسے الفاظ میں کھینچی گئی ہے کہ اُس کے جہل اور بے تمیزی پر سبھوں کو افسوس ہوگا۔ پھر اُس کا انجام نہایت عبرت ناک ہے۔ خاندانی نزاعات باہمی تکرار۔ آپس کا نفاق۔ ساس بہو کی شکر رنجی۔ میاں بیوی کا گلچپ یہ واقعات ہیں جو اکثر گھرانوں میں پیش آتے رہتے ہیں اور اُن کا سماں صاف وشیریں اور ٹکسالی زبان میں حسن معاشرت کے صفحات میں نفاست کے ساتھ دکھایا ہے ان تمام واقعات کو پڑھنے سے احساس پذیر طبائع سبق حاصل کر سکتی ہیں۔ اس کے بالمقابل معصومہ (دوسری بیوی) کے اخلاق و عادات کا جو نقشہ حصۂ دوم میں کھینچا گیا ہے اور جس کی نسبت قابل مصنف فرماتے ہیں کہ "آپ بیتی" ہے خاص طور پر موثر ہے۔ گھر کی دیکھ بھال بچّوں کا رکھ رکھاؤ۔ عام انتظام و نگرانی شوہر کی ضروریات کا خیال۔ نفاست پسندی۔ کفایت شعاری ان سب باتوں کی تصویر دیکھنا چاہو تو معصومہ کے حالات میں پاؤ گے۔ لاڈلی بیگم کے ہاتھوں فرخندہ جمال

سے جو کوفت اُٹھائی تھی اُس کی تلافی معصومہ کی بدولت ہو گئی۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو شریف گھرانوں میں لڑکیوں کو سبقاً سبقاً پڑھایا جائے معاشرت منزلی کے متعلق اس میں بہت سی قابل قدر نصیحتیں ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی خریداری کی موکد سفارش کی جاتی ہے کوئی گھر ان سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ فقط

جناب اشرف جہاں بیگم صاحب دہلوی کا ریویو

اقبال دُلہن

کیا میں نے تو آپ کی ساری کتابیں بڑے شوق سے پڑھی ہیں میں دیکھتی ہوں کہ بڑے بڑے چوٹی کے لوگوں نے آپ کی کتابوں پر ریویو کئے ہیں تو میں بے چاری کس شمار و قطار میں ہوں۔ چھوٹا منہ بڑی بات لیکن آپ کی کتابوں نے جو میرے دل پر اثر کیا ہے اگر میں اُس کا اظہار نہ کروں تو کفرانِ نعمت ہے۔ گو آپ کو اس کی ضرورت نہ ہو مگر زبان پر آئی بات رُک نہیں سکتی۔ اقبال دُلہن پڑھ کر ایک زمانہ ہو گیا۔ لیکن جب میں نے سُنا کہ اُس کا نیا ایڈیشن نکل رہا ہے تو میں نے کہا کہ یہ موقع خوب ہے تو بھی جیسا کچھ بن پڑے ٹوٹا پھوٹا لکھ ڈال۔ کتابیں تو میں نے بہت سی دیکھیں اور آئے دن دیکھتی رہتی ہوں مگر آپ کی کتابوں کا ڈھنگ نرالا ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی زبان پائی ہے۔ دلّی کی عورتوں کی ٹھیٹ زبان لکھنا آپ پر ختم ہے۔ عبارت کی برجستگی۔ محاورات کی بندش۔ واقعات کا نقشہ شاید ہی کوئی آپ سے بہتر کھینچ سکتا ہو۔ بڑا لطف آپ کی کتابوں میں یہ ہے کہ جب پڑھو نئی۔ آپ کے نصائح اس قابل ہیں کہ عورتیں گرہ باندھ لیں۔ اگر خدا نیکی دے اور وہ آپ کی مجوزہ ڈگر اختیار کر لیں تو یقیناً اُن کا بیڑا پار ہو جائے۔ آپ نے یہ بڑی بات کی ہے کہ عورتوں کی جگہ

عورتوں کو اور مردوں کی جگہ مردوں کو اونچ نیچ خوب سمجھائی ہے یہ نہیں کہ طویلے کی بلا بندر
کے سر ساری خرابیاں عورتوں ہی کے سر تھوپی ہیں۔ مانا کہ عورتیں کمزور اور
محکوم اور کم سمجھ ہیں مگر انسان تو ضرور ہیں۔ مردوں کو چاہیئے کہ اُن کو انسان سمجھ کر
سلوک کریں یہ نہیں کہ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ کبھی آسمان پر چڑھا دیں تو کبھی
زمین میں دھنسا دیں۔ آپ نے جو سین دکھایا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچ مچ کا واقعہ
ہے جو ہو گزرا ہے اور آئے دن ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں کوئی ان ہونی یا انوکھی
بات آپ نے نہیں لکھی کبھی آپ ایسا ہنساتے ہیں کہ بل پڑ پڑ جاتے ہیں اور
کبھی آپ ایسا رُلاتے ہیں کہ ہچکی بندھ بندھ جاتی ہے۔ آپ کا قلم ہے یا میجک وانڈ
(جادو کی چھڑی) ہے دنیا کے سارے واقعات پیدائش۔ تعلیم۔ شادی۔ بیاہ۔
مرنا جینا۔ سب مضامین آپ نے لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ عورتوں کی زبان
اُن کے محاورات کا بہترین چربہ اُتارا ہے۔ عورتوں کے توہمات اُن کی رسومات کو
تو ایسا دکھلایا ہے کہ کہیں شادی رچ رہی ہے تو کہیں زچہ خانہ ہے۔ گھر بیٹھے ڈومنیوں
کا گانا سُن لو۔ سُہاگ گھوڑیاں۔ زچہ گیریاں۔ لوریاں سب ہی کچھ اِس کتاب
میں ہے۔ جو بیان آ گیا ہے اُس کا سماں باندھ دیا ہے۔ ہو بہو نقشہ اُتار دیا ہے۔ کتاب
نہیں ہے بائسکوپ کا تماشہ ہے چلتی پھرتی تصویریں دیکھ لیجئے وہ بولتی نہیں ان میں
نادرت یہ ہے کہ بولتی اور بات بھی کرتی ہیں۔ غرض کتاب شروع کرو تو ختم کیے بغیر چھٹ
نہیں سکتی دل اُسی میں پڑا رہتا ہے۔ بعض مصنف کثرت سے موت کا سین دکھلاتے
اور تمام ایکٹروں کو مار ڈالتے ہیں وہ کتاب نہیں ہوتی میدانِ جنگ ہوتا ہے یا قتلِ عام
مگر آپ کبھی شادی کی بہار دکھاتے ہیں تو پھر تھوڑی ہی دیر میں شادی بھی جا دیتے

ہیں اور کتاب وہی اچھی جس کا خاتمہ اچھا ہو اور کتاب ختم کرکے دل خوش ہو یہ نہیں کہ سوائے رنج والم کے خوشی کی جھلک نظر نہ آئے۔ تکلیف اور مصیبت کے بعد اگر آرام وراحت نہ ملی تو وہ بات ہی کیا ہوئی۔ زیادہ لکھنا محض آپ کی سمع خراشی ہے کہ آپ کی تصنیفات کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور گھر گھر ان کا چرچا ہے۔ میں سنتی ہوں کہ آپ کوئی اور کتاب لکھ رہے ہیں اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے نہ بھولیئے گا۔ اور سب سے پہلی کاپی مجھے ملنی چاہیئے۔ ایک تو میں آپ کی رشتہ دار اور پھر آپ کی کتابوں کی شایق۔ میرا پہلا حق ہے۔ فقط

نوٹ۔ کہاں تک ریویو لکھے جائیں۔ بہت سے ہیں جن میں سے چند چن کر لکھ دیئے ہیں۔ عزیزہ اشرف جہاں صاحب کی خاطر عزیز ہے۔ اُن کا ریویو اگر درج نہ کیا جائے تو احسان فراموشی کے علاوہ مُنہ دکھلانے کو جگہ نہ رہے گی۔ ۱۲ من المصنف ۔ ۱۲

تاریخ منظوم چکیدۂ کلک جواہر سلک مولوی سید مجد الدین صاحب رشتہ دار محکمہ اوّل تعلقہ دار ضلع رائچور بقاء اللہ عز وجل بالعافیۃ والسرور

مذاقِ علم ہے یوں شور انگیز
نگاہیں پڑ رہی ہیں اس لیئے تیز

ہوا تصنیف ہے دلچسپ ناول
کہ ہے جس کا ہر اک فقرہ دل آویز

دل آویزی میں یکتا ہو نہ کیوں کر
کہ لفظِ فاتحوا سے ہے طرب خیز

فصاحت فقرہ فقرہ سے ہم آغوش
بلاغت لفظ و معنی سے اثر ریز

نہیں اک لفظ اس میں غیر تہذیب
کیا ناگفتنی باتوں سے پرہیز

ہیں سب باتجربہ احوال واقوال
جبھی تو ہیں اثر بخش و دل آویز

سمایا ندھا ہو شادی کا کسی جا
کہیں اُس کے مصائب درد انگیز

کہیں ناعاقبت بینیوں کے افعال
کہیں اُن کے نتائج عبرت انگیز

کہیں دو سوکنوں کی نوک جھونکیں ہیں
میاں کی اِستمالت حسرت آمیز

کہیں دو سوکنوں کے تصفیئے ہیں
میاں کے حق میں ہے تجویز برخیز

شریفانہ مروّت کی بدولت
ہوئی بیگم ہلاکو خاں چنگیز

ہے ہیرو نام کا اقبال مرزا
مظالم سے مگر بیوی کے لبریز

نہیں ناول یہ ہے فوٹو حقیقی
اور اِک اِک لفظ ہے اس کا اثر ریز

بنا ہے خوب رسم اہل ادب کی
کہ قصوں میں نصائح ہوں اثر ریز

بجا ہے پندنامہ اس کو کہنا
بہ شکل قصہ ہائے لطف انگیز

مصنف ہیں بشیر الدین احمد
یگانہ نکتہ پرور سحر انگیز

لیاقت اُن کی سب ہی مانتے ہیں
مسلمان۔ پارسی۔ ہندو و انگریز

ہے اُن کے دم قدم سے باغ تالیف
پھلا پھولا ہرا اور فرحت انگیز

بھلا میں کیا مری تعریف ہے کیا
جب اُن کی مدح سے عالم ہے لبریز

سن ہجری ہے منقوطہ میں اُس کا
اثر بار و اثر بخش و اثر ریز

سنائیں بے نقط سونوں نے اکثر
کبھی تو با نُقَط ہوں لطف انگیز

دو سونوں کے مِلانے کی غرض سے
تداخل دو عدد کا ہے تمیز

کرو مجدد اور لکھو تاریخ اس کی
کتاب لاجواب و وعظ آمیز

۱۳۲۶ھ

۲۳ - ۱۴ + ۲ =

از قلم جناب سیدہ بیگم صاحبہ تھہلی ضلع سارن

وہ خیر خواہِ قوم بلا قیدِ مرد و زن
ہر دل عزیز پاک نفس نیک خوش چلن

وہ عہدہ دار مُلک دکن میں نظام کے
وہ کام آنے والے ہر اک خاص و عام کے

وہ اہلِ علم۔ اہلِ ہنر۔ صاحبِ کمال
وہ ذی شعور و زیرک و خوش فکر خوش خیال

کس باپ کے وہ بیٹے ہیں اُن کا ہے گھر کہاں
دہلی جہاں کی ہند میں ہے مستند زباں

لاکھوں میں ایک اُن کے ہیں والد بزرگوار
حافظ نذیر احمدِ یکتائے روزگار

اسمِ شریف شہرۂ آفاق ہے بشیر
دین احمد اُن کے نام کا ہے حصۂ اخیر

مومن کے دل سے پاک تر اُن کی زبان ہے
اُن کی زباں سے صاف اُن کا بیان ہے

اُن کی زباں کو ناز ہے اُن کے بیان پر
اُن کے بیاں کو فخر ہے اُن کی زبان پر

اُن کی زبان ہے کہ صداقت کی جان ہے
اُن کا بیان ہے کہ بلاغت کی کان ہے

کیسی لکھی کتاب زن و مرد کے لیئے
ہر حال کام آئے وہ یعنی مرے جیئے

لکھی گئی ہے نثر میں بے مثل یہ کتاب
موقع سے بھر کہیں کہیں اشعار لاجواب

قصّے کے طور سے ہے یہ ظاہر میں گو کتاب
پر نثر میں ایک بات بھی اس میں نہیں خراب

دکھلا دیا زمانے کے ہر خوب و زشت کو
آگ اور پانی لعل و گہر سنگ و خشت کو

چھوٹی نہیں ہے ایک بھی اس میں جہاں کی بات
لکھی گئی ہے اپنی جگہ ہے جہاں کی بات

باتیں ہیں اس میں جتنی وہ سب قابلِ قبول
اک حرف بھی نہیں ہے کہیں نام کو فضول

لکچر میں ہے یہ بات نہ ہے وعظ میں اثر
ہو جائے سُن کے دل میں جو یوں نقش کالحجر

مضموں تو یوں ہزاروں ہیں جدت ہی یہ کہاں — لاکھوں ہیں لکھنے والے طبیعت ہی کہاں

ایسی لکھی کتاب کسی نے نہ آج تک — جس میں کسی کو ہو نہ تعذر نہ کوئی شک

یہ بے بہا کتاب کہ ہی تھوڑے دام کی — ہی کام کی ہمارے مصنف کے نام کی

آئینہ سکندری و جام جم ہی یہ — یہ بھی کہے جو کوئی تو تعریف کم ہی یہ

لکھے گئے ہیں جو زن و شو کے تعلقات — اس میں فروگذاشت نہیں کوئی ایک بات

کثرت میں ازدواج کے جو ہیں خرابیاں — ایک ایک کر کے اس کو بھی اس میں کیا بیاں

ایسا بیان کہ ہو نہیں سکتا ہی پھر بیاں — اور اس بیان کے لیئے منہ میں نہیں زبان

دکھلا دیا غرض جو زمانے کی چال ہی — کینہ حسد جدال جو اس کا مال ہی

شادی غمی کے رسم میں جتنے بھلے برے — اچھی طرح سے اس میں وہ دکھلا دیئے گئے

تعلیم کا بیاں ہی تو کن خوبیوں سے ہی — ممکن نہیں بیان ہو وہ جن خوبیوں سے ہی

تعلیم کی ہی طرز کہن بھی جدید بھی — لکھی اس میں چشم دید بھی ہی کچھ شنید بھی

جتنے سبق ہیں اس میں وہ سب عاقلانہ ہیں — مضمون جتنے اس میں ہیں سب فاضلانہ ہیں

جو کوئی اس کتاب پہ جی سے عمل کرے — اچھی طرح جیئے وہ پھر اچھی طرح مرے

واعظ کا کام یہ نہ کسی لکچرار کا — ہی کام اُن کے خامۂ معجز نگار کا

چھپنے کے پیشتر جو ہی یہ اس کی دھوم دھام — ہو جائے گی شتاب یہ مقبول خاص و عام

تعریف اس کی کوئی لکھے کیا مجال ہی — آپ اپنے طور میں یہ عدیم المثال ہی

شاہد ہی قول مصرع تاریخ دل پذیر

آپ اپنی یہ مثال ہی آپ اپنی یہ نظیر

سنہ ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ نتیجۂ فکر رسا جناب نواب میرزا سراج الدین احمد خان صاحب متخلص بہ سائل جاگیردار ریاست لوہارو و تلمیذ ناظم یار جنگ دبیر الدولہ نواب میرزا خان داغ دہلوی

مجھ سے فرمائش ہوئی ایک قطعۂ تاریخ کی
یوں بڑھاتے ہیں مرے احباب میری آبرو

اُس پہ ہوتا ہی پھر ابرام و تقاضہ اس قدر
تا کہ میں سمجھوں مصنف کی دلی ہی آرزو

ضمن میں اصرار کے ہیچ سخن کی چاشنی
وہ بھی اتنی لمبی چوڑی جس پہ گھنٹوں گفتگو

دوست بھی ایسے کہ جن کے باپ سے حاصل نیاز
میرے کوچے کے مقابل ہیں ہی واقع جن کی کو

اتباع امر کرنا ہی پڑا آخر مجھے
آنکھ پھیری جائے کیوں کر دوستوں کے روبرو

مختلف مضمون اس تصنیف کے میں نے پڑھے
ہر طرح سے ڈال کر دیکھی نگاہ عیب جو

درحقیقت خوبیاں اس کی اسی کو زیب ہیں
خاص کر رسم و رواج بود و باش زن و شو

مطمئن جب ہو لیا تعمیل بھی کرنی پڑی
خیر سے آ کر ہوئی اب مادّے کی جستجو

فکر اتنی بات کہہ کر کان میں چلتی ہوئی
کہہ بھی دے سائل اسے بس توضیاں نیک خو
۱۳۲۷

قطعۂ تاریخ نوشتہ جناب مولوی سید علی حسن احسن مارہروی اڈیٹر فصیح الملک

فکر مولانا بشیر احمد ہی یہ
فقرہ فقرہ جس کا پند آمیز ہی

کیوں نہ ہو تحریر اُن کی زور دار
فکر عالی ہی طبیعت تیز ہی

سطر سطر اس کی ہی موتی کی لڑی
نقطہ نقطہ اس کا گوہر ریز ہی

درج ہی دو دو سو کنبوں کا اس میں حال
یہ فسانہ کیا ہی درد انگیز ہی

شست ہی جن کا سمند عقل و ہوش	حق میں ایسوں کے یہ اک ماہمیز ہی
ہی یہ ناول ایک اخلاقی چمن	باغِ معنی جس کا نکہت بیز ہی

فکر تاریخ اس قدر احسن ہی کہوں
کہہ دو گُلِ ناول نصیحت خیز ہی
۱۳۲۷ھ

تاریخ نوشتۂ جناب مولوی فضل ستّار صاحب امروہوی

ناولِ حضرت بشیر الدین	یعنی مخدوم طبع عالی ما
در فصاحت چو بلبلِ شیراز	در ظرافت چو خانِ عالی ما
نضرتِ نوبہار باغ سخن	نزہت گلشنِ خیالی ما
جلوہ گر شاہد معانی نطق	شد نثار سرش لآلی ما
سرنگوں در شناسِ چرخِ بریں	آخر ام گشتہ تالی ما
مرحبا اوج فکر طبع بلند	حبذا اوجہ خوش مقالی ما
سن و تاریخ بلبل سدرہ	گفت "تاریخ لاابالی" ما
	۱۳۲۷ھ

تاریخ نوشتۂ جناب مولوی محمد رفیع الدین احمد صاحب مرحوم المتخلص بہ نفیس تحصیل عالم پور ضلع ارائچ پور

ہست این نسخہ ز تصنیف بشیر ذی شان	داستان سست نہ ہے خوب بہ آئین ہمین
کلک من مصرعۂ تاریخ نوشت است نفیس	طبع شد قصۂ اقبال دلہن با تمکین
	۱۳۲۶ھ

ست



فہرست الدہاجہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی کتب تصانیف

مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمۂ کلام مجید اردو کا بہترین ترجمہ مان لیا گیا ہے جس کی قریب قریب ایک
لاکھ کا پیاں اب تک ہدیہ ہو چکی ہیں اُس کلام مجید کا ترجمہ مختلف تقطیع پر چھپا ہے جس کی صراحت ذیل میں ہے۔
بڑا قرآن شریف جلی قلم۔ کاغذ سفید عمدہ۔ چکنا ولایتی سطور پر حنائی رنگ صفحہ ۸۷۰ تقطیع ۲۲-۲۹
دو صفحے مع فہرست مضامین و فرہنگ الفاظ اردو و مجلد عہ قیمت بلا جلد عمہ ۔ محصولڈاک ۱۲ -
جامع المصاحف متوسط قرآن تقطیع ۲۲/۲۹ چو صفحہ ۸۰۰ کاغذ سفید چکنا ولایتی سطور پر حنائی رنگ
با ترجمہ اُردو مع فہرست مضامین و فرہنگ الفاظ اردو و مجلد عہ قیمت بلا جلد صہ محصولڈاک ۱۴ غرائب القرآن
تقطیع ۲۲-۲۹ صفحہ ۱۱۴۵ اس میں ایک طرف کلام مجید ہے صفحہ مقابل پر ترجمہ حاشیہ پر حل لغات عربی کاغذ سفید۔
مجلد ۸ قیمت بلا جلد سے محصول ڈاک ۱ حمایل شریف ترجمہ بین السطور سطور پر حنائی رنگ تقطیع ۱۶/۲۲
صفحہ ۱۰۶۴ مع فہرست مضامین و فرہنگ لغات اردو سفر میں ساتھ رکھنے کے قابل ہے مجلد صہ قیمت بلا جلد للعہ محصول
ڈاک ۸ ر دہ سورہ فی احسن الصورۃ مترجم پنج سورہ کی جگہ یہ دہ سورہ ہے جو وظیفہ پڑھنے والوں کے لیے بہت
ضروری ہے تقطیع ۱۶-۲۲ صفحہ ۱۴۴ قیمت ۱۰ محصول ڈاک ۳ ادعیۃ القرآن یہ قرآن شریف کی ساری
دعائیں مع ترجمہ و خواص تقطیع ۱۶-۲۲ صفحہ ۱۰۰ ٹائٹل سادہ رنگین قیمت ۱۰ ر ۱۲ محصول ۳ الحقوق و الفرائض
تقطیع ۲۲-۲۹ صفحہ ۱۱۲۶ مذہب اسلام کے سارے مسائل کا مجموعہ قرآن شریف کی آیات اور احادیث
کے ترجمہ کے ساتھ ہر مسلمان کے گھر میں جو مذہب سے واقفیت رکھنا چاہتا ہو اس کتاب کا ہونا لازمات
میں سے ہے حصہ اول ۶ حصہ دوم ۱۲ حصہ سوم ۱۲ اور پورا سٹ ۸ محصولڈاک ۱۴۔
اجتہاد تقطیع ۲۲-۲۹ صفحہ ۱۶۶ اسلام کی حقانیت کا دلائل و براہین قاطعہ سے اثبات جو
مسلمان اپنے عقیدے میں پکا ہونا چاہے وہ اس کتاب کو ضرور دیکھے۔ قیمت ۸ محصول ڈاک ۵ ر
حیات النذیر مولانا کی مفصل سوانح عمری مع فوٹو اور عکسی خطوط کے تقطیع ۲۲-۲۹ صفحہ ۶۷۸
قیمت سے محصول ڈاک ۱۱ ر نظم بے نظیر۔ تقطیع ۲۰-۲۶۔ مولانا کی کل نظموں کا مجموعہ بہ صراحت
اس امر کے کہ کہاں اور کس موقعہ پر پڑھی گئیں۔ قیمت ۸ محصول ڈاک ۵ ر۔ مراۃ العروس۔
بنات النعش۔ توبۃ النصوح یہ تینوں کتابیں اس کثرت سے مروج ہیں کہ کسی مزید تعریف
کی ضرورت نہیں بازار میں کثرت سے سستی قیمت پر ملتی ہیں۔ مگر نہ خط اچھا نہ کاغذ اچھا ہمارے خاص
اہتمام اور نگرانی سے چھپوائی گئی ہوئی۔ کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور فٹ نوٹ میں تمام
الفاظ کے معانی تقطیع ۲۰-۲۶۔ صفحات علی الترتیب ۱۸۶-۱۵۰-۱۸۸ فی نسخہ عہ محصول ڈاک ۵ ر
محصنات تقطیع ۲۰-۲۶- صفحہ ۲۱۲ تعداد ازدواج کے روح فرسا نتائج قیمت ۸
محصول ڈاک ۵ ر رویائے صادقہ تقطیع ۲۰-۲۶- صفحہ ۲۱۵ مختلف مذاہب کا مقابلہ
اسلام سے قیمت فی جلد ۸ محصول ڈاک ۵ ر ایامیٰ بیواؤں کی حالت کا دردناک فوٹو تقطیع ۲۰-۲۶ صفحہ ۲۱۲
قیمت ۸ محصول ۵ ر

[١٧] ابن الوقت۔ تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۲۰۶ انگریزی وضع کی کورانہ تقلید کے تباہ کن نتائج قیمت
فی جلد عہ محصولڈاک ۵ ر [١٨] موعظہ حسنہ مولانا کے اصلی نصیحت آمیز خطوط اپنے فرزند کے نام
تقطیع ۲۰-۲۶۔ صفحات ۷۴ قیمت فی جلد ۸ محصول ڈاک ۵ ر [١٩] منتخب الحکایات بچوں
کے لئے چھوٹی چھوٹی دلچسپ نتیجہ خیز کہانیاں تقطیع ۲۰-۲۶۔ صفحات ۸۰ قیمت فی جلد
۸ ر محصول ڈاک ۲ ر [٢٠] چند پند مفید و نصیحت آمیز مختلف مضامین کا مجموعہ بچوں کے لیئے تقطیع
۲۰-۲۶۔ صفحات ۷۲ قیمت فی جلد ۸ ر محصول ڈاک ۳ ر [٢١] صرف صغیر۔ اردو زبان میں فارسی
گرامر تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۴۴ قیمت فی جلد ۶ ر محصولڈاک ۳ ر [٢٢] نصاب خسرو جدید طرز کی خالق
باری تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۲۸ قیمت ۶ ر محصول ڈاک ۳ ر [٢٣] رسم الخط املا نویسی کے قواعد لڑکوں
کے لیئے بہت ضروری تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۳۲ قیمت ۶ ر محصول ڈاک ۳ ر [٢٤] مبادی الحکمت
سلیس اردو میں عربی منطق کے قواعد تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۱۳۲ قیمت عہ محصول ڈاک ۴ ر
[٢٥] مالغینک فی الصرف صرف عربی کی بہترین گرامر اردو میں تقطیع ۲۲-۲۹۔ ص ۶۸ قیمت
فی جلد ۱۳ ر محصول ڈاک ۴ ر [٢٦] لکچروں کا مجموعہ دو جلدوں میں تقطیع ۲۰-۲۶۔ ص ۱۱۹۱ (۴۴)
بکر ہیں دونوں جلد للعہ محصول ڈاک ۱۴ ر [٢٧] مطالب القرآن قرآن شریف کی تفسیر کا پہلا حصہ
جتنا لکھا جا چکا تھا چھاپ دیا گیا تقطیع ۲۲-۲۹ ص ۱۴۸ قیمت فی جلد ۸ محصول ڈاک ۵ ر
[٢٨] امہات الامۃ۔ از دواج مطہرات کے حالات (زیر طبع) قیمت فی جلد عہ محصول ڈاک ۵ ر

مجھ ناچیز کی تصانیف

[١] حسن معاشرت مجلد ۶ار بلا جلد ۸ محصول ڈاک ۵ ر [٢] اصلاح معیشت مجلد ۶ار
بلا جلد عہ محصول ڈاک ۵ ر [٣] لخت جگر دو حصے [٤] فغان اشرف یہ پانچوں کتابیں ۱۸-۲۲۔ تقطیع کی
ہیں مراۃ العروس کے طرز کی ہر عمر کی عورتوں کے لیئے ازبس مفید ہیں نمبر ۲ و ۳ پر گورنمنٹ سے
انعام بھی ملا ہے بلا جلد ۸ ر مجلد للعہ محصولڈاک ۱ار فغان اشرف عہ محصول ڈاک ۵ ر
[٥] تعلیم نیک کرداری کی کتابیں۔ [٦] خرز طفلان بچوں کے لیئے قیمت فی جلد عہ محصول ڈاک ۱ ر
[٧] نشاط عمر۔ جوانوں کے لیئے قیمت ۸ محصول ڈاک ۵ ر
[٨] عصائے پیری عمر رسیدہ لوگوں کے لیئے قیمت فی جلد عہ محصول ڈاک ۴ ر
[٩] شمع ہدایت سب کے لیئے قیمت فی جلد ۸ محصولڈاک ۵ ر
[١٠] بچیوں سے دو دو باتیں لڑکیوں کے لیئے قیمت عہ محصول ڈاک ۴ ر
[١١] مثنوی درد دل سچا اور دردناک واقعہ قیمت فی جلد ۸ ر محصول ڈاک ۳ ر

اعلان

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار کھاری باؤلی دہلی

بشیر الدین احمد
مؤلف
ناٹسل
اردو ناول